سلسلۂ تاریخ اختلاف امت

(۱)

خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

یعنی

اموی خلافت کا پس منظر، سیرۃ معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ، حادثہ کربلا و فتنہ حرہ پر بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مؤلفہ

محمود احمد عباسی

قیمت:

طبع اوّل	مئی ۱۹۵۹ء		۱۰۰۰
" دوم	جولائی ۱۹۵۹ء		۱۰۰۰
" سوئم	جنوری ۱۹۶۱ء		۲۰۰۰
" چہارم	جون ۱۹۶۲ء		۱۰۰۰

یہ کتاب ان مقامات سے دستیاب ہوسکتی ہے

کراچی :- مکتبہ محمود - ۲/۶ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی ۱۹

" :- سلطان حسین اینڈ سنز - مقابل مولوی مسافرخانہ بندر روڈ کراچی

لاہور :- مکتبہ علم و حکمت - سوتر منڈی - لاہور

ملتان :- مکتبہ نادرۃ الادب اسلامی - ۲/۳۲ - کوٹ تغلق شاہ - ملتان

ناشر

محمود احمد عباسی - کاشانہ محمود - ۲/۶ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی

طابع

جاوید پرنٹنگ پریس - میکلوڈ روڈ - کراچی

فہرست مندرجات

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۱	عرض مؤلف (طبع چہارم)	۶	۱۸	خطبہ امیر المومنین یزیدؒ	
۲	" " " سوم	۱۱	۱۹	لقب الخطیب الارزق	۹۹
۳	" " " دوم	۳۴	۲۰	خصائل محمودہ	۹۹
۴	" " " اوّل	۴۵	۲۱	حکمرانی کا مطمح نظر	۱۰۰
۵	اموی خلافت کا پس منظر	۵۲	۲۲	سیرت یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ	۱۰۲
۶	سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت		۲۳	کتاب فضل یزیدؒ	۱۰۵
۷	خلافت سے معزولی اور شہادت	۶۲	۲۴	مدینۃ النبی سے انس	۱۰۹
۸	وصیت	۶۳	۲۵	اطاعت امیر و ممانعت خروج	۱۱۳
۹	مصالحت اور بیعت خلافت	۶۶	۲۶	خلافت کے امیدوار	۱۱۷
۱۰	حضرت معاویہؓ کا سلوک	۶۹	۲۷	حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہ کے نصائح	۱۱۹
۱۱	جہاد قسطنطنیہ و بشارت مغفرت	۷۲			
۱۲	امارت حج	۸۱	۲۸	حکومت کا نرم رویہ	۱۲۳
۱۳	ولیعہدی	۸۲	۲۹	قطعہ اشعار امیر یزیدؒ	۱۲۴
۱۴	کردار خلیفہ یزیدؒ	۸۹	۳۰	برادر حسینؓ کا موقف	۱۲۶
۱۵	مجالس علمی	۹۲	۳۱	موقف صحابہ رسولؐ	۱۲۹
۱۶	روایت حدیث	۹۲	۳۲	نظام خلافت	۱۳۰
۱۷	خطبات جمعہ و عیدین	۹۶	۳۳	نظام ملیہ	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴	نظام عسکری	۱۳۰
۳۵	امت سے کی حرکات وغیرہ	۱۳۱
۳۶	بنی ہاشم اور اموی خلافت	۱۳۲
۳۷	کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں	۱۴۱
۳۸	اقدام خروج میں غلطی	۱۴۲
۳۹	بزرگوں سے ردّ و قدح	//
۴۰	تنذیب و تحقیق مزید	۱۴۹
۴۱	مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی	۱۵۱
۴۲	کوفہ کو روانگی	۱۵۳
۴۳	تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت	۱۵۶
۴۴	اجتہادی غلطی	۱۶۶
۴۵	عامل مکہ کا اقدام مزاحمت	۱۷۱
۴۶	سفر عراق کی منزلیں اور فاصلے۔	۱۸۰
۴۷	جدول منزلیں اور فاصلے	۱۸۵
۴۸	حجازی قافلوں کی اوسط رفتار	
۴۹	واقعات دوران سفر	۱۸۶
۵۰	واپسی کا تعذر برادران مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار،	۱۹۱
۵۱	نئے گورنر کو احکام و ہدایات	۱۹۶
۵۲	کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رخ کرنا	۱۹۹
۵۳	اجماع امت کی اہمیت اور کوفیوں کے غدر کا احساس	۲۰۱
۵۴	کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع	۲۰۵
۵۵	فرات کا کنارہ	۲۱۰
۵۶	پانی کی افراط	۲۱۱
۵۷	واقعات کربلا کے راوی	۲۱۳
۵۸	ابن جریر طبری	۲۱۷
۵۹	راویوں کی غلط بیانیاں	۲۱۹
۶۰	تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا	۲۲۰
۶۱	غلط بیانیوں کی مثالیں	۲۲۱
۶۲	جدول تاریخ و دن	۲۲۳
۶۳	کذب و افترا کی بدترین مثال	۲۲۹
۶۴	کردار ابن زیاد	۲۳۶
۶۵	کردار عمر بن سعدؓ	۲۳۷
۶۶	موقف علی بن الحسینؓ	۲۵۱
۶۷	بنی امیہ و بنی ہاشم	۲۶۱
۶۸	صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں	۲۶۴
۶۹	اولاد حسینؓ کی قرابتیں	۲۷۳
۷۰	دیگر قرابتیں	۲۷۴
۷۱	راس الحسینؓ	۲۸۱
۷۲	سر کٹوا کر تشہیر کرنے کی تکذیب و تبیین	۲۸۶
۷۳	کوفہ و عراق و الجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر	۲۹۳
۷۴	حسینی قافلے کے شرکاء و باقی ماندگان۔	۳۱۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۵	واقعہ حرہ و حصار ابن زبیر کا	۳۲۰
۷۶	امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات	۳۲۲
۷۷	امیر المومنین معاویہ ثانی	۴۲۵
۷۸	علامہ خالد ابن امیر المومنین یزید	۴۲۷
۷۹	توضیحات (تاریخوں کے دن معلوم کرنیکا کلیہ)	۴۳۷
۸	مفروضہ صحابیت و موروثی فضیلت	۴۴۰
۸۱	خروج و بغاوت	۴۵۱
۸۲	مثنوی و قطعات تاریخ	۴۶۹
۸۳	کتابیات	۴۷۷

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

(طبع چہارم)

دسمبر ۱۹۶۰ء میں ہائی کورٹ کی مکمل بنچ خصوصی کے متفقہ فیصلہ سے حکم ضبطی کے منسوخ کر دیئے جانے کے چند ہفتے بعد جب یہ کتاب تیسری بار چھپنے لگی پلیٹوں سے چربے اس غرض سے اتروا لئے تھے کہ آئندہ طباعت میں کام آئیں۔ کتابت دوبارہ نہ کرانی پڑے مگر وہ جو قول مشہور ہے تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ : مطبع ہی کے ذمہ دار کارکن کی غفلت اور بد معاملگی سے وہ سب چربے ہی ضایع نہ گئے چھپائی بھی ناقص ہوئی۔ کاغذ بھی خراب لگا۔ بایں ہمہ تیسرے ایڈیشن کے سب نسخے ان نقائص کے باوجود نو دس مہینے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور طلب و مانگ برابر جاری ہے۔ اب اس چوتھے ایڈیشن کے لئے قدرے بڑے سائز پر کتابت از سر نو کرائی گئی جس میں کئی مہینے لگ گئے شائقین کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی لیکن اس عرصہ میں کتاب کی دوسری مبسوط جلد "تحقیق مزید" شایع ہو گئی جو بڑے سائز کے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں دیگر اہم تاریخی انکشافات کے علاوہ بعض ان واقعات و حالات کی جو اس پہلی جلد میں بنظر اختصار مجملاً بیان ہوئے ہیں تفصیلات بھی ہیں اس کتاب میں بھی "توضیحات" کے عنوان سے بعض ضروری

مطالب کا اضافہ ہے۔ یہ دونوں جلدیں۔ "خلافت معاویہؓ و یزیدؒ" اور "تحقیق مزید" مناظرہ و مجادلہ کی نہیں تاریخی تحقیق (ریسرچ) کی ہیں ان میں اسلامی تاریخ کے اہم دور کے وہ رخ بھی پیش کر دیئے ہیں جو اب تک مخفی اور اوجھل تھے یا اوجھل رکھے گئے تھے۔ یہ ایک ریسرچ ہے اور اس طرح کی ریسرچ ہوتی رہیگی۔ غلط تحقیقات کو زمانہ باقی نہ رہنے دیگا اور حقائق نئی نئی شکلوں میں ابھر کر سامنے آتے رہیں گے کیونکہ یہی ارتقاء کا اور عصر حاضر کی علمی ترقی و تحقیقات کا تقاضا ہے تاریخ ایک علمی سرمایہ ہے اور اسلامی ثقافت و مذہب کے بعض اہم اجزا اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن قرآن کی طرح نہ اس پر ایمان بالغیب لایا جا سکتا ہے اور نہ اسے انسانی کمزوریوں سے خالی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کمزور و وضعی روایت کی تصویب و تردید اور صحیح و قوی روایت پر تنقید کا ہر شخص کو حق ہے ہم نے اسی حق سے کام لیا ہے اور یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ ہماری تحقیق بھی تنقید سے بالاتر نہیں اس پر جو تنقید کی جائے — بشرطیکہ واقعی علمی ہو نہ محض سب و شتم — ہم اس کی قدر کریں گے۔ تاریخی ریسرچ کی ان تصانیف کا تعلیم یافتہ طبقوں میں خصوصاً جس خوش دلی سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں یکے بعد دیگرے چار ایڈیشن پہلی جلد کے شائع ہوئے ہیں وہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ طرح طرح کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود اس کتاب نے اپنا واجبی مقام حاصل کر لیا ہے۔

ماہنامہ میثاق (لاہور) محترمی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب جیسے ممتاز عالم دین کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے اس کے تازہ شمارے بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں ان تصانیف پر جو تبصرہ

کیا گیا ہے اس کے چند فقرات ذیل میں نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے "آج سے دو سال قبل بہت کم لوگ محمود احمد عباسی صاحب کو جانتے تھے لیکن اب اہل علم کے طبقوں سے وابستہ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی ہوگا جو عباسی صاحب اور ان کی شہرہ آفاق تصنیف خلافت معاویہ و یزید سے بے خبر ہو۔ یہ کتاب ایک ایسے نازک مسئلہ سے متعلق تھی جس کے ساتھ لوگوں کو عقل سے زیادہ جذباتی اور سیاسی دلچسپی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حلقوں سے اس کی شدید مخالفت ہوئی اور فی الواقع ایسی شکل پیدا ہو گئی کہ اسکی تعریف کرنا خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کے دروازے کھول لینے کے مترادف بن گیا۔ ہمارے نزدیک گروہی عصبیتوں یا سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اگر کسی محققانہ تصنیف کی مخالفت کی جائے یا اس کے مصنف کی حوصلہ شکنی کی جائے تو یہ خود علم کی بیقدری ہے۔ پھر اس بیقدری کے ذمہ دار جب خود اہل علم ہوں تو اس کی قباحت دوچند ہو جاتی ہے لیکن جو چیز اچھی ہو تو اپنا وزن منوا کے رہتی ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب نے بھی ان تمام مخالفتوں کا مقابلہ کرکے اپنا مقام اب تسلیم کرا لیا ہے۔

"خلافت معاویہ و یزید" کا بنیادی نقطہ نظر، جیسا کہ میثاق کے قارئین جانتے ہونگے یہ ہے کہ حادثہ کربلا کے جو واقعات شیعہ ذاکروں کی زبان سے سُنے جاتے ہیں یا عام تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ من و عن صحیح نہیں ہیں بلکہ انکے بیان میں بہت سی حقیقتوں پر پردہ ڈال کر من گھڑت قصوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ عباسی صاحب نے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ان من گھڑت قصوں کی حقیقت واضح کر دی ہے اور جو اصلی حقائق ہیں ان کو نہا

وضاحت اور نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک فاضل مصنف کے یہ نتائج تحقیق اتنے نادر نہیں جتنے تلوار کھینچ کر انکے مخالفین نے دھڑا دھڑ کتابیں انکے خلاف تصنیف کر ڈالی ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ فاضل مصنف نے خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنی اُمیہ کے زمانہ کی تاریخ کا نہایت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق اتنے جزم اور اعتماد کے ساتھ پیش کئے ہیں اور اپنے دلائل کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ انہیں مسئلہ زیر بحث میں پچھلے محققین کے پہلو بہ پہلو ایک سند کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید اردو زبان میں پہلی کتاب ہے جو امام ابن تیمیہ وغیرہ کے نقطہ نظر کو نسبتاً زیادہ منقح صورت میں پیش کرتی ہے۔ خلافت معاویہ و یزید کو پڑھ کر ہم اس رائے کو بالکل مبنی بر انصاف نہیں سمجھتے کہ عباسی صاحب نے ذہن میں پہلے سے یزید کی پاکدامنی اور حضرت حسینؓ کے موقف کی غلطی کا تصور بٹھا لیا ہے اور بعد میں اسے ثابت کرنے کیلئے مرضی سے دلائل جمع کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے تو بعض اقتباسات کی قطع و برید کرنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں ہماری رائے یہ ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب ایک غیر جانبدار محقق کی حیثیت سے تحریر کی ہے۔ انہوں نے ہر واقعہ کی صرف وہی توجیہ قبول کی ہے جو انکی تحقیق کے کڑے معیار پر پوری اُتر سکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اسکا اونچا معیار تحقیق ہی ہے عباسی صاحب نے نہایت محنت کر کے ان لوگوں کا سراغ لگا لیا ہے جنکے ذریعہ سے ہماری تاریخ میں بہت سی بے سروپا باتیں داخل ہوئی ہیں اور فتنوں کا موجب بنی ہیں انکی تحقیق کے مطابق حادثہ کربلا سے متعلق جو روایات زبان زد عوام ہیں وہ بیشتر محمد بن السائب کلبی، ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی اور ہشام بن محمد کلبی کی پھیلائی ہوئی ہیں۔ ائمہ حدیث و رجال نے ان تینوں راویوں کو کذاب رافضی کذاب اور غیر معتبر قرار دیا ہے فاضل مصنف جب واقعات کربلا کی اس معروف بنیاد کو تسلیم نہیں کرتے تو جب تک کوئی دوسرا محقق ان راویوں کی ثقاہت و امانت ثابت نہ کر دے عباسی صاحب کی کسی دلیل کو توڑنا اسکے لئے ممکن نہیں

زیر نظر کتاب تحقیق مزید خلافت معاویہ و یزید ہی کے سلسلہ کی دوسری کڑی ہے فاضل مؤلف نے اس کتاب میں بھی بڑی اہم بحثیں اٹھائی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ازواج مطہرات کے علاوہ لگ بھگ تین سو صحابہؓ جنہیں اصحاب عشرہ مبشرہ بدری صحابہ اور اصحاب بیعت الرضوان کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے کے مختصر احوال لکھے ہیں جو یزید کی ولیعہدی اور خلافت کے زمانہ تک بقید حیات تھے لیکن ان میں کسی نے بھی حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید نہیں کی۔ یہاں فاضل مؤلف ایک قاری کیلئے دو راہیں متعین کر دیتے ہیں یا تو وہ حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح سمجھے اور ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ کو معاذ اللہ عزیمت سے عاری یا بد اہنت کے مرتکب قرار دے یا اسکے برعکس یہ رائے قائم کرے کہ حضرت حسینؓ کو صحیح موقف متعین کرنے میں اضطراب پیش آیا۔ عباسی صاحب یہی دوسرا نقطہ بدلائل پیش کرتے ہیں۔ کتاب کے ایک باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خروج سوال بیت ہی سے موروثی خلافت کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور انہوں نے برابر اس بات کی کوشش کی کہ وہ خلافت حاصل کریں مگر نہیں کامیاب ہو جاتے۔ چنانچہ فاضل مصنف نے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم خلافتوں کے خلاف علویوں کے چھیاسٹھ خروج بیان کئے ہیں۔ مصنف نے بتلایا ہے کہ علویوں کی اس سلسلہ کی کوششوں کا اتنا چرچا تھا کہ بعض تحریکیں اگر بغاوت کی خاطر بھی اٹھیں تو انکے بانیوں نے بھی اپنا حسب و نسب علوی ہی بتایا حالانکہ علوی نہ انکے حق میں تھے اور نہ سیاسی طور پر ان سے متفق تھے . . . .

اس کتاب میں بیشمار انکشافات ایسے ہیں جو تاریخ کے طالبعلموں کیلئے یقیناً تعجب خیز ہونگے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں نمایاں حصہ زبیر بن عبدالمطلب کا تھا نہ کہ ابوطالب کا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے۔ ابوطالب کا حضورؐ سے تعلق قبیلہ کی سربراہی کا تھا، حضورؐ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف پانچ برس تھی۔ حضرت حسینؓ کی ازواج میں شہربانو نام کی کوئی ایرانی شہزادی نہ تھی۔ زین العابدینؒ کی والدہ سندھی خاتون تھیں وغیرہ وغیرہ۔

محمود احمد عباسی
۱۰ رمئی سنہ ۱۹۶۲ء

کاشانۂ محمود
لیاقت آباد۔ کراچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مؤلف

(طبع سوم)

سب سے پہلا یعنی ابتدائی اڈیشن اس کتاب کا مئی سنہ ۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا ماہ جولائی میں کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا ——— پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب ہوئی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کا تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مورخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں تین پہ صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں اس نوعیت سے تحقیق و ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی:

کتاب مجادلہ کیا معنی، مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع عقاید کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے، جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونے کے باعث تلخ اور ناگوار جتنے بھی معلوم ہوں بہرحال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں کہے جا سکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و نقد کی حیثیت سے کتاب کی زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے ویسی ہی سنی عالموں کے لکھے ہوئے شہادت ناموں پر (صدق جدید ۲۹ مئی)

تاریخی تحقیق وریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ بالا اقتباس میں ہے۔ بلاشبہ ان افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد سے وضع ہوئیں اور پھر زمانہ قوم وملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم پرستی کا سبب بنتی گئیں۔ مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے شاید بھی ذہنیت کی اسی قسم کی مخترعات کو معرافات سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بُتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ اُمت روایات میں کھو گئی

"مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں کے بارے میں واضح طور سے خود ہی کہتے ہیں۔

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سیکڑوں برس سے سنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقہ علماء کے بڑے بڑے اراکین، مفسرین ہوں یا محدثین، مورخین ہوں یا دوسرے مصنفین متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے نقل کرتے گئے ہیں اور ان کی صحت وعدم صحت کو معیار اصول پر نہیں جانچا۔ اس تساہل وتسامح کا نتیجہ یہ ہوا، کہ غلط اور بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان وقلوب میں ایسے راسخ اور استوار ہو گئے کہ اب ان کا انکار گویا بدیہیات کا انکار ہے۔"
(مجاہد اعظم ص ۱۴۲)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار، دس پانچ نہیں، اکٹھے (۲۵) مشہور قصوں پر شد ومد سے جرح ونقد کرتے ہوئے متعدد کو صریحاً غلط و بے بنیاد بتایا ہے۔ اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے کہ ذاکرین نے بکارہ دانکاکی خاطر بے سروپا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصد اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کے حالات وواقعات اور سیرت وکردار کو مفتریات واہیہ کے پردے چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انہیں کذب بیانیوں کے خس وخاشاک سے پاک کر کے

اصلی خدوخال میں پیش کرنا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا۔ بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دینا اور بیان کرنا تھا

"خلافت معاویہؓ ویزیدؒ" کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبہ ودستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی، کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی آبادی رونق ہے مگر اس تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا، اور اصل حقیقت منکشف ہو گئی تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ دور رس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنا لیا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبد الدرہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کے ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرانے کی جدوجہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲ اگست ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہو سکتا ہے، چنانچہ ہوا۔ ہائیکورٹ کی اسپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو ان کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا۔ تو حکم ضبطی میں شامل کیا۔ نہ اس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ ان کے وکیل ایسا کوئی مضمون وفقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف کہہ دیا گیا کہ اس بات کا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں ریمارک کیا ہے کہ

ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ اُن کی اپنی رائے ہوتی نہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہر حال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دل آزاری کے مسائل تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ و مضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدر حکم ضبطی کے وقت بتایا جا سکا اور نہ اس سوا سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا، وہ یا ان کا سیکرٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعے عدالت کے سامنے! ان کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی واضح وتی واظہر من الشمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا۔ حکم ضبطی کے جواز کی بھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے گویا وہی بات ہوئی کہ:-

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لیے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور و نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور شور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی۔ جمعیتہ العلماء کے مؤقر روزنامہ الجمعیتہ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ایک علمی کتاب کے ذیلی عنوان سے یہ شذرہ لکھا تھا:-

"اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقے کی دل آزاری بھی نہ کی گئی ہو، نہ اس کے بزرگوں کو بُرا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال ہی پاکستان سے خلافت معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مؤرخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی

ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے۔ مگر ہمیں یہ سنکر تعجب ہوا کہ حکومت پاکستان[۱] نے اُسے ضبط کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو، اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانے پر ہی اُسے زیر تنقید لایا جائے اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے۔ لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائے گا اور تاریخی لٹریچر کو دریا بُرد کرنا پڑے گا۔

حکومت پاکستان نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے جسے بہر حال جمہوری ممالک میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

(روزنامہ الجمعیتہ دہلی جلد نمبر ۴۲ شمارہ نمبر ۲۸۱ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۵۹ء)

مگر واقعات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیتہ نے جس کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثنا و صفت کی ہے۔ اسی کتاب کی مخالفت میں اور اسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارہ کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیتہ) آرگن ہے، شد و مد کے ساتھ یکا یک مخالفت شروع کر دی اور وہ بھی علمی و تاریخی و تحقیقاتی مسائل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ادارے جمعیتہ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دار العلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لئے۔ تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیتہ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ اکتوبر ۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار طوفانِ جدید" نے ان دونوں اداروں یعنی جمعیتہ العلماء اور دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تصنیف و تالیف میں تحریک بتا کر وہاں کی مسلم لیگ اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم و عطیات ملتے ہیں بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ اکتوبر ۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۲۱ جلد ۱۱) بحروف جلی یہ لغو بیانی کی گئی

"کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن و مولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔"

---

[۱] حکومت پاکستان نے نہیں ایڈمنسٹریٹر کراچی نے جو سرکار پاکستان کتاب ضبط کی تھی۔ جیسا کہ ان تفصیلات سے جو ہیں ۔۔۔ ظاہر ہے۔

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے" کی ذیلی سرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ :-

"کتاب" خلافت معاویہ ویزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں کہی جاسکتی، بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے ۔۔۔۔ بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دار العلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ جھلکتا ہے اور جہاں جمہوریت کی تواریخ، اور منشار کا اظہار کیا گیا ہے اور اموی سیاست پر بحث کی گئی ہے، وہاں بطل حریت ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت جھلکتی دکھلائی دیتی ہے ۔۔۔۔ (وغیرہ وغیرہ من الهفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگ بارگاہ حنفیہ" کے الفاظ لکھے ہیں کچھ شک نہیں کہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دار العلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپگنڈہ بمبئی میں کیا جارہا تھا۔ ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کو ہدف ملامت بنانے کے لئے کتاب کی تالیف و تصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔

مزید ثبوت یہ ہے کہ ۲۷ اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی۔

"خلافت معاویہ یزید کا مصنف محمود عباسی یوپی جمعیت العلماء کا سیکرٹری ہے[1]:

---

[1] یوپی جمعیۃ العلماء کے سیکرٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائے کہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہو کر یہ خدمت انجام دینا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیت اور جمعیۃ کے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اس کے متعدد زعماء سے مراسم محبت و یگانگت بھی رہے تھے۔ بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد و منشاء و سابقہ وطن امروہہ میں چند سال اس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسہ جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۹-۳۰) میں معطیان دار العلوم دیوبند اور رقوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شائع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے۔

"سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔

"امیر المومنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور منعقدہ خلیفہ تھے

"ننگساران اہلبیت وجل شاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔

"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سنی جمعیۃ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں"۔ وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو جو چندہ بند کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔

بقیہ صفحہ ۱۶ پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ ہم دونوں ان کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرتے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے یہ تعلقات محدود نہ تھے اس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی حیثیت مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں کی نظروں میں فرق آتا دیکھ نیز مغربی اضلاع یوپی میں جو مظالم مسلمانوں پر ہونے لگے میرے بھانجے کو جو گڑھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے بلوائیوں نے بے دردی و وحشیانہ بربریت سے قتل کرایا تھا۔ میرے اہل خاندان داماد اور بھائیوں بھتیجوں کو جان بچانے کے لئے ہجرت کرنا پڑی تھی نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہو گیا بلکہ کانگریس کی ممبری تک سے بھی مولانا سے تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں ملکوں کے اعتبار سے بھی جدا ہیں۔ اور مسلک کے لحاظ سے بھی ان کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں پر محسوس کرتا ہوں ؎

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق ... او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

اس بیہودہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم اس نے تو دراصل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سیکرٹری بتا کر اور کہیں جمعیۃ کو بھی ۔۔۔ بشرکت جرم کا بنا کر گرانٹ جو کلکتہ سے ملتا ہے وہ بند کرائے اور مصنف کے خلاف جنون بر پا رہا تھا۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی دارومدار
ان حضرات کے عطیہ کا مرہون منت ہے جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں
جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس
لا الہ قرار دیتے ہیں۔ جو بغض للہی کا شکار نہیں بلکہ حب نبی، حب علی اور
حب اہلبیت کے فدائی، جاں نثار اور شیدائی ہیں۔
ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر دلآزار اور حقائق سے بعید منظر عام پر
محض اسی لئے پیش کیا جا رہا ہے ...... (الی آخرہ)

یہ بکواس یا وہ گو اخبار نویس کی لائق اعتنا نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم کے عطیات
اور چندہ کی رقوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ: سگ بارگاہ حسینیہ کی گرفت پر
اس طرح جب آگئی بیچارے بلبلا اٹھے اور کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا
بلکہ اس سے بیزاری کا اعلان فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد
فرمایا کہ کتاب مذکور کی تصریحات، مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے جذبات
اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں؟ اس اعلان بیزاری کے ساتھ ساتھ
دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے مسلک اہل سنت کے خلاف ہونے
کی قرار دادیں بھی منتشر کی گئیں ساتھ ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔
دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاد نے "دیوبند سے ایک عجیب بیان" کے عنوان سے
صدق جدید مورخہ ۱۴ نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب
کی مخالفت میں کر رہے تھے لکھا تھا۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ
حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو چنداں تعجب نہیں ہے مگر
بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب
دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی حیرت خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک
اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں، میں
نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں
نہ کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کرے واقعات و

حوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل
کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لئے کہ واقعات کا ہمارے
خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت
تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا، اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم
بالکل خلاف عقل ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ کے جرم کا
مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت و نفرت کے لئے
کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ
کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہرحال مجرم ہی سمجھیں گے گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی
مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد
کر دینا عین واجب ہے مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز
نہیں قرار دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف
نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی
ہے۔ کتاب کے ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مترادف ہے
وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا۔ مگر طرز بیان تو شروع سے آخر تک
مہذب و سنجیدہ ہے کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں
کی گئی۔ تنقید میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا
پھر اسے ضبط کرانے کے کیا معنی۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لئے ضبط
ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو بدرجہ اولیٰ
ضبط ہونا چاہیئے جو عقائد و جذبات اہل سنت کے بالکل خلاف ہیں
اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفائے ثلٰثہ کی
شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔ اگر یہ کتاب ضبط
ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بڑی نظیر قائم ہو جائے گی
جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت بہت مشکل ہو جائے گی!
مگر وہاں تو مطلب، بقول سعدی دیگر است کا مضمون تھا۔ کتاب کا جو بھی حشر ہو دیکھنا تو
یہ تھا کہ کسی طرح چندہ بند نہ ہو۔ مردود دوزخ میں جائے یا بہشت میں انہیں اپنے حلوے مانڈے

سے کام ۔ چنانچہ بھارت کے ایک دینی ادارے کے ممتاز رکن نے اسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا۔

> دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء کی طرف سے کی گئی۔ مخالفت کی ایک وجہ یہ ہے کہ ۔۔۔ نے آزادی کے بعد پیدا شدہ مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پشت پناہی زوروں سے کی۔ دہلی بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ممنون احسان ہوئے اور ان سے قریب ہوتے گئے انہوں نے ۔۔۔۔ کو جمعیۃ علماء کے لئے گراں قدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لئے ۔۔۔۔ نے سفارشیں کیں ان کے لئے بھی آپ کو معلوم ہے کہ ان تاجروں میں آغاخاں اور ملا طاہر سیف الدین وغیرہ کے معتقدین بہت ہیں ۔۔۔۔ کو یہ پسند نہیں کہ جو قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی تاجروں سے تعلقات باقی رکھنے کے لئے آپ کی کتاب کی مخالفت کی گئی ہے!

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جب ذاتی اور دنیوی مفادات کی خاطر بعض علماء نے مسرۂ "حرب عقائد" کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے ۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

> مگر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنالینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمام تر تاریخی ہے اور مورخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا۔ ایک اور تعصب پرست جماعت نے ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے مضامین لکھے گئے۔ جن میں کہا گیا کہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" اس گروہ سے ہے

جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں کے مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی اتنی کثیر تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگا۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے ان ہی وہابی مقتولین کو شہید[2] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے بھیس بدل کر دنیا کے سامنے آتی رہیں۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤکشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے ماجد کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ۔ مورخہ ۳ ستمبر ۵۹ء) اس ہذیان سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم، ایل، اے مہابیر پرشاد سریواستو نے ضبطی کتاب کا رزولیوشن پیش کیا۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قرار دادیں منظور کر کے وزیر اعلیٰ و گورنر یوپی کو بھیجی گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب ضبط ہوئی بھی تو اس کی راجدھانی اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲۷ نومبر ۵۹ء کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت کا موجب ہوں، مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ

---

[1] مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے۔

[2] حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کی جماعت مراد ہے۔

کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے۔ نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر قانونی بتا سکے اور نہ جمعیتہ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے متحرک کام میں بہت کوشاں رہے۔ دہلی کے جس مطبع نے یہ کتاب بلا اجازت مصنف طبع کی تھی۔ اسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کیا ہے جو زیر سماعت ہے۔ بہرحال بھارت ولیش میں کتاب کے ضبط ہوجانے کے بعد بھی بت پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے کتاب کے موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرماتے ہوئے کہ۔

"میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے نہ اس کے تمام مباحث پر رد و قدح صرف کتاب کے بنیادی حصہ حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرنا ہے۔ (ص ۱۸)

"شہید کربلا اور یزید" نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کر ڈالی جس کے سرورق پر بحروف جلی تحریر ہے کہ۔

"ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لئے عظیم دعوت فکر"

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار "طوفان" کے مدیر نے جو اپنے نام کے ساتھ "ہرجگہ رنگ بارگاہ چشتیہ" تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی کے معطیان دہر پرستان "ناصبیم زیر بند وہ لوگ ہیں:-

"جو یزید کو روسیاہ قرار دیتے ہیں۔

"جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔

"جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الٰہ قرار دیتے ہیں۔"

؎ کورٹ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے بغیر ان کو اطلاع دئے بغیر کتب خانہ ... کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ بھارت میں اس کے پہلے اڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ بلال الہ آباد کو تحریرا دیدیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ آواز لگائی تھی۔

"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں!"

خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس آواز پر طیب صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی! اور شہادت عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی جس کے لفظ لفظ سے اور یکطرفہ روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ "حسینیت کی گرویدگی" کے ساتھ ساتھ "یزید کی روسیاہی" کے لئے یہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تا وقتیکہ تطہیر جس کے ساتھ بحسب فرمان خداوندی صرف اور خاص ازواج مطہرات کے لئے ہے نہ آپ کے کسی اور قرابت دار کے لئے وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کرلیں۔

بقول صاحب مصباح الظلم و ایضاح المبہم۔ یعنی (نواب امداد امام پدر سر علی امام)

امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہوسکتے ہیں جو آپ کو معصوم اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں ہوسکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے۔ پس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا انکار ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت میں جناب امام حسینؑ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پاسکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟ ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہیں۔ (ص ۱۳۴)"

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی ان کے مسلک اور عقیدہ کا جزو ہے۔ انہوں نے تو مصنف "خلافت معاویہ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے ان کی عمر وفات نبوی

کے وقت صرف پانچ برس کی دکھانا دوسرے ان کے ذاتی کردار اور تیسرے ان کے افساد طبیعت کا اظہار جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ "رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارت طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے صـ۱۷۵ پر تحریر ہیں۔

"بہر حال حضرت حسین رضی کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ حضرت حسین رضی کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں"

عمر کا ذکر تو ضمناً آ گیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا حضرت فاطمہ رضی کا نکاح حضرت علی رضی سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔

"انکح رسول اللہ صلعم فاطمۃ علی بن ابی طالب بعد وقعۃ احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ رض صـ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب و ازالۃ الخفاء ج صـ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی غزوہ احد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ احد ۳ھ کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا اس حساب سے حضرت فاطمہ رضی کے فرزند اکبر حضرت حسن رضی کی ولادت ۳ھ کے آخر یا ۴ھ کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسین رضی کی ولادت ۵ھ میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالے سے حضرت حسن رضی ہی کی ولادت ۶ھ بتائی ہے (المعارف صـ۷۹) تو اس طرح حسین رضی کی ولادت ۷ھ میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسین رضی کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علی رضی اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا ان کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ رضی ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی سے دس برس چھوٹی تھیں حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہ رضی کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔

والبدایہ والنہایہ ج صـ۳۴۶ والکمال فی اسماء الرجال و تجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضورؐ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ خود حضرت علی رضی کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علی رضی کا یہ قول کامل المبرد و عقد الفرید و شرح نہج البلاغۃ میں درج ہے کہ لقد نھضت فیھا وما بلغت العشرین یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا) غزوہ بدر ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا، اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ کے وقت صرف پانچ برس کی عمر تھی مگر روایتوں میں اس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کی بیان کی گئی ہے۔

سن و سال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آ گیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب پر بعض اہل علم مولانا صہیب رومی و مولانا عامر عثمانی نے ماہنامہ تجلی دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی چابک دستیوں اور ساختگیوں کے بخیئے اچھی طرح ادھیڑ دیئے ہیں یہاں ان کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح و نقد مقصود نہیں اس کے لئے جدا رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کو بڑھتے بڑھتے بغض معاویہ رضی تک پہونچا دیا ہے۔ شاہ عبد العزیز رحمہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسن رضی نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کی یہ چیز نہیں رہی تھی بالفاظ دیگر حضرت معاویہ رضی ان کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رشد خلافت ان کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہ نے توجیہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ یعنی منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمان رضی سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو "زمان شر" کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو "زمان خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہ رضی کا استقرار خلافت ہو گیا۔ اور امت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا تو زمانہ عہد

کی برکات پھر عود کر آئیں شاہ صاحب فرماتے ہیں

"بنقل متواتر کہ در شرعیات نقضے معتد بہ از ان یافتہ نمی شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلعم فتنہ ہا کہ نزدیک بقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع نظر ساختہ اند و آنرا بتفصیلے کہ زیادہ از ان در شرائع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ در ہمیں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و ذی عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلفائے ثلثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آں مرتبہ شریک نیست۔"

(ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۶۲)

شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے خلافت کے لئے اس زمانے میں جو جدال و قتال ہوئے ان کی بنا پر اس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیر و طلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تھا۔ فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مبداء ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت تخمت از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر دادند کہ منتظم نشود۔" (ج ۱ ص ۱۵۲) وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ :۔

"انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ بنسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او سر فرود نیاوردند چہا در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و انیلاف ایشان رخت بعدم کشید۔" (ج ۱ ص ۱۲۲)

پھر ایک اور مقام پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں اوصاف خلافت

خاصہ کے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ "متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ج ۱ ص ۲۴۹)

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں کہ :۔

"در غایت ظنی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا امام قیامت منصور نشوند و ہیچگاہ خلافت ایشان علی وجہ الصورت نگیرد بلکہ از میاں ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد" (ج ۱ ص ۲۸۴)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو سکے نہ ان کی اولاد برخلاف ان کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے انتظامی تدبر و فراست و حلم و کرم سے ملت کی بگڑی حالت سنواری حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

"ثم تذاکروا معاویۃ عند عمر یوماً فقال دعونا من ذم فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا ینال ما عندہ الا علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق رأسہ الا من تحت قدمیہ"

(ج ۲ ص [illegible])

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریش کے اس جواں مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی تکریم و رضا ہی کے ساتھ۔

شیب صاحب نے رشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے تاریخی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سیاسیات میں ناکام رہی اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت

شامل میں ہیں، سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں ان سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمت بانی یا مبغض مبغض	علیًا فما عذری اذا فی المحافل
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے	اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا
ءاکل من لحمی واشرب من دمی	کذبت لحاک الله یا شر واغل
علیؓ کی برائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیؤں۔	اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!
علی وعباس جمیعا کلاهما	یمت سواء فی العلی والفضائل
علیؓ و عباسؓ دونوں یکساں ہیں	فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں
فهذا ابوهذا وهذا ابن ذا	فهل بین هذین التناء لداخل
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں اور وہ (علیؓ) ان کے بیٹے ہیں[1]	سوان دونوں کے درمیان غیر کا کیا دخل
ستسمع ما یجزیک فی کل محفل	وتمسح راس العارف المتغافل
سوائے مخاطب تو جو ہر محفل میں بیہودہ بکتا ہے	اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے

عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا۔

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ۔

ان اصل الاکاذب فی احادیث الفضائل	فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی
کان من جهة الشیعة فانهم	ابتداء شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انہوں نے
وضعوا فی مبدا الامر احادیث	اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں
مختلفة فی صاحبهم حملهم	گھڑ ڈالیں جن کے گھڑنے پر ان کو اس عداوت نے
علی وضعها عداوة خصومهم	ابھارا جو انکو ان کے دشمنوں سے ہے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص۱۸)

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قرآن حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس جملہ سے شروع ہوتا ہے "اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہدیجے۔" اور آخر رکوع تک یانساء النبی کہہ کر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدہ وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ "اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور ہٹا دے اور اچھی طرح تمہیں پاک کر دے" انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہل خانہ (اہلبیت) یعنی آپ کی ازواج مطہرات سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن	اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں
من آیات الله والحکمة ان الله	اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں
کان لطیفا خبیرا	(نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو
	اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے وہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا، وہ ہی تو جبریل کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جن کو "اہل البیت" کہ کر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے آپ کے مسکونہ گھروں میں نہ آپ کے چچا (عباسؓ) رہتے تھے نہ آپ کے داماد (علیؓ) اور نہ آپ کی بیٹی فاطمہؓ اور نہ ان کی اولاد صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ:۔

۔ اہلبیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی "بیت النبی" اور اس

[1] چچا باپ کی مثل ہوتا ہے

سے مراد صاف طور سے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی صلعم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی ہیں اس بنا پر آپ کے اہل سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے قبل و مابعد کی ہیں نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے۔

سیاسی غرض کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی قرابتداروں کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کے لئے حدیثیں وضع ہوئیں ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے حضرت حسین رض کو رجس سے پاک ہونے کو ھؤلاء اہل بیتی کہہ کر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری حضرت عباس رض اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی وفاطمہ وحسن وحسین رض کے چادر میں لے کر ھؤلاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کئے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباس رض اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی۔

انه صلی الله علیه وسلم اشتمل علی العباس وبنیه بملاءة ثم قال یا رب هذا عمی وصنو ابی وهؤلاء اهل بیتی فاسترهم من النار کستری ایاهم بملاءتی هذه فامنت اسکفة الباب وحوائط البیت فقال آمین (ص [illegible])

آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچا جیسے میں نے اپنی اس چادر سے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندان نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولاد علی رض) جن کے بارے میں یہ یک گونہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاسی پروپیگنڈے میں ان کی حاجت بھی تھی کسی دوسری شاخ یعنی عقیلیوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے طلب خلافت اور سیاسیات میں کوئی خاص حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی انہیں ضرورت تھی مفسرین محدثین

نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم ویطہرکم میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کے لئے ہوتی تو ضمیر مونث آتی مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لئے آئے یا تثنیہ کے لئے یا جمع کے لئے یا مونث کے لئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئے گی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اسی طرح آیا ہے اور ہر جگہ نبیوں کی زوجہ ہی کے لئے آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے اگر فرزند ہونے کی بشارت دی، ان کی زوجہ سارہ یہ سن کر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں اس پر فرشتوں نے کہا۔

قالوا اتعجبین من امر الله رحمت الله وبرکاته علیکم اهل البیت۔ (فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)

اس آیت میں بھی ضمیر وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قرآن شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کے لئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے ہارون زبیدہ کے بیٹنے کے بعد ایک عرب شاعر نے بیدہ زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا ؎

یا اهل بیت خلیفة الغنی یا لله انتم زبدة النون

غرضکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور رجس سے پاکی کا وعدہ ان ہی امہات المومنین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے نسبی قرابتدار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے، رجس سے پاک کرنے کا نہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا اور اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ طیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اسی مقصد سے ایک اور مکذوبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں آنحضور کا حسنین وغیرہ کا ساتھ لے جانا مفتی محمد عبدہ وعلامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

وعما در هذه الروايات الشيعة ومقصدهم منها معروف وقد

ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے

اجتهدوا فی ترویجها ما استطاعوا حتی راجت علی کثیر من اهل السنة ولکن واضعها لم یحسنوا تطبیقها علی الآیة فان کلمة نساءنا لا یقول لها العربی ویرید هابنته لاسیما ان کان له ازواج ولا یفهم هذا من لغتهم وابعد من ذالك ان یراد بانفسنا علی ثم ان وفد نجران الذین قالوا ان الآیة نزلت فیهم لم یکن معهم نساء هم واولادهم

ان روایتوں کی اشاعت کرنے میں بہت کچھ جدوجہد حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت میں سے کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان روایتوں کے وضع کرنے والوں نے اس آیت پر ان کی تطبیق ہم آہنگی کے ساتھ نہیں کی کیونکہ کوئی عرب نساء کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان پر اس طور سے نہیں لا سکتا کہ مراد اس کی اس لفظ سے بیٹی ہو خصوصاً جب اس عرب کے ازواج بھی موجود ہوں اور نہ ان کی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علیؓ کی ذات سے لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ نجران کے (عیسائی) وفد کے ساتھ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی نہ ان کی بیویاں تھیں اور نہ ان کے بیٹے اور اولاد۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کے شرائط کہ عیسائی جب تک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ بلا لینے پر متفق ہوں اگر شرائط بھی پوری ہوئیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو اور اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت لفظ "نساء" اور "ابن" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا جیسا مفتی محمد عبدہ وعلامہ رشید رضا نے فرمایا ہے "نساء" کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کر سکتا اور "ابن" کا لفظ نواسہ کے لئے نہیں ہو سکتا۔ ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله "فرمان خداوندی ہے ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کے لئے ہے اور بیٹی کے بیٹوں کے لئے "سبط" عرب ہی کا قول ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا　　بنوهن ابناء الرجال الاباعد

قیب صاحب کہ شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا

المنار جلد ۳

ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے کتاب میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، بعض عبارتیں ترک ہو گئی تھیں نظر ثانی میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں۔ محترمی تہور علی صاحب انصاری بی اے ال ال بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریہ سے مستغنی ہیں ان ہی کی نیک دلی اور حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈلوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈووکیٹ و مسٹر اسحٰق احمد صاحب ایڈووکیٹ کی نیز بعض جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق شکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک ایسے محب قوم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان پتافی مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہل سنت جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان۔ مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے کے چند ہی دن بعد قدرت نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (سجادہ نشین پور ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہش مند ہیں شکریہ واجب ہے۔ اور اسی طرح مکرمی شبنم صاحب میمن کی اعانت و توجہات کا۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ال ال بی کے عربی اشعار جن میں کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز ان کے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز و کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا وہ پہلو بھی نکلتا ہے جو شاید خود ستائی کے مرادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم صحابہ اور تابعین کرام کی بدگوئی اور سب وشتم کے موضوعات کا پردہ چاک کرنے کی جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے ؎

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

۲۱ رمضان ۱۹۶۰ء
کاشانۂ محمود - لالو کھیت
کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

طبع دوئم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اس وقت ناشر کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دو ڈھائی مہینے کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی حتیٰ کے بعض شائقین ٹیلیگرام بھیجکر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے، جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ [illegible] کے موجودہ دور میں روایت پرستی توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارہ ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت حال کا انکشاف ہونے کا ملت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لئے بھیجے گئے تھے ان پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں "ماہنامہ تجلّی" کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

> کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں سے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جا سکتی ہے فاضل مصنف جناب محمود احمد عباسی نے انتہائی عرق ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد "خلافت معاویہ و یزید" کے بارے میں وہ فرید و جدید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا

ہے کہ حقیقت کیا تھی اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔

"لا متناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں اور بے حد کاہش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذبات کی گرد میں اَٹی ہوئی "تاریخ کربلا" کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء

"حاصل تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آ سکے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو خیالی تصورات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو ان کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامن کردار کو ہرزہ سراؤں کے دروغ و افترا کی گرد سے پاک صاف دکھاتی ہیں اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو وقیع معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچالے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ وللہ در المصنف"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نا اہل

بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیان علم وفضل کے زبان قلم سے کبھی نہ کبھی دہرایا جاتا ہے اور اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سنی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیہ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی۔ ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (یہ) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)؛

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں، انہوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ گویا اللہ تعالے نے جس ذات گرامی کو کرام بررۃ (عبس) میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ میں) اور جن کے لئے حتماً فرمایا "وکلا وعد اللہ الحسنٰی" (ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے (حدید ۱۰)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور ان پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ اور دوسرے اکابر بنی ہاشم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہم نے جن سے بیعت کی۔ وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم اور مستبد تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت جانا یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو۔ وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول اور جمہور امت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر

دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے سیدنا عبداللہ بن عمر سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار۔ سیدنا جابر بن عبداللہ۔ سیدنا انس بن مالک۔ رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیر المؤمنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہیں سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کر لیا ہوتا کہ فرانس امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنے والوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہو سکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہو سکتیں؛

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ سے لے کر حضرت علی مرتضیٰ تک خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؛ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر برسر آرائے خلافت ہوئے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المؤمنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی۔ لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المؤمنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ اب اگر دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی طرح آپ بھی موت کے منہ اور جنگل سے نکل آتے اور زندہ رہتے تو کیا حضرت فاروق اعظمؓ سے ولایت کا یہ عہدہ چھین لیا جاتا؛

اب دیکھنا چاہئے کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امیر یزید کو ولی عہد

مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے پھر اس مشورہ کو جب آپ نے من وجوہ قبول فرمالیا تو دوبارہ اسے عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے جب تک کہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کردی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہل مدینہ ارباب حل وعقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیر المومنین یزید کا تقرر صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار دیا جائے محض اس لئے کہ وہ خلیفہ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ "الحمد" سے لے کر "والناس" تک اور موطا سے لے کر ابن ماجہ تک وہ کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ثابت کیا جاسکے۔

پھر یہ آیت مبارکہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)

اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقع بے موقع پیش کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں انجینئر سے، آب پاشی کے نظام کے سلسلے میں خانقاہ نشین سے صحت عامہ کے بارے میں کمانڈر فوج سے اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر امرھم شوریٰ بینھم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس وناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل وعقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا اور انہیں کی بات سنی اور مانی جائیگی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے غل وغش چلا جاسکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب ...ع ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجر و انصار اصحابؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان ومال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت قدم رہے یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم

خدا اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوت محمدیہ کے پیشوا ہیں۔ حقائق دینیہ کے جزئیات وکلیات سب انہی پر کھلے اور دین کی تمام برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا ہے اور رشد و ہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے دروغ گو، باطل پرست، ہوا و ہوس کے بندے اور ناقابل اعتبار لوگوں کی بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے بے وجہ صلحا کی عزت وحرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا و آخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی کنہ حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔ اگر آپ بعض امتوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ امت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہوجاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس امت کو عطا فرمایا ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ کی دعوت متحرک وفعال اور ترقی کناں دعوت ہے اور آپ کی امت قید زمانی ومکانی سے آزاد ہے نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے، اس لئے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری و وابستگی کی مکلف ہے اور نہ کسی ذات سے۔ اسے چند لچک دار، موزوں اور اصل اصول عطا ہوئے ہیں جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے جس عہد کے مسلمان جس سیاسی نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عند اللہ والناس مقبول ہوگا بشرطیکہ تقاضائے دعوت محفوظ رہیں جو محض یہ ہیں (۱) اقامت صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کے حکم اور بری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

(ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن

الْاُمُوْرِ (الحج : ۴۱) کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے)

اللہ تعالٰی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب کو آزما لیا۔ مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے معمور دیئے اور ان کا طرز عمل ہمیشہ کے لئے امت کے واسطے مشعلِ راہ بنا دیا۔

یہ ہے امت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امت کی تشکیل کی اس کے اولین علم برداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کر دی ہیں اور سب کے سامنے تجربہ کر کے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلافت اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیئے، آئینی اور عمرانی امور میں اختلاف کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح وصفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین وانصار جو راہ چلیں اور جس امر پر مجتمع ہو جائیں وہی حق وصواب ہے۔

اولئک ھم الرّاشدون

اور سب کا ایمان ظنی واعتباری ہے صرف قوی آثار سے اسے مومن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواج مطہرات، مہاجرین والانصار، خلفائے اسلام، غزاۃ قسطنطنیہ، فاتحین ہند، قاتلین مرتدین، مقاتلین روم وشام وفارس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔

امیر المومنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ "میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں"، کذب محض ہے۔ جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اس کے اسناد تک منقطع ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے یعنی "عن شیخ من المدینۃ"
(ص ۱۳۵ ۸ج البدایہ والنہایہ)

اموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرام کا دور تھا۔ امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے بعد اگرچہ اموی خلفاء طبقے کے اعتبار سے سب کے سب تابعی ہیں اور امیر المومنین یزیدؒ بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں امراء عساکر میں، قضاۃ میں، ارباب شوریٰ میں اور اصحاب تبلیغ واشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرام نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔

چونکہ ان بزرگوں کی ترقیاں اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں اہل کفر ونفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کر کے غیظ وغضب سے بھر جاتے تھے اس لئے انھوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی نورانیت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان سچ ہو گیا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان کے سبب کافروں میں غیظ وغضب پیدا کر دے (سورۂ فتح)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کے لئے ان کا وہی دین برپا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انھیں امن عطا فرمائے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔

(نور: ۵۵)

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ خدائے تعالٰی نے تکوینی طور پر صلحائے امت ہی کو حکومت عطا فرمائی، اور ان کے تحت جو نظام بپا رہا وہ وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے ان کی ہر مصیبت کے بعد اس نے انھیں سکون بخشا، ہر فتنہ کے بعد امن نصیب کیا اور ہر مشکل پر انھیں قابو دیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے باوجود دین حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنھوں نے اس الٰہی وعدے کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں۔ اس لئے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علم تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرداز

ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سنت کے مقرر کردہ آداب کی پابندی کریں۔ دشمنانِ دعوت کی منفریات طبیات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل و تقویٰ و تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ متضاد روایات سے قطع نظر کرکے صرف واقعات کا احصاء کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی رداً یا پھر جہد حاضر میں درایت کی جو لچک ہے اس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشا روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی مسعودی و سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قرآن مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا اور واقعات بھی جو اخلاف کے لئے موجب عبرت ہوں تاکہ حق کے ساتھ بزرگان پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی میں مورخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا ہی چاہیئے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

(یوسف ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روئداد عقلمندوں کے لئے موجب عبرت ہے یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق معتبر محسوس واقعات سے ہوئی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ و تابعین تھے جنھوں نے اپنی مرضی سے، اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت خلافت کی اور اس پر مستقیم رہے ان عالم صاحب نے جن کا ذکر اوپر ہوا کہتے ہیں کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اول الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ ان صاحب نے صریحاً

واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور امت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکت اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب رائیں امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت اور نہ بیعت خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامہ کا کوئی قابل ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس کتاب میں بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے پندرہ ۱۵ بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے گیارہ بھائیوں نے اقدام خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح ان کا ساتھ نہ دیا۔ صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ان صاحب کی یہ سوء ظنی حد درجہ قابل ملامت ہے کہ ان صحابہ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و کراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعت خلافت کی سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مورخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہ و تابعین کے طرز عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب ابتدائے عہد اموی کے واقعات اور سیرت معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افتراء پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے ؎

عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے — بری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے — مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افتراء و تلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا

جی چاہتا ہے کہ آخری مصرعے میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کر دے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دلوں کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایۂ زور اُمت کو گمراہ کرنے کیلئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی آئی یا بیکار و زہریلی ناگن انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر مکذوبہ روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلہ فلا ھادی لہ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وصحبہ وخلفائہ اجمعین

کاشانۂ محمود
لالوکھیت بی ایریا
کراچی

محمود احمد عباسی
۲۰ جولائی ۱۹۵۹ء

۷۸۶

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض مؤلف

اموی خلافت اپنے وقت (۴۰ھ–۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور اُمت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر ربع چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی امیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گذرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا نمونہ کہا جا سکے ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا۔ خیر القرون کا یہ دور ابتداً صحابۂ کرام کا اور بعد ازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاء سے لے کر ادنیٰ اُمراء تک کہ جن میں متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے۔ فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا۔ جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے استنارت پر یہ امت حریص تھی اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ پر ہی سب کا مدار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب، حروب داخلیہ کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مؤلفین نے جو کچھ بھی تھا عجمی ذہنیت کے حامل تھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے حالات قلمبند کرنے میں نہ صرف [illegible]

سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بنا پر اس درجہ مسخ کرکے پیش کیا کہ دے خوئے۔

یہ نسہ ح صلہ جیسے آزاد و بےلاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ تہمت تراشی و افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا، اس کی مثال شاید ہی کہیں اور ملے ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے۔ بنی امیہ سے منسوب کیا گیا، ان پر یہ اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لئے یہ مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے انہیں نیست نابود کر دیا جائے ان عہد کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔ کذب بیانیوں کی یہی حالت الا ماشاء اللہ برابر قائم رہی صدیوں پہ صدیاں گزرتی گئیں۔ نامور سے نامور مورخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے رہے مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کرکے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے مگر بقول دے خوئے "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و درایت سے جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے نہیں کی خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اخلاق و مبالغات کے بارے میں روایت پرستی کی اس زمانہ ایسی وبا پھیلی کہ متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے رہے علامہ ابن کثیرؒ نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنہیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے طبری سے نقل کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا معناً اعتراف کیا ہے کہ

ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ما سقتہ
(ص ۲۱۲ ج البدایہ والنہایہ)

اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ (روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

---

۵ مقالہ بعنوان خلافت (خلفا)، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن۔

البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انہوں نے خلط ملط کر ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں :-

وَخَلَطَهَا الْمُتَطَفِّلُوْنَ بِدَسَائِسَ مِنَ الْبَاطِلِ وَهِمُوْا فِيْهَا وَابْتَدَعُوْهَا وَزَخَارِفَ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْمُضْعَفَةِ لَفَّقُوْهَا وَوَضَعُوْهَا (الی آخرہ)
(مقدمہ علامہ ابن خلدون طبع مصر)

اور نا اہل و خود ساختہ (مورخین) نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے غلط ملط کر دیا، لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں ادھر ادھر سے لے کر اس میں شامل کر دیں۔

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کرکے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنہوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہوسکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے اڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانچسو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مورخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے، اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن

بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب وتدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خاں (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریریں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر۱؎ میں فرمایا تھا۔

"دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔"

"مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق کا "ہند" تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتاً خاندان بنی امیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہین منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے اگر تباہ کن عباسی۲؎ فتح نے

۱؎ پیش لفظ نوشتہ سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ امیہ" مولفہ محمد اے حارث۔

۲؎ راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں "انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ" کے تحت بتایا ہے کہ مضر و ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی اگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صدحالی

اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیئے تاکہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی چار صدیوں سے"

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان "اسلامی ملکوں کی تاریخ ان کا عروج وزوال ومستقبل کی توقعات" فروری ۱۹۵۱ء میں کی تھی اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی امیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا۔

"یقین جانیئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک وفعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت وتاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہیئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔"

اسی کے ساتھ ہز ہائی نس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اقتصادی فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے، لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح وضمیر کا خیال رکھیں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں" پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت مشفقہ

بقیہ ص ۴۸ کا ۔۔۔ نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

طور پر سے بنوامیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔

ان الفاظ کی اہمیت در قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور "امام حاضر" کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی زعمائے وقت نگہبان کی تجویز درباره احیاء خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک ہے جس کی داغ بیل سرسید علیہ الرحمتہ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائینس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ اور روح کی بالیدگی اور تر و تازگی کے لئے پہلی صدی ہجری کے عہد بنوامیہ کی متحرک، فعال اور ملایانہ متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے اور اس عہد کی سچی تاریخ مرتب مدون کرنے کی ہے جو کسی فرد واحد کے انجام دینے کا نہیں راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے مدت دراز سے اس عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمت مصروف تھی محترمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ بابائے اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا جو ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔

مجی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق جدید" نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ر جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ "آپ کے ہاں "الحسین پر" تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع نافع بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے۔"

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری اور اب تک کہ کتاب مرتب ہو کر مطبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا اور مہربانی سے ایک قطعہ

تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج ہے غرضیکہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اموی عہد کے حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں صحیح طور سے منکشف ہو جائیں۔ حالات نا مساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے کے لئے ترتیب از سر نو کرنی پڑی اور مطبوعہ کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کی ترتیب میں راقم الحروف کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے عہد اموی کے حالات کو اجاگر کر کے صحیح صورت حال افراد ملت خصوصاً نوجوانوں کے سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کی بنا پر عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں دور ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت و الفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دے کر بدگوئی اور سب و شتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا بین طور سے انکشاف ہو گیا ختم کر دیا جائے اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسمٰعیلیہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا حضرت علی خلفائے ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا جب انھوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں [1]

اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو کہ

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانۂ محمود
لالوکھیت دہلی ایریا، کراچی

محمود احمد عباسی

---

[1] فرمان سر آغا خان بعنوان "اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفا" بحوالہ اسلامک ریویو، کرنگ، دی گریٹ امید، مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس، کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اموی خلافت کا پس منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم وکریم خلیفہ راشد کو بحالت تلاوتِ قرآن مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھ رہیں یا اپنی جاگیر ینبع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خونِ عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

فانك والله لئن نهضت مع هولاء اليوم يحملك الناس دم عثمان غداً۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۰)	واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ بیعت خلافت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خونِ عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا (رفابی علی) اور بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے اپنے اثر سے قائم کی تھی (اور یہ اشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے اول بیعت کی تھی (ان اول من بايعه الاشتر (ایضاً ص ۱۵۲) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب

تھا۔ اور نہ قصاص لئے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی عبداللہ بن سبا بیعین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز ہے۔ اکابر صحابہ کی اکثریت نے جو مدینہ میں موجود تھی۔ بیعت کرنے سے گریز کیا یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حِب رسول اللہ حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابوسعید الخدریؓ، محمد بن مسلمہؓ نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ، صہیب رومیؓ سلمہ بن وقشؓ۔ قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملت وارباب حل وعقد نے بیعت نہیں کی (طبری ومحاضرات الحضری) حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جس پر الاشتران پر حملہ آور ہوا تھا حضرت سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دربسیارے از احادیث متواترہ مردیہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت برحضرت مرتضیٰ جمع نہ شود (ج ۲ ص ۲۷۵) طالبین قصاص حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وحضرت ام المومنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہادِ ونصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹)	خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ اہل حل وعقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب وبیعت خلافت میں سبائی گروہ وقاتلین عثمانؓ کی دراندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فان كثيرا من المسلمين اما النصف واما اقل او اكثر لم	پس مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف (ملت) نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے

فبايعوه ولم يبايعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرهما (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

ان کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے اصحاب نے

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے طلب بیعت پر تو اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کر دینے کی دھمکی دی اور ضامن طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو، وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہو کر مکہ چلے گئے۔ مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرانا چاہا۔ ان کی سوتیلی ماں ام کلثوم بنت علیؓ۔ بیوہ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں اس پر ان کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے امت میں جو انتشار پیدا ہو گیا تھا تمام عالمِ اسلامی میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورت حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدث دہلویؒ نے طالبین قصاص کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورینؓ و اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۰)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمان) ذی النورینؓ کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی۔ اتحاد و اتفاق تھا۔ کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملت ان کی

بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی۔ آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

فان الثلاثة اجتمعت الامة عليهم فحصل بهم مقصود الامامة وقوتل بهم الكفار وفتحت بهم الامصار وخلافة علي لم يقاتل فيها كافر ولا فتح مصر وانما كان السيف بين اهل القبلة۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۲۵)

تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) نے پوری امت کو اپنی (خلافت) پر مجتمع کر لیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا۔ (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہو جانے کی وجہ سے) انھوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ ہی میں چلتی رہی۔

دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۷۳ سطر ۲۰)

علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو بعد شہادتِ عثمانؓ، اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لئے تھیں نہ باغراض اسلام۔

شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ ڈے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں یہ لکھتے ہوئے کہ بلوائیوں کے جمِ غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ، کو ان کی بیعت کے لئے مجبور کیا۔" کہا ہے کہ:۔

حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت) علیؓ کو خلیفہ شہید کی جانشینی کا استحقاق واقعاً حاصل نہ تھا علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے

(طلب خلافت) میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار و حبِ جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لئے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے علیؓ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۲ ص ۲) غرضکہ شہادتِ عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کر لی خلافت علی منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہو گیا محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ خواہد شد۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافتِ خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اس امر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصاف خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ ان کا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس اور کہیں ان کی حکومت باقی نہ رہی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مرتضیٰ با وجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے متمکن نہ شد در خلافت دو اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و بروز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹)

حضرت مرتضیٰؓ باوجودیکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آخر ایام میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس ان کی حکومت کا ٹھکانا نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنان اسلام نے اس حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

لم یظہر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اہلہ وضع فیہم عدوہم من الکفار

یعنی، ان کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں دین اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا اور شام و مشرق (یعنی ایران وغیرہ)

والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۲۴۱)

کے کفار و نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کے (مسلمانوں کے) تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی۔

سبائیوں کا مقصود اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے، مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مفسد جس کو ابن السوداء بھی کہتے ہیں بذات خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتل عثمان کا سارا پلان اسی نے بنایا تھا۔ طالبین قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سن کر حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابن سبا اور اس کی پارٹی ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہ نے اس اقدام کی مخالفت کی حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

لا تخرج منہا (ای مدینۃ الرسول) فو اللہ لئن خرجت منہا لا ترجع الیہا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابدا فسبوہ فقال دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسار حتی انتہی الی الربذۃ (ص ۱۰۷ ج ۵ طبری)

(اے علیؓ تم (مدینہ رسول کو) چھوڑ کر مت جاؤ، خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی یعنی مدینہ مستقر خلافت نہ رہے گا (ان صحابی محترم پر سبائیوں نے) ان کو سب و شتم کیا اس پر (حضرت علیؓ نے کہا) ان کو چھوڑ دو الگ رہو یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقام ربذہ میں پہنچ گئے۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقر خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اس وقت تو وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ بعد میں اسی مقام ربذہ میں آ کر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا کوئی مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آ جائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کر لیں اپنی بیعت نہ لیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخاب خلیفہ کا حق اہل مدینہ کا ہے (فان الامر اہل المدینۃ

طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی موقف تھا کہ مدینہ میں جب بیعت خلافت ہو چکی تو اب سب کو بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سد باب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں میں ہے۔ ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دستبردار ہوئے۔ ظلم و تعدی سے ان کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرا کریں اور ہمارے ساتھ ہو کر قصاص لیں۔ نظام خلافت کی حرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت طلحہؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا۔

وان ترکتم داعنی قصاص) لم یقم لکم سلطان ولم یکن لکم نظام۔	اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظام حکومت۔

(ص۱۸۰ج۵ طبری و ص۱۳ الجہرۃ الخطیب)

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی جماعت پر ہمیں قدرت حاصل نہیں۔ اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اس دوران میں بعض صحابہ کی مساعی سے طالبین قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیل صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے (الا ولا یرتحلن غدا احدٌ اعان علی عثمان رضی اللہ عنہ ص۱۹۴ج۵ طبری) یہ سن کر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص الخبیث الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتل شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتش جنگ مشتعل کرا دی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کے لئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج۵ ص۲۰۴)، لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا۔ ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائط صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی

ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا اہل شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں، سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں۔ ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائیؓ کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگ خاندان تھے، وہ اپنے بھائیؓ سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے صفین کے میدان میں وہ ان کے کیمپ میں موجود رہے انہوں نے اپنے بھائیؓ کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچیں۔

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدان جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مورخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے

وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔	اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔

(عمدۃ الطالب ص۱۵ مطبع لکھنؤ)

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب واقعۃ الصفین میں اور ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بیعۃ اھل البصرۃ علیاً وقسمہ ما فی بیت المال فیہ" لکھا ہے کہ ساٹھ لاکھ کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کر دی گئی۔ ہر ایک کے حصے میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ:۔

لکم ان اظفرکم اللہ عزوجل بالشام مثلھا۔	اگر خدائے عزوجل اہل شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں اور ملے گا۔

الاشتر وغیرہ تقریر کر کے لوگوں کو اہل شام کے مقابلے میں جنگ کی ترغیب و تحریص کر رہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

أتريدون ان تسيرنا الى اخواننا من اهل الشام نقتلهم كلا كما سرتنا الى اخواننا من اهل البصرة نقتلهم كلا والله اذا لا نفعل ذالك۔

کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور انہیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے نہیں واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔

الاشتر نے یہ سن کر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور لاتوں اور گھونسوں سے مار ڈالا حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے اس پر فرمایا قتيل عمية لا يدرى من قتله ودية من بيت المال المسلمين یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے۔ معلوم نہیں قاتل کون ہے اسکی دیت بیت المال المسلمین سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مورخین نے زید بن عداہیہ تمیمی کا یہ مضحک خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا۔ اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔

وكان زيد المذكور لما عظم البلاء بصفين قد انهزم ولحق بالكوفة فلما قدم زيد على اهله قالت له بنته اين خمس المائه؟

زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آگیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔

(حاشیہ ص۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کا جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور الاشتر کو اس کی کیا پرواہ تھی کہ کون پارٹی فتحمند ہوا اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہل شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانچسو پانچسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہو کر آئے ہیں

تو انہوں نے ان عراقیوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا:۔

يا اهل العراق الما اذا نزلتم بجانب من الارض؟ لا خمس الا جندل احرين والخمس قد يحمل الامرين جمزا الى الكوفه من قنسرين

اہل عراق! تم اس زمین میں ایسے پتھروں کے ساتھ کیوں آئے ہو یعنی کرائے کے لوگوں کے ساتھ۔ تمہارے لئے سوائے پتھروں کے وہ پانسو نہیں ہو سکتے تم اس مقام قنسرین سے کوفہ کو چمپت ہو جاؤ۔

(ص۱۸۱ واقعہ صفین نصر بن حزام متوفی ۲۱۲ھ)

یہ موقع جنگ جمل و صفین کی تفصیل کا نہیں۔ ومناعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لئے صورتِ حال حد درجہ مسخ کر کے پیش کی ہے اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ سبائیوں کی اس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگمان خطبوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو انہوں نے اپنے نام نہاد پیرووں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ جمل اور صفین کے موقعوں پر باہمی گفت و شنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہو گئی تھی وہ محض غیر جانبدار عناصر ہی کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملتِ اسلام کی بہتری مقصود تھی۔ اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین[1] کی مساعی جمیلہ سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہو گیا اور دشمنانِ اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے اہل شام پر سب و شتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف ان کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیر حکومت علاقہ کے لوگوں کو بھیجا جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہل شام سے جو اختلاف تھا وہ خونِ عثمانؓ کے مسئلے میں تھا۔ ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیرو ہیں اس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شامل کتاب کیا ہے جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے:۔

من كتاب له عليه السلام الى الامصار يقتص فيه ما جرى

یہ گشتی مراسلہ ہے جناب علی علیہ السلام کا جو تمام شہروں کے اہالیان کو بھیجا گیا

بينه و بين اهل صفين وكان بداء امرنا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء۔

(ص۱۱۴ الجزء الثانی نہج البلاغۃ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ بمصر)

جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان پیش آیا۔
ہمارے معاملے میں ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ خانہ جنگی جاری رہے کیونکہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے ان کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا نظام خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا سیاست ملیہ پر ایک لمحہ کے لیے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصب خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ سے جو خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لے رہے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے اور ان میں سے بعض کو عہدے بھی دیئے دیئے تھے جس سے انھوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے وہ تاسف

سے فرماتے تھے۔

لو علمت ان الامر يكون هكذا ما خرجت اذهب يا موسى فاحكم ولو بحز عنقي۔

اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائے گا تو خروج نہ کرتا اے ابوموسیٰ! تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

(ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۸۳ طبع اول)

ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ارباب حل وعقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں الجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگ نہروان میں حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے ان کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ تو امت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ اور تاریخی واقعات کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ بہرحال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وصیت

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں آیہ شریفہ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاق امت کی ضرورت پر متوجہ کیا (ص۳۲۷ ج۷ البدایہ والنہایہ ص۸۵ ج۶ طبری)، اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا ان کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیونکہ ان کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار امت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (ص۱۳ ج۸ البدایہ والنہایہ)، حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعات میں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی پارٹی بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ بھی اتنی بے دل

اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا۔ تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا۔ اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے ان کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وکان علیؓ عاجزاً عن قهر الظلمة من العسکرین ولم تکن اعوانه یوافقونه علی ما یأمر به ۔ واعوان معاویةؓ یوافقونه

(ص۲۰۳ ج۲ منہاج السنۃ)

اور (حضرت) علیؓ اپنے فوجی ظالموں کے قہر سے عاجز تھے ان کے اعوان انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف ان کے (حضرت) معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے۔

ان حالات میں حضرت علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ میں کے بعض حضرات، اصحاب بدر اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابۂ کرام کی کثیر تعداد بقید حیات تھی لیکن امت کو اختلال و انتشار سے نکالنے، دشمنِ اسلام قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور خلافت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحل مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجہ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے مفادِ ملت کے پیش نظر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی کہ ان کے امیر المومنین ہونے سے کراہت نہ کریں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں، تم اس سے لڑائی کرو گے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کرو گے۔ پھر کہا:۔

وان علیاً ابی کان یقول لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فارقتموه لرأیتم

اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت (یعنی امیر المومنین ہونے سے) تم کراہت مت کرنا کیونکہ

الرؤس تندر عن کواهلها کالحنظل ۔

(جلد ۳ ص۲۰۲ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید وازالۃ الخفاء جلد ۲ ص۲۹۳ والبدایہ والنہایہ ص۱۳۱ ج۸)

تم نے اگر ان کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے حنظل کی طرح دھڑا دھڑ سر (کٹ کٹ کر) گریں گے۔

امامۃ والسیاسۃ جیسی کتاب میں جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے امام الفقیہ ابی عبداللہ بن مسلم قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں بھی شامل نہیں اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے۔ جو انہوں نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے کی تھی ۔

ان ابی کان یحدثنی ان معاویة سیلی الامر، فوالله لو سرنا الیه بالجبال والشجر ماشککت انه سیظهر ان الله لا معقب لحکمه ولا راد لقضائه

(ص۱۴۷ ج۱ طبع اول ۱۹۳۷ء)

اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ معاویہؓ خلافت پر ضرور فائز ہو جائیں گے خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں جیسی بڑی فوجی قوت سے بھی ان کے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب رہتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اس کا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی ان بدبختوں نے نواسہ رسولؐ پر بھی حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کر کے یہ کہا ہے کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔

اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ و غضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اور اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت

نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعتِ خلافت

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجر بن عدی نے پہلے تو حضرت حسن بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے، اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کر دوں گا۔[1] مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پرداز کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔ معاہدہ ہو گیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسین انا قد بایعنا و عاهدنا و لا سبیل الی نقض بیعتنا۔

پس حسینؓ نے کہا ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے اور ہمارے بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(اخبار الطوال للدینوری ص۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا۔

اسکت فانا اعلم بالامر منک۔

تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

(طبری ج۶ ص۹۲)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف "علیؓ و بنوہ" میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے:۔

---

[1] ان لوگوں کا شعار تھا کہ اوّل تو بڑھ بڑھ کر باتیں کریں پھر وقت پر دغا دیں۔

ان الحسین بن علیؓ لم یکن یری رأی اخیه و لا یقر میله الی السلم و انه الح علی اخیه فی ان یستمسک و یمضی فی الحرب و لکن اخاه امتنع و انذره لیوضعه فی الحدید ان لم یطعه (صفحہ ۲۰۳)

حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح دامن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے کو زور دیا۔ لیکن ان کے بھائی نے منع کیا۔ اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی

بہر حال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق بہ جبر کیا ہو یا بخوشی، واقعہ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو۔ یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو یعنی

فاختاروا الدخول فی طاعة معاویه

لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کی اطاعت و بیعت میں داخل ہونا اختیار کیا۔

(اخبار الطوال ص۲۳۲)

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے حضرت حسنؓ سے گفتگو کی۔ "السلام علیک یا مذل المومنین" کہہ کر سلام کیا حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "وعلیک السلام"۔ "بیٹھو! میں مذل المومنین نہیں بلکہ معزّ تم ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال و جدال کو دفع کیا۔ واللہ اگر ہم پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے تب بھی کوئی قوت خلافت و امارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (اخبار الطوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب ان کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:۔

"ابو محمد (حسنؓ کی کنیت) نے سچ کہا۔ تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں۔"

(اخبار الطوال)

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفی لیڈر سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:۔

ليكن كل رجل منكم حلسا من احلاس بيته ما دام معاوية حيا فانها بيعة كنت والله لها كارها فان هلك معاوية نظرنا ونظرتم ورأينا ورأيتم

(ص۱۶۳)

لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ ان کی بیعت میں نے واللہ بکراہت کی ہے پس اگر معاویہؓ وفات پا گئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی ہم بھی رائے قائم کریں گے اور تم بھی۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری و بکراہت کی تھی۔ حصول خلافت و حکومت کے لئے موقع مناسب کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کو لامحالہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابومخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنا ان کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا۔ میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعته كرها) اسی کے ساتھ بقول ابومخنف انہوں نے شیعان کوفہ سے کہا:۔

والآن كان صلحا وكانت بيعة ولتنتظر ما دام هذا

اب اس وقت تو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ)

الرجل حيا فاذا مات نظرنا ونظرتم

زندہ ہے انتظار کرو جب مر جائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

(مقتل ابی مخنف ص۱۱ مطبوعہ نجف)

حضرت معاویہ کا سلوک

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرات حسن و حسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا تھا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گراں بہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلاناغہ امیرالمؤمنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور مہمان عزیز کی حیثیت میں ان کے پاس رہتے۔

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراما زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا ويعطيهما عطاء جزيلا وقد اطلق لهما في يوم واحد مائتي الف

جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہو گئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے ایک ہی دن میں ان کو بیس لاکھ درہم عطا کئے۔

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۸ ص۱۵۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گراں قدر وظائف و عطیات کا ذکر کیا ہے جو امیرالمومنین معاویہؓ حضرت حسن و حسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:۔

قدم الحسن بن علي على معاوية فقال له: لاجيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلي فاعطاه اربعمائة

حسن بن علیؓ (ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق) آئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گراں قدر) عطیہ دوں گا جو مجھ سے

الف الف ووفدا لیه مرة الحسن والحسین فلجازهما علی الفور بمائتی الف الف.

قبل کسی نے بھی نہ دیا ہوگا چنانچہ انہوں نے چالیس لاکھ کی رقم ان کو دی پھر ایک دفعہ حسن وحسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان حضرات کو انہوں نے فی الفور بیس لاکھ دیئے

(ص۱۳۷ ج۸ البدایہ والنہایہ)

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ وحسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المومنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے:-

ومعاویة اول رجل فی الارض وهب الف الف وابنه (یزید) اول من ضاعف ذالك كان یجیز الحسن والحسین ابن علی فی كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان یجیز عبدالله بن عباس وعبدالله بن جعفر ۔

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند (یزیدؒ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دوگنا کیا اور یہ عطیات (حضرت) علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسن وحسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے عطا ہوتے اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

(ج۴ ص۳۳ شرح ابن ابی الحدید)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیر المومنین معاویہؓ

لہ یہ وظائف وعطیات یا تو خمس اور ورثے میں سے ہوتے تھے۔ یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق والوں کو حق دیا جا چکا ہوتا بعض اوقات خلفاء خود اپنے ذاتی حصے میں سے انعام وغیرہ دیا کرتے تھے امن نے کہا ہے کہ معاویہؓ نے گرانبہا عطیات دیکر ان کے ہاشموں کو سونے چاندی کی زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔

کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

ولما توفی الحسن كان الحسین یفد الی معاویة فی كل عام فیعطیه ویكرمه

جب حسنؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

(ج۸ ص۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ دس لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے سو وہ کہتے ہیں کہ

وكان (معاویة) یبعث الیه (الحسین) فی كل سنة الف الف دینار سوی الهدایا من كل صنف ۔

اور (معاویہ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایا کے دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

(مقتل ابی مخنف ص۳)

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سن کر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرۃ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔

فان كنت تحب ان تطلب هذا الامر فاقدم علینا فقد وطنا انفسنا علی الموت معك ۔ الاخبار الطوال ص۲۲۳

پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آجاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدظنی سے بچو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت مت کرو اور اگر ان کا وقت آگیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔

فان یحدث الله به حدثا

پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ

وانا هي كتبت اليكم براني
(اخبار الطوال ص۲۳۵)

پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے تحریراً مطلع کروں گا۔

جہاد قسطنطنیہ وبشارت مغفرت

مجوسی وایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کی مخالف ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی امام اول وخلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ وحضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ وسیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر امراء کو جہاد شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام وفلسطین وغیرہ کو فتح کیا رومیوں کو شکستیں دیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا انھوں نے خلافت فاروقیؓ اور خلافت عثمانیؓ میں رومیوں کو بری وبحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی شجاعان عرب ملک شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

ان العرب منذ فتحو الشام
تكة والى فتح القسطنطنية
لانها كانت لذلك العهد
عاصمة النصرانية وكان الاسلام
لو فتحها غلب على شمالى اوربة
بلا نزاع

ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں تھے کیونکہ اس عہد میں یہ شہر نصرانیت کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ غلبہ حاصل کر لیتا۔

(ص۱۴۲ حاضر العالم اسلامی تالیف
پروفیسر لوتروپ ستودارد مع
تعلیقات امیر شکیب ارسلان)

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف انہوں نے شروع کی تھیں۔ سنہ۴۱ھ میں زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال کی متواتر جد وجہد سے انھوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ سنہ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی وقریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب «ما قيل في قتال الروم» (یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے) اس کی یہ حدیث ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم
اول جيش من امتى يغزون
مدينة قيصر مغفور لهم

(صحیح البخاری جلد۱ ص۴۱۰
مطبوعہ اصح المطابع)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "مدینہ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

كان اول من غزا مدينة
قيصر يزيد بن معاوية ومعه
جماعة من سادات الصحابة
كابن عمر وابن عباس

مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزید بن معاویہؒ نے کیا اور ان کے ساتھ سادات صحابہ مثل ابن عمرؓ ابن عباسؓ وابن زبیرؓ ابوایوب انصاریؓ

وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری (رضی اللہ عنھم)

اور ایک جماعت تھی۔

حاشیہ ص۴۱۰ جلد ۱ صحیح بخاری
مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے ساتھ ہی محدث المہلبؒ کا یہ قول ہے۔

قال المھلب فی ھذا الحدیث منقبۃٌ لمعاویۃ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃٌ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔

حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص۴۱۰

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال متواتر رومیوں کے خلاف مسلمانوں کی بحری وبری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی حضرت اُمّ حرامؓ زوجہ حضرت عبادہؓ بن الصامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور بحالتِ خواب حضرتِ معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اول جیش من اُمتی یغزون البحر قد اوجبوا

میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہوگی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص۴۱۰)

علامہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "ای

وجبت لھم بہ الجنۃ" (فتح الباری شرح بخاری) یعنی ان (سب غازیوں) کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے صحیح بخاری کی حدیث جہادِ قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واول جیش غزاھا (ای قسطنطنیۃ) کان امیرھم یزید والجیش عددٌ معین لامطلقٌ وشمول المغفرۃ لاحاد ھذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما غزا القسطنطنیۃ لاجل ھذا الحدیث

اور پہلی (اسلامی) فوج جس نے (قسطنطنیہ پر) جہاد کیا اس کے سردار (امیر) یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں۔ یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر (امیر) یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(ص۲۵ ج منہاج السنۃ)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ حرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ عرض کیا "یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں" آپ نے فرمایا کہ تم ان میں شامل ہو گی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں وہیں فوت ہوئیں۔ لیکن دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سن کر جب یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "تم ان میں نہیں ہو گی"۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ذکر ہم دلائل النبوۃ کے طور سے کرتے ہیں وقد ذکرنا ھذا مقررا فی دلائل النبوۃ۔

(ص۱۵۱ ج : البدایہ والنہایہ)

اس حدیث میں جن دو اسلامی لشکروں کے غازیوں کے لئے وجوب جنت ومغفرت کی پیش گوئی لسان نبوی سے ہوئی (کتاب الجہاد صحیح بخاری وکتاب

الامارۃ صحیح مسلم)

پہلا اسلامی جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔

امیر یزیدؒ کی اس فوج میں جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابہ کرام یعنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اس فوج میں موجود ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

كان الحسين يفد الى معاوية	حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا
فى كل عام فيعطيه ويكرمه	کرتے تھے وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان
وكان فى الجيش الذين	کا اکرام کرتے وہ (حسینؓ) اس فوج میں
غزوا القسطنطنية مع ابن	شامل تھے جس نے (امیر) معاویہؓ کے
معاوية يزيد -	فرزند یزیدؒ کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱)	کیا تھا۔

شیعی مورخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی ”تاریخ عرب“ ہسٹری آف سیراسینز ص۸۴ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔ مورخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابنِ عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسين على معاوية وغزا القسطنطنية مع يزيد (یعنی حسینؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے) ص۱ ج ۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے متجاوز تھی۔ اس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیثِ نبویؐ کی بشارتِ مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب آپ کا آخری وقت آ پہنچا آپ نے امیر عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جا سکو لے جا کر دفن کرنا۔

(ص۵۹ ج البدایہ والنہایہ)

مسلمانوں کو میرا سلام پہنچانا اور یہ حدیث سنا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

من مات ولا يشرك	یعنی جو شخص اس حالت میں فوت
بالله شيئاً جعله الله فى	ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو
الجنة	شریک نہ کرتا تھا اللہ اسے جنت نصیب
	کریں گے۔

امیر یزیدؒ نے ان محترم صحابی ”میزبانِ رسولؐ“ کے جنازہ کی پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے۔

وكان (ابو ايوب انصارى)	(اور ابو ایوب انصاریؓ) یزید بن
فى جيش يزيد بن معاوية	معاویہ کے لشکر میں شامل تھے اور آپ نے
واليه اوص وهو الذى	اپنے معاملات کی وصیت بھی رکھی یزیدؒ
صلى عليه	کو کی تھی (یزید) ہی نے ان کے جنازہ کی
(البدایہ والنہایہ : ج ص۵۸)	نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبانِ رسولؐ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:۔

”ابو ایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔“

(ج ۱۳ ص۱۶)

ایک دوسرا شیعی مورخ (مولف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جہادِ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے

ہوئے کہ،، چوں ابوایوبؓ درگذشت یزید سوار شد وجیش بااو سوار شد ونعش او را متابعت نمودند؛ وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا اھل القسطنطنیہ ھذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد فناحیث تردون دوالله لئن تعرضتم لہ لاھدمن کل کنیسة فی الارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب بلاغ کتاب دوم ص۹۶ ناسخ التواریخ،	اے اہل قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبیؐ کے بڑے صحابی کا جنازہ ہے جن کو ہم نے یہاں دفن کیا ہے قسم بخدا اگر ان کی قبر کو کسی کا ضرر پہونچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ارض عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب ،، حاضر العالم الاسلامی،، کے تعلیقات زیر عنوان ،، محاصرات العرب القسطنطنیہ ،، میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے،۔

ولما مرض (ابوایوبؓ) اتاہ یزید بن معاویہ لیعودہ فقال: حاجتک قال: نعم، حاجتی اذا مت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض عدو ما وجدت مساغاً فاذالم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلمامات رکب بہ ثم سار بہ فی ارض العدو وما وجد مساغاً ثم دفنہ ثم رجع	جب (حضرت) ابوایوب (انصاریؓ) بیمار پڑے یزید بن معاویہؓ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے انھوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مرجاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک تمہیں راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہوگئے (امیر یزیدؒ) ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں

ان ابوایوبؓ قال لیزید بن معاویہ حسین دخل علیہ اقرئی الناس منی السلام وساحدثکم بحدیث سمعتہ من رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول من مات لا یشرک بالله شیئاً دخل الجنة فحدث یزید الناس بما قال ابوایوبؓ وتوفی ابوایوبؓ عام غزا یزید بن معاویة القسطنطنیة فی خلافة ابیہ سنہ ۵۲ صلی علیہ یزید بن معاویہ وقبرہ باصل حصن القسطنطنیة بارض الروم ان الروم یتعاھدون قبرہ ویزورونہ ویستسقون بہ اذا قحطوا۔ (ص۲۱۵ بحوالہ طبقات ابن سعد)	گئے جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے (حضرت) ابوایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مرجاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔ اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا،، جو شخص اس حالت میں فوت کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا،، پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو (حضرت) ابوایوبؓ نے فرمائیں ان کی وفات اس سال ۵۲ھ میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں جہاد کیا تھا۔ یزیدؒ بن معاویہؓ ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ان کی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی ان کی قبر پر جاکر عہد کرتے ان کی زیارت کرتے اور زمانہ قحط میں ان کے وسیلہ سے بارش کی

دعائیں مانگتے تھے۔ [1]

جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حسن انتظام اور ذاتی شجاعت وشہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملت کی طرف سے "فتی العرب" (عرب کے سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزیدؒ ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب "فتی العرب" کو تو پروفیسر حتی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(صفحہ ۲۰۱ ہسٹری آف دی عربس)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحرابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔"

(مکتوبات جلد اول ص ۲۴۲-۲۵۲)

---

[1] یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے سیدنا ابوایوبؓ کی تربت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپ کے وسیلہ سے حاجت براری کی دعائیں کیں اور اللہ نے ان کی دعائیں سنیں۔

امارتِ حج

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا یعنی ۵۱ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں۔

حج بالناس یزید بن معاویۃ فی سنۃ احدی وخمسین وثنتین وخمسین وثلاث وخمسین

یزید بن معاویہ نے ۵۱ھ و۵۲ھ اور ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کئے۔

(ج ۸ ص ۲۲۹ البدایہ والنہایہ)

مورخ اسلام علامہ ذہبی "تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام" میں بھی لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ و۵۲ھ اور ۵۳ھ میں امیر الحج کی حیثیت سے حج ادا کئے۔ (ص ۹۱ ج ۲)

شیعی مورخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر الحج ہونے کا تذکرہ کیا ہے ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:۔

وحج بالناس فی ھذہ السنۃ یزید بن معاویۃ (جلد ۶ ص ۱۶۱ طبری۔ طبع مصر)

مذہبی وسیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا فتح مکہ (۸ھ) کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تفویض فرمایا ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے اس میں آپ ہی امیر حج تھے آپ کی وفات کے بعد خلفائے نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیر حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم وتقوے اور فن خطابت میں شان امتیاز رکھتے راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہد خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے امیر حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف واکناف عالم اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطبات امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریات ملیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر حضرات حاجیوں سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کی حاجتیں وشکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ

www.muhammadilibrary.com

عباسؓ کو امیر حج مقرر کرکے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اس لئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیر حج کے فرائض ادا کئے اور نہ ان کی اولاد و اخلاف نے۔ الا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بویہ کے زمانہ تسلط میں امارۃ الحاج کا عہدہ دیا گیا تھا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے بروایت مختلف دو مرتبہ امیر حج کے فرائض ادا کئے۔ حج معاویۃ بالناس فی ایام خلافتہ مرتین (ص۱۳۳ ج البدایہ والنہایہ) پھر ان کے نائبین میں سے ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیر حج رہے۔

ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیر حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے۔ تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نور دیدہ سیدہ اُم محمدؓ سے نکاح کیا (ص۶۲ جمہرۃ الانساب ابن حزم) اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ حضرت حسینؓ کے بھتیج داماد اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے ان کے بہنوئی ہوتے تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اولیٰ سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابو سفیانؓ کی دختر تھیں (ص۲۵ جمہرۃ الانساب و طبری ص۱۹ ج ۱۳) ان دونوں سالہ بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسینؓ کے خروج سے پہلے تک بہت خوشگوار اور انس و محبت کے رہے۔ دیگر صحابہ و اکابرین و مجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہاد قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران ان کی امارت حج میں مناسکِ حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المومنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف و عطایا کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولیعہدی

اسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ولیعہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کے لئے انھوں نے امیر المومنین لائق فرزند یزیدؒ

کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت و قابلیت کا سوال ہے تو ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی۔ مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحت ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے اس لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبانِ امت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں۔ چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کرکے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنھوں نے ولایت عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ ان میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔ کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی "الامامۃ والسیاسۃ" اس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولیعہد المسلمین بنایا جائے "الامامۃ والسیاسۃ" جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت و قابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو۔

اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود امیر المومنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حل و عقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا۔ جو حضرات شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں تھا۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر اس لئے اختیار کیا تھا کہ حج و زیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور امت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی۔ امیر المومنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب ان کے لئے ہوا۔

اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوشدلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ امت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب گویا امت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگوار جنھوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی و مالی اور ظاہری و باطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا سو وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر و احد و خندق کے غزووں نے انھیں کندن نہیں بنایا تھا، دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللہ من سوء الظن فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی متضاد اور بے سروپا باتیں کہی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی تو تمہاری خیر نہیں۔ سر اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آکر بیٹھے ایک ایک فوجی تلوار لئے ان کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ یہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولیعہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر پر سے اتر آئے۔ ان قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ:۔

والقوم سکت لم یتکلموا شیئا حذر القتل (ج ۱ ص ۲) — یعنی یہ قریشی حضرات سب چپ بیٹھے رہے کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے

ان لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا الزام لگایا ہے۔ وہاں حضرت حسینؓ حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابن جریر طبریؒ نے بیان کیا کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات

میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس غلط بیانی کے علاوہ اس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول الاسم ہے "رجل بنخلۃ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نا معلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اس کا نام طبری نے "ابو عونؒ" لکھا ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کو "مجہول" بتایا ہے (ج ۳ ص ۳۶۳)۔ اس ابن عون یا ابوعون نے اسمٰعیل بن ابراہیم سے اور اس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی، یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں۔ غرضیکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی ہے۔[1] ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ جو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بھی بے قیمت قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق و مخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے۔ موافق ہو مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عمل متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور محترم کوئی فرد بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ نے متعدد امور میں اپنی رائے سے

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر ان میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ استوار ہوتی یا کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اور وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ انھوں نے مول لے لیا افسوس کہ گمراہ لوگ خاصان خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی ہے مثلاً غزوہ احد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوق جہاد وشہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات، وہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحب وحی نبیؐ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اکثریت کی رائے کی پیروی کی رکیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جا سکتی ہے کہ امت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتب تاریخ وسیر درجال کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدستور سابق ہر سال امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف وعطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا موقف ظاہر و باہر ہے حتیٰ کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسین بن علیؓ تو یا تو انھوں نے بھی ولیعہدی کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے۔ یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلاف رائے کی حد تک تھا، یا بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔

ولایت عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت صحابہ کرام میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ ان کے علاوہ باقی سب امت عوام الناس پر مشتمل تھی، حالانکہ اس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحاب بیعت عقبہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصراً تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایت عہد اور زمانہ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد

تک بقید حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعت خلافت سے سات سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی۔ اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا ان حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلہ صحابہ کرام کے موقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبویؐ کے وقت ۵ برس کے قریب تھی۔ اور ابن الزبیرؓ کی تو دس برس کی۔ اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلے میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسہا برس گزار دیئے اور دین قائم کرنے میں آپؐ کے زیر تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہ خداوندی سے انھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصہ کائنات اور خیر الامم ہیں۔

ابن خلدون نے اپنے مشہور آفاق "مقدمہ" میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے ۔۔۔۔ کہ حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولیعہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اس کی داعی ہو، مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوء ظن کی کوئی

وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے

اولاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انہیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر یزیدؒ کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلِ حل و عقد صرف یزید ہی کو ولیعہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی امیہ میں سے تھے اور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقتور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی ان نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس سے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بڑی اہمیت ہے قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابہ کرام کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۵-۱۷۶ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مورخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام ص۹۲ و دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے

امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذلک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ۔

(ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایہ)

خداوند کریم آپ جانتے ہیں اگر میں نے اس کو (یزید) کو اس لئے ولیعہد کیا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولیعہدی کو پورا کیجیو اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولیعہد کیا ہو تو اس کی ولیعہدی کو پورا نہ ہونے دیجیو۔

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحت ملیہ کے تقاضہ کی بناء پر تھی نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ امن کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی ہیجان نہ تھا۔ اجلہ صحابہ کرام کی تحریک و تائید سے ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود توکید بیعت کے لئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید (ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایہ)

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آتے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی۔ امیر یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آتی تھی جس کی وجہ سے عقد بیعت خلافت ناجائز ہو یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و مخالفت کا جواز نکالا جاسکے۔

رجب ۶۰ھ میں جس وقت امیر المومنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ معظمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مورخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سنکر ہم لوگ حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

فقلنا یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویۃ فوجم طویلا ثم قال اللھم اوسع لمعاویۃ اما واللہ ما کان مثل من قبل ولا یاتی بعدہ مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم قال بینا نحن کذالک اذا جاء رسول خالد بن العاص وھو علی مکۃ یدعوہ للبیعۃ فمضی فبایع

(ص۲ الجزء الرابع قسم ثانی کتاب انساب والاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

پھر ہم نے ان سے کہا کہ اے ابوالعباس! قاصد موتِ معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سنکر) وہ دیر تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو واللہ وہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے لیکن ان کے بعد کوئی اُن کے مثل بھی آنے والا نہیں اور ان کے فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا (حضرت عامر نے) کہا کہ اسی طرح ہم ان کے (ابن عباسؓ کے) پاس تھے کہ خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے عامل تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباسؓ) کو بیعت کے لئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

مورخ بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بتغیر الفاظ لکھا ہے۔ راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحی کے بجائے "عتبہ بن مسعود" تحریر کیا ہے، روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جا کر سنائی ہے اس وقت وہ کھانا تناول کرنے کے لئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبرِ وفات سنتے ہی دسترخوان اٹھوا دیا اور

کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔

اما واللہ ما کان کمن کان قبلہ ولما یکن بعدہ مثلہ اللھم انت اوسع لمعاویۃ فینا وفی بنی عمنا ھولاء لذی لب معتبر اشتجر بیننا فقتل صاحبھم غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم وما اغراھم بنا الا انھم لا یجدون مثلنا وما اغرانا بھم الا انا لا نجد مثلھم واللہ ان ابنہ لخیر اھلہ اعد طعامک یا غلام! ... حتی جاء رسول خالد بن الحکم الی ابن عباسؓ ان انطلق نبایع

(ص۲۱۳ ج طبع اولیٰ سنہ ۱۹۳۰ء)

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے مگر ان کے بعد ان جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں یا اللہ معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔ ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنو عم یعنی بنی امیہ) میں وہ بڑے ذی مرتبت دانشور تھے، ان میں اور ہم میں جھگڑا (اختلاف) بھی رہا ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب (یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے۔ اگرچہ ہم سے ان کی چشمک تھی مگر ہم جیسا وہ نہ پائیں گے اور نہ ان جیسا ہم پا سکیں گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نیک اور اچھا فرزند ہے۔ ہاں اے لڑکے کھانا لاؤ۔ دسترخوان جب اٹھا دیا گیا خالد بن الحکم (حاکم مدینہ) کا قاصد (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس مہینوں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اس ذاتی واقفیت سے انھوں نے امیر موصوف کو صالح دینکوکار بتایا، بلاتامل و بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔

انھوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

وقد حضرته (یزید) واقمت عنده فرأیته مواظباً علی الصلوٰۃ متحریاً للخیر یسأل عن الفقه ملازماً للسنة (ص۲۳۳ ج البدایة والنهایة)

میں ان کے (یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں اور ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبوی کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

مجالس علمی

اپنے زمانۂ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے خاص کر امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ وعیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلس علمی منعقد ہوتی۔ فقہ واحادیث کے علاوہ، علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی۔ ایک مرتبہ بنو قضاعہ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قبیلے کے بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اس لئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے خلیفہ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلس علمی منعقد کر رہے تھے۔ یہ وفد وہیں پہونچا۔ صاحب "فتوحات تاریخ الیمن" نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فلما بلغ ذلك قضاعة غضبوا شدیداً وانكروا ذلك اشد الانكار مجتمعین واذا اجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق یوم الجمعة علی یزید (ص۸۷ مطبوعہ بریل لیڈن)

جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا، پھر یہ لوگ احتجاجاً اکٹھے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزیدؒ کے پاس پہونچے۔

روایت حدیث

امیر یزیدؒ کبار تابعین میں تھے، اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلۂ صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا یعنی حضرت

دحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح کیا تھا۔ اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابو الدرداءؓ و حِبّ رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابۂ کرام سے استفادہ کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہؓ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیر المومنین عبد الملک بن مروانؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذكره ابو زرعة الدمشقی فی الطبقة التی تلی الصحابة وهی العلیا وقال له احادیث (ص۲۳۳ ج البدایة والنهایة)

اور ان کا (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابو زرعہ دمشقی نے اس طبقہ (روایان حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی (یزید کی مرویات سے) احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات"، یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے "امیر المؤمنین"، کہہ کر کیا تھا مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی۔

وقال ابن شوذب سمعت ابراهیم بن ابی عبلة یقول سمعت عمر بن عبد العزیز یترحم علی یزید بن معاویة

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کو یزید بن معاویہؓ پر رحمۃ اللہ علیہ

(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۴) کہتے سنا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے ابن شوذب کہلاتے تھے، بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی وابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحیی بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، کذابین نے کیا سے کیا بنادی۔ تہذیب التہذیب میں ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت لے وہ غیر ثقہ۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابو داؤد میں ان سے روایت ہے۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے محدث مصعب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے "کان رجلا صالحاً" (تہذیب ج ۶ ص ۳۰۲) اسی طرح محدث ابوزرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "کانوا من صالحی القوم" یعنی یہ لوگ اُمت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذیب) امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبویؐ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایۃ ان یزید لما قال لہ ابوہ: سلنی حاجتک قال لہ یزید: اعتقنی من النار اعتق اللہ رقبتک منہا، قال: وکیف؟ قال: لانی وجدت فی الاثار انہ من تقلد امر الامۃ ثلاثۃ ایام حرمہ اللہ علی النار۔ (ص ۲۲۷ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)	اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب ان کے والد نے کہا کہ حاجت وخواہش تمہاری ہو، مجھ سے کہو، تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار (دوزخ) سے بچا لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزید نے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی اُمت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالیٰ اُس پر نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا۔

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔	یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علوم دین میں یہ سمجھ اللہ تعالیٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث وفقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قرآن کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید وفضلہ وقراءتہ القرآن (ج ۱ ص ۱۹۸)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری ومادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی فضیلت کا کیا کہنا، یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے۔ البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا

---

(۱) امت محمدیہ کی حرمت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

اُمتِ محمدیہ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کے لئے یزید تم سے بہتر ہے (واما ذکرت من انك خیر من یزید نفساً فیزید و اللہ خیر لامۃ محمد منك) (ج ۱ ص ۱۹۹)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصّہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبار سلطنت و خلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہوگا۔

خطبات جمعہ و عیدین | امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ج ۴ ص ۲۵۶-۲۱۵) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ و عمر الفاروقؓ و علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں ان کے خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المومنین کی حیثیت میں دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ امیر المؤمنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں۔ صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

خطبہ امیر المؤمنین یزیدؒ

الحمد للہ احمدہ و استعینہ و اومن بہ و اتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیّات اعمالنا، من یھد اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و ان محمداً عبدہ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے؛ اسی کی میں حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں؛ اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اپنے نفسوں کی شرارت اور بُرے اعمال سے پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

و رسولہ اصطفاہ لوحیہ واختارہ لرسالتہ بکتاب فضلہ و اعزہ و اکرمہ و نصرہ و حفظہ ضرب فیہ الامثال و حلل فیہ الحلال، و حرم فیہ الحرام و شرع فیہ الدین اعذارا و انذارا لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل و یکون بلاغاً لقوم عابدین اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ العظیم الذی ابتداء الامور بعلمہ، و الیہ یصیر معادھا، و انقطاع مدتھا و تصرم دارھا، ثم انی احذرکم الدنیا فانھا حلوۃ خضرۃ۔ حفت بالشھوات و راقت بالقلیل، و اینعت بالفانی، و تحببت بالعاجل، لا یدوم نعیمھا و لا یؤمن فجیعھا، اکالۃ غوالۃ غرارۃ لا تبقی علی حال، لا یبقی لھا حال، لن تعدوا الدنیا اذا تناھت الی امنیۃ اھل الرغبۃ فیھا، و الرضا بھا،

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لئے اللہ نے انھیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی کتاب اور اپنے فضل کے لئے انھیں اختیار کیا انھیں معزز و مکرم کیا ان کی مدد کی اور ان کی حفاظت کی۔ اس کتاب (قرآن) میں مثالیں بیان فرمائیں حلال و حرام کو واضح کیا، دین کے شرائع بیان کئے، اعذار و انذار کئے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہونچے اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے بزرگ و برتر سے تقوے کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدا فرمائی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے مملو ہے، تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی چیزوں سے اُنس رکھتی ہے اور جلد بازی سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں،

ان تكون كما قال الله عز وجل: واضرب لهم مثل الحيوة الدنيا كما انزلناه من السماء ..... (الى قوله مقتدرا)

ونسأل ربنا والهنا وخالقنا ومولانا ان يجعلنا واياكم من فزع يومئذ آمنين. ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به.

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون" اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم "لقد جاءكم رسول من انفسكم ..... الى آخر السورة"

(العقد الفريد ص ۳۷ ج ۲ طبع مصر سنہ ۱۳۵۳ھ)

دنیا موذی، کائن، فریب دینے والی کو ایک حال پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ ان سے راضی رہتی ہے۔ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے، "اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرما دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالے ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔"

ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولے ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دے (لوگو!) بہترین کتاب اور اعلےٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے۔ اور اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اسے بغور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

(اس کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کے بعد سورۂ انفعال کے نویں پارے کی آیات تلاوت کر کے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔

لقب الخطیب الاشدق

امیر یزید رح خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے "الخطیب الاشدق" لقب پڑ گیا تھا۔ یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے کسی نے حضرت سعید بن المسیب سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا معاویہ (البیان والتبیین ص ۲۰۶ ج ۱ البیان والتبیین للجاحظ) یعنی حضرت معاویہ نے اور ان کے فرزند یزید نے نیز دو نام اور بھی لئے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے۔

كان يزيد بن معاوية خطيبا شاعرا وكان اعرابي اللسان بدوي اللهجة[1]

یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔ (ص ۸۲۴-۸۲۵ ج ۲)

سنہ ۴۹ھ میں حضرت عبد اللہ بن عباس دمشق میں امیر المومنین معاویہ رض کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علی رض کی وفات کی خبر پہونچی۔ حضرت معاویہ رض نے اس سانحہ پر حضرت ابن عباس رض سے خود بھی تعزیت کی جس کو شیعہ راویوں نے مسخ کر کے لکھا ہے۔ پھر امیر یزید بھی تعزیت کے لئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباس رض کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا جب امیر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ تو ابن عباس رض نے جو کچھ فرمایا علامہ ابن کثیر کے الفاظ میں سنئے:۔

فلما نهض يزيد من عنده قال ابن عباس اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس (ص ۲۲۹ ج ۸ البداية والنهاية)

جب یزید ان کے پاس سے اٹھ گئے تو ابن عباس رض نے فرمایا بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اٹھ جائیں گے۔

خصائل محمودہ

علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ

---

[1] عربی زبان کی چاشنی اچھی دونوں باتوں سے ہے۔

کے ساتھ امیر یزیدؒ حد درجہ کریم النفس حلیم الطبع سنجیدہ و متین تھے۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام صـ۱۱۶۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأي في الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة[له]

اور یزیدؒ کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت تھے۔

(ص ۲۳۰ ج ۸ البدایہ والنہایہ و تاریخ الاسلام ذہبی ص ۹۴ ج ۲)

حکمرانی کا مطمح نظر

حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمت خلق تھا۔ اور اس خدمت خلق کا آئیڈیل و مطمح نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ

[له] اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی۔ انھوں نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادر حسینؒ محمد بن الحنفیہؒ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے

صالح حکومت و سیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کرو گے اگر تمہیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے مع حضرت معاویہؓ کے ریمارک کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قال يزيد كنت والله يا أبت عاملاً فيهم عمل عمر بن الخطابؓ فقال معاوية: سبحان الله يا بني والله لقد جهدت على سيرة عثمانؓ بن عفان فما أطقتها فكيف بك وسيرة عمرؓ

یزید نے کہا کہ، واللہ اے ابا جان (حضرت) عمر بن خطابؓ نے جو عمل (امت کے ساتھ) کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر (حضرت) معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی) پیروی کی کوشش کی مگر کر نہ سکا پھر کہاں تم اور سیرت عمرؓ کی پیروی!

امیر یزیدؒ کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا حکومت کے ملطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد و عباد امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابوالدرداءؓ جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ انہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادم موجود ہو۔ پھر انھوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انھوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو تو انکار ہو گیا اب میں پیام دوں؛

(کتاب الزہد: امام احمد بن حنبل صـ۱۴۲)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد و عباد امت تھے۔ علماء و فضلاء تھے۔ طلاب و شیدائیان علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا اجراء اس زمانہ میں...... (المؤلف)

ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے خاص کر علامہ خالد بن یزیدؒ جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دار الترجمہ قائم کیا۔ خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌّ لابیہ۔ اولاد میں علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسولؐ کی آوازیں آتیں نہ بقول کذابین غنا و موسیقی کی۔

سیرت یزیدؒ وامام احمدؒ وامام غزالیؒ

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص ۲۳۲) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہادِ صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:۔

وھذا یدل علی عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی لقولھم ویرعوی من وعظھم، ونعم وما ادخلہ الی فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الیٰ ذکر التابعین فاین ھٰذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟[1]

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ کے) نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ کی) عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انھوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرے کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جس کا ذکر مورخین

[1] کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابوبکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا مسند احمد بن حنبلؒ تک میں منقصت یزیدؒ کی وضعی روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔ ص ۲۴۳

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابوالحسن علی الکیا الہراسی متوفی ۵۰۴ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ویزید صح اسلامہ وما صح قتلہ حسینؓ ولا امرہ بہ ولا رضی وبہ مالا یصح ذٰلک منہ لایجوز ان یظن ذٰلک بہ فان اساءۃ الظن بالمسلم ایضاً حرام وقد قال اللہ تعالےٰ اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم من المسلم دمہ ومالہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسینؓ اور رضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر و

اور یزیدؒ صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوئے پس جب کہ یہ قتل ان سے (یزیدؒ) پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتا تو پھر ان کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "بدگمانی سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کا مال۔ اس کی جان۔ اس کی آبرو ریزی اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے

الوزراء والسلاطين في عصره لو اراد ان يعلم حقيقة من الذي امر بقتله ومن الذي رضي به ومن الذي كرهه لم يقدر على ذلك وان كان الذي قد قتل في جواره وزمانه وهو يشاهده فكيف لو كان في بلد بعيد وزمن قديم قد انقضى فكيف يعلم ذلك فيما انقضى عليه قريب من اربعمائة سنة في مكان بعيد وقد تطرق التعصب في الواقعة فكثرت فيها الاحاديث من الجوانب فهذا الامر لا يعلم حقيقته اصلا واذا لم يعرف وجب احسان الظن بكل مسلم يمكن الظن به وما الترحم عليه فجائز بل هو مستحب بل هو داخل في قولنا في كل صلاة اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات فانه كان

اپنے زمانے میں قتل ہوئے۔ اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا، کون اس پر راضی تھا۔ اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں۔ اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو تو پھر اس واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔ جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں گذرا ہے پس کیونکر اس واقعہ کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہو جس کی وجہ سے متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہوں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت

مؤمنا والله اعلم كتبه الغزالي۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص۴۶۵ مطبوعہ مصر)

تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو ہماری ہر نماز کے اس قول اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمه ولعنه لانه مسلم ولم يثبت بانه رضي بقتل حسينؓ واما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل نحن نترحم عليه في جملة المسلمين والمؤمنين عموما في الصلوٰة

(ص۱۷۳ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین ومومنین کے ضمن میں مانگا کرتے ہیں۔

کتاب فضل یزیدؒ

پانچویں وچھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کر لی تھی۔ کذب وافترا

سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے بعض صلحائے امت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی رح تھے جن کے متعلق علامہ ابنِ کثیر رح فرماتے ہیں۔ کان من صلحاء الحنابلة وکان یزار (ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجعِ عوام تھے۔ انھوں نے امیر یزید رض کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیہ بالغرائب والعجائب

(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیث رح) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہ رض پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کیے ہیں۔

اِس سلسلہ میں علامہ ابنِ کثیر رح نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب "فضل یزید" کی شہرت ہوئی خلیفہ وقت الناصر لدین اللہ عباسی رح شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے یہ تبدیلِ ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصر رح نے امیر یزید رح کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

فسألہ الخلیفة عن یزید أیلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ہذا الباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفة ولم؟ قال لانہ یفعل اشیاء منکرة کثیرة منہا کذا وکذا ثم شرع یعدد على الخلیفة افعالہ القبیحة وما یقع منہ من المنکر لینزجر عنہا فترکہ الخلیفة وخرج من عندہ وقد اثر کلامہ فیہ وانتفع بہ

(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث رح) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں اور انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کر دی۔ اور ان کے پاس سے اٹھ آئے لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔

امیر المؤمنین الناصر لدین اللہ عباسی رح متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں ان کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذاتِ خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء و فضلاء کے قدر دان علمِ حدیث سے شغف تھا۔ متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فنِ حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین نام ہے (الاعلام زرکلی) ۵۸۹ھ میں دار العلوم نظامیہ بغداد میں دار الکتب بصرفِ کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مراٰۃ الزمان ج۸ ص۶۲۰)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریادل تھے۔ صاحب مراٰۃ الزمان لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی وافطار اور مسکینوں و فقراء کے کھانے کے لئے شہر کے مختلف حصوں میں دس مکانوں میں طعام کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں۔ ان کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا جس طرح ان کے جدِ اعلےٰ حضرت عباس رض زمانہ حج میں حاجیوں کے لئے اپنے مال سے رفادہ وسقایہ کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم وفاضل اور ان صفات کے حامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ یہ تبدیلِ ہیئت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزید رح پر لعن کیا جائے یا نہیں محض لغو ہے۔ صاحبِ کتاب

الذیل علی طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انھوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنھوں نے "مناقب یزید" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سن کر امیر المؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی۔ شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ و بحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ مات عبدالمغیث (سنہ ۵۸۳ھ) وھما متھاجران (کتاب الذیل ص۳۵۶)

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا رد لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت و حمید الاخلاق تھے خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے)۔ شیخ عبدالمغیثؒ نے اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا۔ آفۃ الحدیث الرد علی عبد المغیث سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سب و شتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزید کے ساتھ ان کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دیگر اکابر صحابہ پر سب و شتم کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینۃ النبی سے انس

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا انس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آئے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو "دار یزید" کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہل مدینہ کو وظائف و عطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مورخ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

دخل عبد الله بن جعفر علی یزید. فقال کم کان ابی یعطیک فی کل سنۃ؟ قال الف الف قال فانی قد اضعفتها لک فقال ابن جعفر فداک ابی وامی والله ماقلتها لاحد قبلک فقال نعم اضعفتها لک فقیل أتعطیه اربعۃ آلاف الف فقال نعم، انه لیفرق ماله فاعطائی ایاه اعطاء اهل المدینۃ

(ص۳ قسم ثانی جزء رابع من

عبداللہ جعفر (طیارؓ) (امیر یزیدؒ کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے (ابن جعفرؓ) نے کہا دس لاکھ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا (یہ سنکر ابن جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لئے بھی نہیں کہا (امیر یزیدؒ) نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سنکر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیر المؤمنین نے) فرمایا۔

کتاب انساب الاشراف بلاذری
مطبوعہ یروشلم)

ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔ ایک سیدہ اُم محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمیہ خاتون کو جن کا ذکر پہلے ہو چکا دوسری خاتون حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:۔

فتزوج يزيد في حجته حجها ام مسكين بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب
(كتاب الانساب الاشراف)

ایک حج کے موقع پر امیر یزیدؒ نے عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی ام مسکین سے شادی کی۔

یہ ام مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں بلاذری سے قدیم تر مورخ و نساب ابن قتیبہ نے سیدہ ام مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے ان سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز امویؒ کی سگی خالہ تھیں (کتاب المعارف صنث)

یہ خاتون عابدہ و زاہدہ تھیں حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج۳) من ذیل الکنیٰ للنسوۃ سیدہ

اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ام مسكين بنت عاصم بن عمرؓ خالة عمر بن عبد العزيز وزوجة يزيد بن معاوية لها رواية عن ابي هريرة تفرد عنها ابو عبد الله (ص۲۰)

ام مسکین جو عاصم بن حضرت عمرؓ کی دختر اور (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہؓ کی زوجہ تھیں وہ (حضرت) ابوہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابو عبداللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت فاروق اعظمؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولیٰ اُم خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

أراك ام خالد تضجين
باعت على بيعك ام مسكين

ميمونة من نسوة ميامين
زارتك من طيبة في حواريين

في بلدة كنت بها تكونين
ذا الصبر ام خالد من الدين

ترجمہ:۔ اُم خالد میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُم مسکین نے لے لی ہے یہ یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں اب یہ اس شہر میں آتی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا تم اُم خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔

ان الذی کنت بہ تکذ لبین
لیس کما کنت بہ تظنین

وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب
ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیاض اور بخشش وعطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوار رسول ﷺ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہل مدینہ کے اِن اشخاص کو جو اپنے مال وزر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے ایک مرتبہ جب امیرالمؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(ص کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرتِ امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا کہ ان کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر و مُمانعتِ خروج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امتِ مسلمہ) کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر میں اخوت، مساوات اور نیک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کش مکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہوگیا۔ نسلی وخاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افرادِ امت جنس واحد وملتِ واحدہ بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکت اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اللہ ورسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمانِ ایزدی ہے۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (القرآن الحکیم)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اس کی۔

اولی الامر (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فرد ملت پر اہل حل وعقد کا اتفاق رائے ہوکر بیعت عامہ ہوجائے، خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ صحیح البخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہوجائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشاد نبویؐ منقول ہے۔

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً حبشیاً مجدع الاطراف

یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ (یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر

یا ل نہ ہوں۔

حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اس وقت بیان کیا تھا۔ جب مفسدین نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے خلاف شورش وفتنہ بپا کرنے کی ابتداء کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفۂ وقت کی اطاعت اور ان کے احکام وارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے۔ معصیت میں نہیں۔ لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔

شارع علیہ السلام نے امت کو فتنہ وفساد سے محفوظ اور امت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال وانتشار سے مصئون ومامون رکھنے کے لئے امیر المومنین وحاکم وقت کے خلاف خروج ومخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشادات نبوی صلعم۔ جن کے اسناد صحیح وجید ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الا مات میتۃ جاھلیۃ

(صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۲۹)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مر گیا جاہلیت کی موت مرا۔

عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان (رواہ مسلم)

حضرت عرفجہؓ سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے۔ اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو۔ تو تلوار سے اس کی

گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کر کے احکام شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

"چون بیعت برائے شخصے منعقد شود وتسلط او مستقر گشت اگر دیگرے بروئے خروج نماید وقتال کند او را می باید کشت افضل باشد از دے یا مساوی یا مفضول"۔

(صفحہ ۱۳۸ جلد اول، ازالۃ الخفاء طبع اول)

(یعنی جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے۔ اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر)

اسی سلسلہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی مروی حدیث بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لئے بیعت ہو جائے تو ان میں سے آخر شخص کو قتل کر دو۔

(اخرجہ البغوی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اول بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاسداری کی جائے

الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو امت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کرے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اسے حاصل ہو جائے اس کے حقوق کی پاسداری اور اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں حضرت عبادہ بن الصامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن جنادۃ بن ابی امیۃ قال دخلنا علی عبادۃ بن الصامت

حضرت جنادہ بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت

وهو مريض قلنا اصلحك الله حدثنا بحديث ينفعك الله به سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعنا فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله فيه برهان۔

(صحیح البخاری: جلد۲۔ کتاب الفتن)

میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی حدیث ایسی بیان فرمائیے جو آپ کے لئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم بر سر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع ہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ لا نری الخروج علی الائمۃ ولا جاروا۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علی ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وكان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا يرون الخروج على الائمة وقتالهم بالسيف وان كان فيهم ظلم كما دلت على ذلك الاحاديث

اہل السنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں

الصحيحة المستفيضة عن النبي صلى الله عليه وسلم لان الفساد في القتال والفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال۔

(منہاج کتاب منہاج السنۃ النبویہ)

تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الاحادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح جملہ ائمۂ اہلسنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"امامِ وقت اور خلیفۂ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے۔ وہ جب مسندِ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزورِ شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ۔ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا"

(حیات احمد بن حنبل ص۲۴۶ بحوالہ المناقب لابن الجوزی ص۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔

خلافت کے اُمیدوار

مورخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلہ میں گنائے ہیں جو امیر المومنین معاویہؓ کی وفات پر

سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچوں نام حضرت ابن زبیرؓ کا ہے:۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ
۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذی النورینؓ
۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ
۵۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم۔

ان حضرات میں سے اوّل الذکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہوگئے رات کو سونے کے لئے لیٹے اور ایسے سوئے کہ پھر نہ اٹھے۔ ان کا ذکر زمرۂ امیدواران میں محض عبث[1] ہے۔ دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے خلیفہ مظلوم شہید حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنۂ عظمیٰ امت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے تحکیم کے وقت ان کا نام بشک لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمام خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لیں لیکن نہ یہ تجویز بروئے کار آئی اور نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد و خلافت کی بیعت انھوں نے بطیب خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ امیدواران خلافت کے

---

[1] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؒ نے صحابہ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھ کر سنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیرالمومنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں سے بس یہی ایک آواز نکلی تھی اس پر مروانؒ نے انہیں تنبیہ کی اور انھیں پکڑ لینے کا حکم دیا وہ بھاگ کر ام المومنین کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیرالمومنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا بعض مورخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری ان لغو تفصیلات سے خالی ہے۔

ضمن میں ان کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔ تیسرے صاحب حضرت عثمان ذی النورین کے صاحبزادے سعید ہیں جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری نے اور الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ انھوں نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں امیرالمومنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگزار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے امیدوار تھے اور نہ اس امیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا ان کی جانب سے ظہور ہوا۔ موخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصول خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیرالمومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو ان سے ملے انھیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا۔

اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (طبری: ج ۶ ص ۱۹۱) — تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آرہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو "عائذ بالبیت" (بیت اللہ کا پناہ گزیں) کہا اور حضرت حسینؓ مکہ آکر اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے مکان میں اترے فنزل الحسین دار العباسؓ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچا اس وقت مکہ میں موجود تھے ان ہی کے پاس مقیم

ہوئے۔ امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرتِ حسینؓ کو طلب خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اس وقت خاندان بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

وکتب یزید بن معاویۃ الی ابن العباس یخبرہ بخروج الحسین الی مکۃ واحسبہ قد جاءہ رجال من اھل المشرق فمنوہ الخلافۃ و عندک خبر وتجربۃ فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابۃ وانت کبیر اھل بیتک والمنظور الیہ فاکففہ عن السعی فی الفرقۃ

(ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایہ)

اور یزید ابن معاویہؓ نے ابن عباسؓ کو مکہ خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں اہل مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی ان کے پاس آئے ہیں اور انھیں حصولِ خلافت پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انھوں نے (یعنی حسینؓ) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے۔ آپ اہل بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں اس لئے آپ انھیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی جسے شیعہ مورخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے اس میں لکھا تھا۔

انی لا رجوا ان لا یکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادع النصیحۃ لہ فی کل ما تجتمع بہ الالفۃ و تطفی بہ النائرۃ (ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایہ)

مجھے امید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور میں انھیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے الفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔

دیگر مورخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزید بعبداللہ ابن عباسؓ در امر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو مکتوب امیر المومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ

اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مورخین نے نقل کی ہے یعنی:-

واما الحسین فقد احببت الاعذار الیکم اھل البیت مما کان منہ وقد بلغنی ان رجالاً من شیعۃ من اھل العراق یکاتبونہ و یکاتبھم ویمنونہ الخلافۃ ویمنیھم الامرۃ وقد تعلمون ما بینی وبینکم من الوصلۃ وعظیم الحرمۃ ونتائج الارحام وقد قطع ذلک الحسین و بتہ وانت زعیم اھل بیتک وسید اھل بلادک فالقہ فاردد عن السعی فی الفرقۃ ورد ھذہ الامۃ عن الفتنۃ۔ (ج ۲ کتاب دوم ص۱۱)

لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل البیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہونچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں، اور حسینؓ بھی اپنی امارت کی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنو امیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (یعنی ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

مکتوب کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب سے جواب خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطروں میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں انھوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے" وعجلوا علیہ بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم اللہ مستجیراً بہ" اس لئے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے۔

وسالقاہ فیما اشرت الیہ ولن ادع النصیحۃ فیما یجمع اللہ بہ الکلمۃ ویطفی بہ النائرۃ ویخمد بہ الفتنۃ

تم نے جو چاہا ہے اس کے پورا کرنے کے لئے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور انھیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو جائے

ويحقن به دماء الامة ۔	اور اُمّت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے ۔
(ج از کتاب دوم ص۱۲۱)	

یہ مکاتیب بیّن ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انھوں نے حضرت حسینؓ کو حصولِ خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں۔ اور یہ خطوط جو شیعہ مورخین نے درج کئے ہیں مُسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسینؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا۔

حضرت حسینؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہ وتابعین کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ امت میں پڑے۔

ثقہ مورخین نے صحابہ کرامؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج پر ان کو کیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا تھا۔

غلبني الحسين على الخروج وقلت له: اتق الله في نفسك والزم بيتك ولا تخرج على امامك ۔	حسینؓ نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا اپنے دل میں اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام خلیفہ یزیدؒ کے خلاف خروج نہ کرو۔
(ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)	

حضرت ابو واقد اللیثیؓ نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جاکر ان کو روکا اور فرمایا:۔

فناشدته الله ان لا تخرج فانه من يخرج غير وجه خروج انما خرج يقتل نفسه (ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)	میں نے انھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:۔

كلمت حسينًا فقلت له: اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض	میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ خدا سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے نہ مرواؤ۔
(ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)	

اسی طرح دیگر متعدد صحابہ کرام کی گفتگوؤں کے کلمات مورخین نے نقل کئے ہیں۔ خود ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) اور ان کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

جعفرؓ بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خسر بھی تھے۔ یمن کا ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین کی خدمت میں یمن کا محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ انھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی مگر حضرت حسینؓ نے واپس سے انکار کر دیا۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار ہوتا رہا۔ پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے بھی بالآخر ان سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے ان کے عزیز و ہمدرد ان سے کہتے رہے۔

يا حسين الا تتقي الله! تخرج من الجماعة، وتفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة ۔	اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؛ تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو اور امت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔
(ص۱۶۶ ج البدایہ والنہایہ)	

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لي عملي ولكم عملكم انتم بريئون مما اعمل وانا بريء مما تعملون ۔	میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے (تاریخ الخلفاء والبدایہ)

حکومت کا نرم رویہ

مکہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور ان کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ ان کی نگرانی ہوئی۔ نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا حتیٰ کہ نہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر کوئی قدغن کیا گیا۔ قرائن و آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے ان کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعۂ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اسی قطعہ اشعار کو شیعہ مورخ طبری نے بھی جلد ۶ ص۱۹۱ پر درج کیا ہے اور دیگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ نے بھی ص۱۶۴ جلد ۸ میں اور ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے ص۱۶۳ ج ۶ کتاب دوم

میں درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے۔ کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں

قطعہ اشعار امیر یزیدؒ

یا ایھا الراکب الغادی لطیتہ
اے سوار جو منزل مدینہ کیطرف ایسی اونٹنی پر جا [illegible]

علی عذا [illegible] فی سیرھا قحم
[illegible]

ابلغ قریشاً علی شحط [illegible]
میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ملنے کو فاصلہ بہت ہے

بینی وبین حسین [illegible] والرحم
کہ میرے اور حسینؓ کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا عہد ہے

وموقف بفناء البیت انشدہ
اور صحن حرم میں کھڑے ہوکر کہی ہوئی بات ہے

عھد الالہ وما توعی بہ الذمم
میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

عنفتم قومکم فخراً بامکم
تم اپنی ماں پر فخر کرکے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔

اُمٌّ حَصَانٌ لَعَمری بَرَّۃٌ کَرِمٌ
ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاکدامن اور میری حیا کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔

ھی التی لایدانی فضلھا احدٌ
وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا

بنتُ النبیؐ وخیر الناس قد علموا
نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب سے اچھی

وفضلھا لکم فضلٌ وغیرکم
ان کی فضیلت میں تمہاری (حسینؓ کی) فضیلت ضرور ہے۔

من قومکم لھم من فضلھا قسم
مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو ان کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلمُ اوظنًّا کعالمہ
میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔

والظنَّ یصدقُ احیانا فینتظم
کیونکہ بسا اوقات گمان بجا نکلتا ہے اور بات پوری ہوکر سامنے آجاتی ہے۔

ان سوف یترککم ما تطلبون بھا
کہ عنقریب تم پر (اے باغیان مدینہ) وہی چیز نازل ہوگی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو

قتلی تھاداکم العقبان والرخم
یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامانِ ضیافت ہوں گی۔

یا قومنا لاتشبوا الحرب اذ خمدت
اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ

وامسکوا بحبال السلم واعتصموا
اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو

لا ترکبوا البغی ان البغی مصرعۃ
بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے

وان شارب کاس البغی یتخم
اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کرسکتا

قد جرب الحرب من قد کان قبلکم
لڑائی کا تجربہ انھیں ہو چکا جو تم سے پہلے گزر چکے

من القرون وقد بادت بھا الامم
اقوام عالم کے لئے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں

فانصفوا قومکم لا تھلکوا بذخاً
اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بیجا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو

فرب ذی بذخ زلت بہ القدم
کیونکہ اکثر بیجا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعہ اشعار سے اس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے۔ "اور صحن حرم میں کھڑے ہوکر کہی ہوئی بات ہے میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ کیا جاتا ہے" ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی تخیل و تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی [illegible] کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں [illegible]

روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں اکثر وبیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کرسکے تھے۔''

(ص۶۷ تاریخ مسلمانان اسپین مولفہ رینھارٹ دوزی)
ترجمہ فرانسس گرلفن اسٹوکس مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

برادرانِ حسینؓ کا موقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں، یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہؒ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم وفضل ورع وتقوے میں امتیازی شان رکھتے تھے جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔

(ص۱۶۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی۔ اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف ''انساب الاشراف'' (جلد ۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے ان کا ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''عبد اللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں''؟

ارکان وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے۔ شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنفیہ: تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں، تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں۔ اس لئے انھوں نے کہا، اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ۔ میں تو لڑنے کا نہیں، نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔ لستُ اقاتل تابعاً ولا متبوعاً۔

(جلد ۳، انساب الاشراف۔ بلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مورخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ ۲۳۳۔ جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) جیسا ابھی ذکر ہوا حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلت علمی، اتقاء و پرہیزگاری، شجاعت وبہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات وتوہمات سے قطع نظر کر کے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندان علی مرتضیٰؓ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مورخ ونسابہ مولف عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

کان محمد بن الحنیفۃ احد رجال الدھر فی العلم والزھد والعبادۃ والشجاعۃ وھو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن والحسین۔

یعنی۔ محمد بن الحنیفہ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علی رضہ بن ابی طالب کی اولاد میں حسن رض اور حسین رض کے بعد سب سے افضل تھے۔

(صفحہ ۳۴۷۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ طبع اول۔ مطبوعہ لکھنو۔

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف الاعلام (قاموس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنیفہ فرماتے ہیں:۔

الحسن والحسین افضل منی وانا اعلم منھما (ج ۷ ص ۱۸۲)

حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندانِ بنت نبی ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔

کان واسع العلم ۔۔۔۔ واخبار قوتہ وشجاعتہ کثیرۃ (ایضاً)

وہ وسیع العلم تھے۔ ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں۔

بایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے۔ اپنے والد ماجد کے معرکہائے جمل وصفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسین رض کے ان بھائی اور حضرت علی رض کے ایسے قابل اور شجیع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزید سے بیعت کرنا۔ اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا۔ آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابہ کرام کی طرح اس خروج کو طلب حکومت وخلافت کا ایسا بے تکا مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسین رض کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علی رض بن ابی طالب تھے جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ

اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسین رض کے اقدام خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مؤرخ انساب مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" ان کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

وتخلف عمر من اخیہ الحسین ولم یسار معہ الی الکوفۃ وکان قد دعاہ الی الخروج معہ فلم یخرج یقال انہ لما بلغہ قتل اخیہ الحسین خرج فی معصفات لہ وجلس بفناء دارہ وقال انا الغلام الحازم ولو اخرج معھم لذھبت فی المعرکۃ وقتلت۔

(صفحہ ۳۵۷ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ مطبوعہ لکھنو)

اور عمر نے اپنے بھائی حسین رض سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انھوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسین رض کے قتل ہوجانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقلمند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے (حضرت حسین رض کے ساتھ) نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حسین رض کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

موقف صحابۂ رسول ؐ

حضرت حسین رض کے اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضوفشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمع نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہوکر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لاسکتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسین رض کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف

امام ابو الفارقی "سیرۃ الخلفاء" لکھتے ہیں:

وقد كان في ذلك العصر كثير من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر ولم يخرج على يزيد ولا مع الحسين (ص۱۲)

اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کثیر تعداد حجاز، شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہو کر۔

صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظام خلافت

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزیدؒ سے پہلے خلفاء کے زمانے میں رہا۔ خلیفہ کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضاۃ میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسماء کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات و تراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت نیز ان کے زمانۂ ولایت عہد میں حیات تھے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظام ملیہ

عرب کی زندگی ہمیشہ سے قبائلی رہی ہے اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک واحدہ تھا اور اپنے سیاسی، معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ راشدین کے عہد سے لیکر اموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار رہے، نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو گئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظام عسکری

(۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور

بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں۔ چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضاکارانہ تھی۔ اموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہونچ جائے۔

(۲) عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب و ضرب

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مغلوب کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے امت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہو سکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور ان کے مخالف یہ حمایت کسی طرح حاصل نہ کر سکے۔

اُمت کی حرارتِ دینیہ

اُمت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم و تقویٰ، قوتِ ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں انہیں سلف صالحینؒ سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ یہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجرأت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابر اہل البیتؓ کی موجودگی میں قرن اول کے وہ مسلمان جنھوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے ایک "فاسق اور جابر" شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا۔ اس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ امت تھی جس نے اس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اس کے بعد! پھر اس وقت اس امت کو کیا ہو گیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظام خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندان خلافت یعنی بنی امیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردار خلیفہ میں کوئی خرابی۔ نظام خلافت اسی امیر المجاہدین

کے ہاتھ میں لی تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور ان کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک تھے اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسک حج بھی ادا کئے گئے اور ان کی امامت میں نمازیں پڑھیں گئیں۔

بنی ہاشم اور اموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ سنہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنو العم (بنی امیہ) کی خلافت کی، بالفاظ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔

کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی وخاندانی مخالفت ومغائرت ان دونوں خانوادوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھے جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں، سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش رہے یہی لوگ "المحرضین علی القتال" تھے (ص۲۴۳ ج منہاج السنۃ)

ان لوگوں کی تحریصوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال وقتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح ومصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وکذلک الحسنؓ وانما کان یشیر علی ابیہ واخیہ بترک القتال ولما صار الامر الیہ ترک القتال واصلح اللہ بین الطائفین المقتتلین وعلی فی آخر الامر تبین لہ ان المصلحۃ فی ترک القتال اعظم منہا فی فعلہ۔

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ وجدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انہوں نے جنگ ترک کردی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح ان کے ذریعہ کرادی (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہوگئی تھی کہ جنگ ترک کردینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) اس سے بڑھکر ہے کہ جدال وقتال جاری رہے۔

(ص۲۴۳ ج منہاج السنۃ ابن تیمیہؒ)

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح ومصالحت کے حامی تھے لسان نبویؐ

سے ان کے اقدام صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس میں اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا جس سے واضح ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک امت کے متحارب گروہوں میں صلح ومصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

وھذا یبین ان الاصلاح بین الطائفین کان ممدوحًا یحبہ اللہ ورسولہ وان ما فعلہ الحسن من ذلک کان من اعظم فضائلہ ومناقبہ التی اثنی بہا علیہ النبی صلعم ولو کان القتال واجبًا ومستحبًا لم یثن النبی بترک واجب او مستحب۔

(ص۱۳۲ ج۔ منہاج السنۃ)

اور اس (اظہار پسندیدگی) سے، یہ واضح ہوتا ہے کہ (امت محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح ومصالحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابل مدح ہے چنانچہ (حضرت) حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ ان کے فضائل ومناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائش کی ہے اور اگر قتال وجدال واجب اور مستحب فعل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب ومستحب فعل کے ترک کردینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے، ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے ہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابر بنی ہاشم کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ وعمل حسنہ کی مثال بھی اس خصوص میں شمع ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی وسیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے بنی امیہ کے افراد کو زیادہ منتخب ومتعین فرمایا۔ عمال نبویؐ میں بھاری اکثریت اموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی (حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت صلعم نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیمار کا) دیگر اموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمال نبویؐ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ صاحب منہاج السنۃ فرماتے ہیں:-

وكان بنو امية اكثر القبائل عمالاً للنبي صلى الله عليه وسلم فانه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن اسيد بن ابي العاص بن امية واستعمل خالد بن سعيد بن ابي العاص بن امية واخويه ابان وسعيد على اعمال آخر واستعمل ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد وصاهر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بناته الثلاثة لبني امية

(ص۱۲۵ ج۲ منہاج السنة)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں دوسرے قبیلوں وخاندانوں کی بہ نسبت بنی امیہ کے افراد اکثر وبیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتاب رضؓ بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالد رضؓ بن سعید بن ابی العاص بن امیہ اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رضؓ وسعید رضؓ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز حضرت ابو سفیان رضؓ اور ان کے صاحبزادے (حضرت) یزید رحؒ کو بھی عامل مقرر کیا جب آپ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہ دیا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اموی خلافت کی تائید وحمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضؓ کے داعیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزید رحؒ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں جعفریوں عقیلیوں علویوں نے بشمول اولادِ حسن رضؓ وحسین رضؓ نہ صرف اس بغاوت سے قطعی علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزید رحؒ کی بیعت پر مستقیم رہے اور جو اتہامات امیر موصوف پر شراب نوشی اور ترک صلاۃ کے لگائے گئے اس کی تردید وتکذیب کی بلکہ بعض افراد بنو امیہ کے اہل وعیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے۔ علامہ ابن کثیر رحؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے طرز عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزید رحؒ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وكذلك لم يخلع يزيد احد من بني عبد المطلب وقد سئل محمد بن الحنفية في ذلك فامتنع من ذلك اشد الامتناع وناظرهم وجادلهم في يزيد ورد عليهم ما اتهموه من شرب الخمر وتركه بعض الصلوٰة

(ص۲۱۸ ج البداية والنهاية)

اور اسی طرح بنو عبد المطلب (یعنی اولاد عباس رضؓ وعلی رضؓ وغیرہم) کے کسی ایک فرد نے بھی (امیر) یزید رحؒ کی بیعت نہیں توڑی اور جب محمد بن علی رضؓ (الحنفیہ رضؓ) سے اس بارے میں کہا گیا (یعنی فسخ بیعت کو) تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث ومباحثہ کیا اور (امیر) یزید رحؒ کی موافقت میں ان سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض نمازوں کے ترک کے یہ لوگ لگاتے تھے ان کی تردید وتکذیب کی۔[1]

غرضیکہ خاندانِ نبوت کے یہ سب افراد خلیفۂ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے حضرت حسین رضؓ کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزید رحؒ کی بیعت کی مخالفت میں ابن زبیر رحؒ کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج وبغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیر رضؓ کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا حضرت ابن عباس رضؓ مع اپنے بھتیجے حضرت محمد بن علی رضؓ (الحنیفہ) مکہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کا آخری وقت آپہونچا تو اپنے صاحبزادے (حضرت علی السجاد بن عبداللہ بن عباس رضؓ) کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنو العم (بنی امیہ) کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملک شام وحجاز کا سرحدی مقام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد بن علی رضؓ (الحنیفہ) بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ ص۲۶۲-۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔ غرضیکہ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) اور خاندان

---

[1] برادر حسین رضؓ حضرت محمد بن علی رضؓ نے اپنی ذاتی واقفیت اور چشم دید واقعات کی بنا پر بدگویوں کے اتہامات کی تردید کی جس سے (ابو مخنف جیسے کذاب راوی کی تکذیب ہوتی ہے۔

خلافت (بنی امیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۷ ص۲۶۵) محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی امیہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔ حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام حضرت موصوف کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں حقیقی بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی دونوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات[1] برس کی تھی۔ ان کے بارے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح و مصالحت کرا دیں گے اس حدیث کے الفاظ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود ان ہی کی زبانی اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں جب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں (میں) نے ان سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جائیے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

فقلت لہ انزل عن منبر — میں نے ان سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے)

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت سنہ ۳ھ میں بعد غزوۂ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ احد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ و حسینؓ علی الترتیب ۴۔ اور ۳ برس کے ہوئے ہیں۔ غزوہ خیبر کے "بعد" کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

ابی واذهب الی منبر ابیك فقال ان ابی لم یکن له منبر فاقعدنی معه فلما نزل ذهب بی الی منزله فقال ای بنی من علمك هذا؟ قلت ماعلمنیه احد۔

(تاریخ الاسلام علامہ ذہبی ج ۲ ص۹ والاصابہ فی تمییز الصحابہ علامہ ابن حجر ج ۱ ص۳۳۲)

کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ۔ یہ سنکر انھوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے نہیں پھر انھوں نے مجھ کو اپنے ہی پاس بٹھا لیا۔ اور خطبہ تمام کر چکے کے بعد جب منبر سے اترے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے بھی نہیں سکھائی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المومنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے ہی دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی سنہ ۵۶ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص۸۲ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر، یعنی سرداری و حکمرانی کا آلہ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وکان معاویۃ واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذالك بلغ مابلغ۔ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہنچے جو ان کو حاصل تھا پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

کان مال آ حمل من الیمن الی معاویۃ فلما مر بالمدینۃ

صوبہ یمن سے (جو مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا) معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ جب

وثب علیہ الحسین بن علیؓ فاخذہ قسمہ فی اھل بیتہ وموالیہ و کتب الی معاویۃ۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۳۲۸ مطبوعہ ایران)

(قافلہ مدینہ سے گزرا) حسین بن علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے عزیزوں اور موالی میں تقسیم کر دیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کر دی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مورخین و مولفین نے بتمام وکمال نقل بھی کر دیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً جو تحریر بھیجی ہے اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا:۔

لان الوالی احق بالمال ثم علیہ المخرج منہ وایم اللہ لو ترکت ذلک حتی صار الی لم ابخسک حظک منہ ولکنی قد ظننت یا ابن اخی ان فی راسک نزوۃ وبودی ان یکون ذلک فی زمانی فاعرف لک قدرک واتجاوز عن ذلک ولکنی واللہ اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرک فواق ناقۃ۔

(ج ۴ ص ۳۲۸ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۸۲ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گذرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگذر کر سکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس و لحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مورخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کئے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کر دی ہے نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مورخ "مولف اخبار الطوال" نیز شیعہ مورخین طبری، ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابو مخنف کی روایت سے بیان کیا ہے جس کا ذکر

اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں اعمال ومال قافلہ را ماخوذ داشت

(ص ۲۹ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام وانصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو) ماخوذ کر لیا تھا۔

شیعہ مورخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابو مخنف کی سند سے بیان ہوا ہے راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ و حکمرانِ وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہو جانے سے قبل کسی فرد امت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو پبلک مال کے تقسیم کرنے کا جواز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصودِ اصلی اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا کیسی کچھ ملاطفت و درگذر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے ان کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ (بعد وفات حضرت حسنؓ) حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگذر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم و کریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو "رسید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس واصبرھم علی من یوذیہ واعظم الناس تالیفاً لمن یعادیہ۔

(ج ۲ ص ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی ان کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی ان کی مخالفت اور دشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو ان کی قرابت قریبہ تھی۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسین کے نانا ہوتے تھے۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے۔ حسنِ سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔ غالی مورخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی امیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا، قطعاً بے بنیاد اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کر لیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فلمّا آلت الخلافة الى اخيه واراد ان يصالح شق ذالك عليه ولم يسدد رأى اخيه فى ذالك بل حثه على قتال اهل الشام فقال اخوه! والله لقد هممت ان اسجنك فى بيت واطبق عليك بابه حتى افرغ من هذا الشان ثم اخرجك فلما رأى الحسين ذالك سكت وسلم۔

(ص۱۵۰ ج ۵)

(البداية والنهاية)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انھوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گزری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہلِ شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ خدا کی قسم تم کو میں گھر میں بھی قید کر دوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کر دوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حسین نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور ان کی پیروی کی۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اموی خلافت کے نہ صرف مؤید تھے بلکہ اموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت موصوف کا اقدام اموی خلافت یا بنی امیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص و ترغیب اور ان کی دراندازیوں کی بنا پر تھا

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں

مورخین نے ابو مخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کر کے (فراراً من بیعة یزید ص۱۵۱ البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وقد كثر ورود الكتب عليه من بلاد العراق يدعونه اليهم وجعلوا يستحثونه ويستقدمونه عليهم ليبايعوه عوضًا عن يزيد بن معاوية وذكروا فى كتبهم انهم فرحوا بموت معاوية۔

(ج ۸ ص۱۵۱ البدايه والنهايه)

ان کے (حسینؓ) کے پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آ گئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں ان کو تحریص دلائی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ ان سے بیعت کر لیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے یہ تھا:۔

اما بعد۔ فقد اخضرت الجنان واينعت الثمار ولطمت الجمام فاذا شئت فاقدم على جند لك مجندة والسلام عليك۔

(ج ۸ ص۱۵۱ البداية والنهاية) (ج ۶ ص۱۷۴ ناسخ التواریخ)

اما بعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہو گئے ہیں۔ میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی ہر خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے

اسی مورخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت

لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

(ص ۱۵۶ ج ۲ ناسخ التواریخ)

اقدامِ خروج میں غلطی

"سردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔"

زمانۂ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثۂ کربلا کے بارے میں اظہارِ تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اما الحسین فانہ خالف یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذالک الجور ولا العسف عند اظہار ھذا الخلاف (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۳۵)

لیکن (حضرت حسینؓ) نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا جو خروج کو جائز کر دیتا)

اسی مؤرخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

فان الحسین اخطأ خطأً عظیما فی خروجہ ھذا الذی جر علی الامۃ وبال الفرقۃ والاختلاف وزعزع عماد الفتہا الی یومنا ھذا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۳۵)

اور (حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے امت میں اختلاف وافتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت و الفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے فان الجماعۃ خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا (ص ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

بزرگوں سے ردّ و قدح

سنہ ۴۸ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہے[1]۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے قریبی

[1] مرض الحسن اربعین یوما (تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۳۲۶) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے۔ زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

بزرگوں میں دو ممتاز حضرات زندہ تھے یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن جعفر طیارؓ۔ اوّل الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتے سے ان کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا اور قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن و سال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بد و شعور سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیمات اسلامی و تزکیۂ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلتِ صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے۔ راتوں کو اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتے۔ وضو کے لئے پانی لا کر رکھتے۔ خدمتیں کرتے اور ازدیادِ علم کی دعائیں لیتے اسی کی برکت تھی کہ حبر امت (امت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "فکان ابن عباسؓ من کبار اہل البیت واعلمہم بتفاسیر القرآن"

(ص ۱۱ ج ۳ منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی صلعم کے اکابرین سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفۂ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیب خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکامِ شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتاتے اور سمجھاتے جس طرح دوسروں کو بتاتے

اور سمجھاتے تھے کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس[1] کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادیٔ برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو گفتگوئیں ان سے کیں جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں ان کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں، بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحیی کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص۲۰۱ ج۸ البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ عندہ من ھذہ الاشیاء ما لیس عند غیرہ (ص۲۰۲ ج۸ البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں جو کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں، مثال کے طور پر ابو مخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے معلوم ہے کہ حضرت حسینؓ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر دار العباسؓ میں مقیم ہیں۔ مگر ابو مخنف لکھتا ہے۔

"عبداللہ بن عباس نے حسین کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سنا تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابن عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو۔ ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو۔" خبرنی ما انت صانع (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے جو امیر یزید سے بیعتِ خلافت کر چکے ہیں اور

---

[1] حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی غزوہ احد کے بعد اور حضرت حسینؓ کی ولادت ۴ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے حضرت حسینؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں، یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابو مخنف انہوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسینؓ سے کہے تھے۔

"اگر تم کو اہل عراق بلاتے ہیں تو انہیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑا لیں (فلینفوا عدوھم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔" (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انہوں نے اہل عراق کو اس اولوالامر خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسبِ احکام شریعت اس کی طاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت ابن عباسؓ جیسے حبر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ و پلان بھی بیان کروا دیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت و خلافت قائم کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا۔

"اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض و طویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرفدار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط و کتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔" (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت ابن عباسؓ اور آپ کے اہل بیت کے موقف و طرز عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت ابن عباسؓ امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد بھی باغیانِ مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا۔ دباؤ ڈالا دھمکیاں دیں ہاشمی خاندان

نے اپنے [illegible] (بنو امیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ امت واتحادِ ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا۔ اور کوئی قدم ان کے خلاف نہ اٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔

"نصرت تو بر ذمت این امت چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ ... سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم"
(ص۱۱۲ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

اس امت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ ... قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی میں اس حق کو پورا ادا نہ کرسکوں گا جو تمہارا میرے ذمہ ہے۔

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے۔

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضۃ اظھر منہ فی سائر طوائف اھل القبلۃ۔
(ص۱۵ المنہاج السنۃ)

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ رافضیوں میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر و نمایاں ہے۔

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہوکر رہتی ہے۔ ان ہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے ان کا بس چلتا تو حسینؓ کو جبراً روک لیتے۔ خود ابو مخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے بھتیجے سے فرمایا۔

واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعرک وناصیتک حتی یجتمع علی وعلیک الناس اطعتنی

قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے بال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ

لفعلت ذالک۔
(ص۲۱۶ ج۶ طبری)

لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے کو جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا

طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو تغیر الفاظ نقل کیے ہیں مثلاً علامہ ابن کثیرؒ، نشب یدی فی راسک لکھتے ہیں جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بجبر [illegible]۔ غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث مباحثہ اور ردّ و قدح اسی بنا پر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی ردّ و قدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے" گویا سٹھیا گئے ہیں" انک شیخ قد کبرت، (ص۱۶۴ ج۸ البدایہ والنہایہ)، مگر مفادِ امت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کیے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

فان کنت سائرا فلا تسر بنسائک وصبیتک فواللہ انی لخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ ونساؤہ وولدہ ینظرون الیہ۔
(ص۲۱۷ ج۶ طبری، ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ۔ ص۱۱۰ مقاتل الطالبین)

پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو (تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ) بخدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی حالانکہ ان ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے۔

انی واللہ لاعلم انک ناصح مشفق (ص۲۱۶ ج۶ طبری) ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کیے ہیں۔

تو پسر عم پدر منی و ہموارہ پدر مرا برای امر رزین واندیشہ متین درکارہا متفق بودہ و ناصحی مشفق گشتہ
(ص۱۱۱ ج۶ از کتاب دوم)

آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی وقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ ان کو اس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کے گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال الحسين لا يبعد الله ابن عباس فظننا انه انما قالها حين سمع بكاءً عن لانه قد كان نهاها ان يخرج بهن (ص۲۱۲ ج۶ طبری۔ ص۱۷۱ ج۸ البدایہ والنہایہ)

(حسینؓ) نے کہا۔ خدا کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی، یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ و بکا سنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے ان کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت حسینؓ کے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بنا پر نہ تھی کہ امیر المؤمنین یزیدؒ ان کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرفدار تھیں اور ان کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہونچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبد اللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے جو اس وقت بیوہ تھیں نکاح کر لیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ام کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب و بنت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی (حضرت) عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا، ان کے فوت ہو جانے پر عبد اللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔"

ثم خلف عليها بعده عبد الله بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقه لاختها زينب۔

ان کے بعد عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۳۸)

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے دو اولادیں تھیں ایک فرزند علیؓ جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری ایک صاحبزادی ام کلثومؒ تھیں جن کو حضرت عبد اللہ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ ان کے

فوت ہو جانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۶۱) حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادہ علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؒ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے مجرد دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آگے آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے غالی راویوں نے حضرت ابن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کیلئے روایتیں وضع کی ہیں جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیق مزید

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول و قرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ ان سے دور ہی رہیں۔

مرة يريد ان يسير اليهم ومرة يجمع الاقامة عنهم

(ص۱۶۱ البدایہ والنہایہ)

اطمینان مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول و قرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تكن الاخرى فعجل الانصراف (ص۲۴۴ اخبار الطوال) مسلم کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ قدیم راوی ابو مخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کر لیا انھوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائیگا۔ فقال مسلم يقتل عدونا ان شاء الله (ص۱۹۹ ج۶ طبری)

ان کے کوفہ پہونچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبايعوه على امرة الحسين وحلفوا لينصرنه بانفسهم واموالهم

(ص۱۵۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہل کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسینؓ کو حسب ذیل تحریر ارسال کی۔

اما بعد فان الرائد لا یکذب اهله وقد بایعنی من اهل الکوفة ثمانیة عشر الفاً فعجّل الاقبال حین یاتیک کتابی فان الناس کلهم معک لیس لهم فی آل معاویة رأی ولا هوی والسلام۔ (ص ج طبری)

اما بعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کرلی ہے میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہوجیے کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں آلِ معاویہ (یعنی امیر یزیدؒ) سے ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ ان کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ و فساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی:۔

امیر الکوفة النعمان بن بشیر خطب الناس ونهاهم عن الاختلاف والفتنة وامرهم بالائتلاف والسنة وقال انی لا اقاتل من لا یقاتلنی ولا آخذ بالظنة ولکن والله الذی لا اله الا هو لئن فارقتم امامکم ونکثتم بیعته لاقاتلنکم مادام فی یدی من سیفی قائمته۔

(ص ج البدایہ والنہایہ)

امیر کوفہ (حضرت نعمان بن بشیرؓ) نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان کو اختلاف و فتنہ و فساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سنت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا لیکن قسم وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہوگئے اور بیعت ان کی فسخ کردی گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم ہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورتحال پر پوری طرح قابو نہ پاسکے۔ خلیفۂ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے امور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر

سپرد کردی۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد نے بعجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہونچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کرلیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبید اللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے مجتمع کیا "یا منصور امت" شعار (WATCH WORD) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے انہیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمن بن کریز الکندی علی کندة وربیعة وعقد لمسلم ابن عوسجة علی مذحج واسد وعقد لابی ثمامة الصیداوی علی تمیم وهمدان وعقد العباس بن جعدة بن هبیرة علی قریش والانصار فتقدموا جمیعاً حتی احاطوا بالقصر واتبعهم هؤلاء فی بقیة الناس وتحصن عبید الله بن زیاد فی القصر مع من حضر مجلسه فی ذالک الوقت من اشراف اهل الکوفة والاعوان والشرط وکانوا مقدار مائتی رجل (ص۲۵۲ اخبار الطوال)

پس (مسلم نے) عبد الرحمن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابی ثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر متعین کیا اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا ان کے بقیہ لوگ بھی پہونچ گئے عبید اللہ بن زیاد مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دو سو اشخاص سے زیادہ نہ تھی محصور ہوگئے

انہی راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہوکر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:۔

یا اهل الکوفة اتقوا الله ولا تستعجلوا الفتنة ولا تشقوا عصا هذه الامة ولا توردوا علی انفسکم خیول الشام فقد ذقتموهم وجربتم شوکتهم (ص۲۵۳ اخبار الطوال)

اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ و فساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس امت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے کے لئے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کرچکے ہو۔

ان باتوں کو سن کر اور قوی پناہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سنکر جس میں اطاعت امیر کے وجوب اور خروج و بغی کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کئے گئے تھے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جو لوگ قصر امارت کو گھیرے ہوئے تھے ان کے اعزہ و اقرباء آن کر ان کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے مورخین کا بیان ہے کہ:۔

وتجیٔ المراۃ الی ابنھا وزوجھا واخیھا فتعلق بہ حتی یرجع۔
(ص۲۵۲ اخبار الطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہونچیں اور ہٹ چلنے کے لئے منتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہو کر بغاوت کی پاداش نیز قصر امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی تلوار چلانے کی سزا میں قتل کئے گئے ان کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی کوئی حکومت یا اس کا عامل ملک کے نظم و نسق کو ہرگز قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کئے جانے سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے فرزند عمر بن سعدؒ امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا' میری لاش کی تدفین کرنا اور حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں۔ راستہ ہی سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مورخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:۔

ابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصداً من قبلك یعلمہ حالی وما جرت الیہ من غدر ھولاء الذی زعموا انھم شیعتہ واخبرہ بما کان من نکثھم بعد ان بایعنی منھم ثمانیۃ عشر الف رجل لینصرف الی حرم اللہ فیقیم بہ ولا یغتر باھل الکوفۃ (ص۲۵۴ اخبار الطوال)

حسین بن علیؓ کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو ان سے میرا یہ سب حال بتلائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے کو ان کا شیعہ کہتے تھے وہ ان کو یہ بھی اطلاع دے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر ان کے لئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا وہ حرم اللہ (مکہ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرہ نہ کریں اور ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔

عمر بن سعدؒ نے مسلم بن عقیلؓ کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مورخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو مسلمؓ کا پیغام قاصد کے ذریعہ پہونچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کے بجائے عمر بن سعدؒ کو اجازت دی۔ فاجاز ذالك کلہ (ص۱۵۸ ج البدایہ والنہایہ) اور کہا کہ اگر حسینؓ یہاں آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔

کوفہ کو روانگی

اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں۔ حضرت حسینؓ کو کوفیوں کی وفاداری و جاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ و تذبذب باقی نہ رہا۔ عزم سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباسؓ سے اٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا سامان سفر اور اسلحہ کی درستی ہونے لگی۔ ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو ان ہی ایام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ پہونچا تھا:۔

دخلت الحرام فی ایام الحج وذالك فی سنۃ (۶۰) اذ لقیت الحسین بن علیؓ خارجاً من مکۃ معہ اسیافہ واتراسہ فقلت لمن ھذا القطار فقیل الحسین بن علیؓ۔
(ص۲۱۸ ج۶ طبری ص۱۶۷ ج البدایہ والنہایہ)

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علیؓ کو مکہ کے باہر پایا تلواریں اور ڈھالیں ان کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار اونٹوں کی کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علیؓ کے ساتھ ہے

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن ان راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مورخین نے نقل کر دیا ہے برخلاف ان کے علامہ ابن کثیرؒ نے ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ:۔

فخرج الحسینؓ متوجھا الیھم (اھل الکوفۃ) فی اھل بیتہ وستین شخصا من اھل الکوفۃ صحبۃ وذالك یوم الاثنین فی

پس حسینؓ، اپنے اہل خاندان اور ۶۰ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہونچ جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ

کی دسویں تھی۔

معمول حالات میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابل لحاظ نہ ہوتا لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور ان کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد سَو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ فریضہ حج ترک کر کے مسافت بعیدہ پر یکایک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہو سکتا تھا اس لئے فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کر کے غالی راویوں نے حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرائی ہے۔

سوال فرزدق — ما اعجلک عن الحج؟ — ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ آپ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

جواب حسینؓ — لو لم اعجل لاخذت۔ — میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔

(ص۲۱۸ ج۴ طبری، ص۱۶۷ ج۸ البدایہ والنہایہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابل قیاس ہے یا نہیں، اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:

اولاً: حضرت حسینؓ اور ان کے اعزہ اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پر روشن ہے، ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اور اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزت نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضہ حج بھی ترک کر دیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مناسک حج کی ادائیگی کے لئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا صرف ایک رات ہی تو درمیان تھی۔

ثانیاً: جملہ مورخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہ شعبان و رمضان و شوال و ذیقعدہ نیز ۸ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام۔ اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کے حلف اٹھاتے رہے ساتھ کوفہ میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی یا نہیں؟ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا نہ خط و کتابت

پیر کو بھی مسند پر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً: حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدحام نہ ہوا تھا۔ شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی عامل مکہ کو حکم بھیج کر آسانی ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراقِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر و تشدد کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المؤمنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً: جب ان چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ایام حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی احرام شروع ہو جاتے ہیں، حدود حرم کے اندر جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو۔ حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت و عقیدت وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جانا ممکن ہو سکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعت ثانیہ تھا۔ زمانہ اسلام میں تو حدود حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً دفعتاً اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گزار اور طویل سفر کی صعوبتیں اٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بسہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردار خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشے گوشے سے ہزاروں مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیابان کی تیس منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ ان کے والد و برادر بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابلِ پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضؓ اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب "مقتل حسین بن علیؓ" یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے روانگی کوفہ کی صحیح تاریخ کے "تعین" کا مزید ثبوت بہم پہونچتا ہے۔

تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لئے حضرت علیؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا۔ کار مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلہ اموال حج کے ایام میں مکہ معظمہ پہونچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری۔ نیز اسد الغابہ جزو اول ص۱۲۶ و مسند امام احمد بن حنبلؒ جزو ۵ ص۳۵۸-۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقر خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا اور اہل قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر (دمشق) جا کر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال (خلیفۂ وقت) کو پیش کر دیتے۔ محاصل و اموال میں یمنی چادریں حلے و پوشاکیں و دیگر اشیاء نفیسہ ہوتیں علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبویؐ میں کیا تھا اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی۔ دیگر کتب تاریخ و سیر کے علاوہ مورخ مسعودی نے بھی لکھا ہے۔

وصار الیہ داعنی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) فی ھٰذہ

اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سرداروں نجم)

السنۃ السید والعاقب وافدا اہل نجران لیصالحہ الصلح فصالحھا عن اہل نجران علی الفی حلۃ فی السنۃ وغیر ذالک

(ص۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل ۱۸۹۳ء)

السید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں۔ پس آپ نے ان کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلے سالانہ کی ادائگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ بلا فصل اور امام اول حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا۔ وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق یعنے ان پر جو واجب ہے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سبا بھی تھا۔ معاہدہ کے مطابق اموالِ جزیہ میں حلے (پوشاکیں) بردیمانی و دیگر اشیاء نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفۂ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف "مقتل حسین بن علی رضؓ" نے بیان کیا ہے اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل راجح عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ اخبار الطوال، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے۔ جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے را نگریست کہ مبلغ برد یمانی و پارہ درس و بعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہنچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ درس

واین جملہ را بحیر بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود
بنزدیک یزید انفاذ داشتہ بود، حسین
علیہ السّلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان
ازجانب خدائے خاص او بود آن اجمال را
ماخوذ برداشت وشتربانان را فرمود
اگر خواہید با ما سفر عراق میکنید و شتران
خود را بہای کری از ما می ستانید و اگر
نہ بہای کری تا این جا کہ حمل دادہ اید بگیرید
وباز شوید جماعتے ملازمت رکاب آنحضرت
اختیار کردند وگروہے بہای کری بگرفتند
باز شدند۔
(صـ۲۹ـ ج ازکتاب دوم ناسخ التواریخ
مطبوعہ ایران،

(خوشبوئیں، اور کچھ نفیس اشیائے
جارہا تھا اور ان سب کو بحیر بن یسار
حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس
ارسال کیا تھا حسین علیہ السّلام نے کہ مسلمانوں
کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ
کی جانب سے ان سے مخصوص تھا۔ ان
اموال کو ماخوذ کرایا اور اونٹ والوں سے
فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق
کے سفر میں چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ
ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری
کا جو کرایہ تمہارا ہوتا ہے وہ لے لو شتربانوں
کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں
چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے
کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے [1]

مورخین میں سے کسی نے بھی ابو مخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و درایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی بے چون و چرا نقل در نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہِ کوفہ جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے، یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں، یمن سے جو قافلہ مکہ سے گزر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔ جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہونچ سکتا

---

[1] یہ واقعہ امیرالمومنین یزیدؒ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

الا یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جانے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مورخین نے ابو مخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے یمنی قافلہ نظر پڑا جو امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہونچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔ مگر ان مورخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

لما فصل الحسین بن علی من مکۃ
سائراً وقد وصل الی التنعیم لحق
عیراً مقبلۃ من الیمن علیہا ورس
وحناء تنطلق بہ الی یزید بن
معاویۃ فاخذھا وما علیہا و
قال لاصحاب الابل من احب
منکم ان یسیر معنا الی العراق
الی آخرہ (صـ۲۵۸ـ اخبار الطوال)

جب حسینؓ ابن علیؓ سفر پر جاتے ہوئے مکہ
سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے
انھیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا جس
(کے اونٹوں) پر ورس اور حنا لدا تھا اور
یہ (مال) یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا
تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال
تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے
کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا
پسند کرے (اس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا
وغیرہ وغیرہ)

ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بناء پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے ان علامۂ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

ان الحسین اقبل حتی مر بالتنعیم
فلقی بہا عیراً قد اقبل بہا [1]

جب حسینؓ (سفر عراق) پر روانہ ہوئے یہاں
تک کہ مقام تنعیم پر پہونچے تو ایک قافلہ

---

[1] شاید یہ کتابت کی غلطی اور لفظ "حلل" کی خرابی ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم نے "حلل" (پوشاکیں) کو "حلی" سمجھ کر "زیورات" ترجمہ کیا ہے۔

من الیمن بعث بھا بجیر بن ریسان الحمیری الی یزید بن معاویہ وکان عاملہ علی الیمن وعلی العیر الورس والحلل ینطلق بھا الی یزید بن معاویۃ فاخذھا الحسین فانطلق بھا ثم قال لاصحاب الابل لا اکرھکم من احب ان یمضی معنا الی العراق (الی آخرہ) (ص۲۱۸ ج طبری)

ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جسے بجر بن ریسان حمیری نے یزید بن معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا اور اس قافلہ کے پاس درس اور حلّے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جا رہے تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ کو ماخوذ کر لیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ دیا جائے گا وغیرہ)

اب ایک اور علامہ وقت، مورخ و محدث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو، جنھوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے اس لئے ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں چنانچہ انھوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے ان کو عامل یمن بجیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر "درس وحلل کثیرۃ" یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا اس کو حضرت حسین نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیھا الی الکوفۃ ودفع علیھم اجرتھم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور ان کی اجرتیں بھی ادا کر دیں) یمن کے صدر مقام صنعا سے مکہ معظمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔

(ص۱۶۶ ج البدایہ والنہایۃ)

من مکۃ الی صنعاء احدی وعشرون مرحلۃ

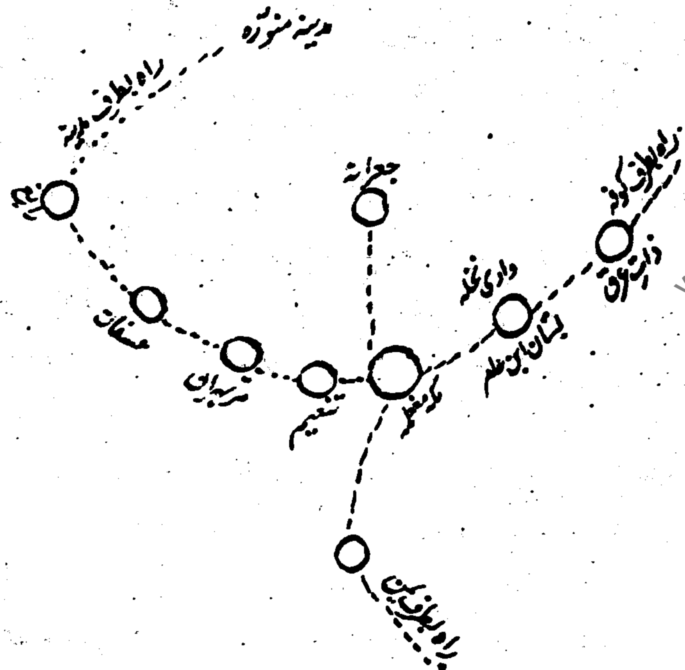
مکہ سے صنعا (یمن کا صدر مقام) اکیس منزلوں پر ہے۔

ص۱۰۲ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء

یمنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظمہ وارد ہوا تو

اہل قافلہ کو جن میں عامل یمن کے فرستادہ اہل کار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بحفاظت خلیفۂ وقت کے پاس لے جا رہے تھے۔ ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافات شہر میں تنعیم کے مقام پر پہونچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول (دستور قدیم) یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گذرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق میں سے ۱۰ تا ۱۱ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔



تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد بھی مسجد عائشہ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح سے کیا ہے۔

التنعیم بموضع بمکۃ فی الحل و ھو بین مکۃ وسرف علی فرسخین من مکۃ وقیل اربعۃ وسمی بذلک لان جبلا عن یمینہ یقال لہ ناعم والوادی نعمان وبالتنعیم مساجد حول مسجد عائشہ و سقایا علی طریق المدینۃ منہ یحرم المکیون بالعمرۃ۔

(ص۲۱۲ ج۲ معجم البلدان یاقوت حموی۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء)

تنعیم۔ مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے اترنے کا مقام ہے اور مکہ وسرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہ کے گرد ہیں اور یہاں پانی کے مقامات راہِ مدینہ پر ہیں اہل مکہ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مولفین کتب بلدان وجغرافیہ نیز مسلم وغیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے منتقل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گذر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام سے ہوا تھا اپنے رحلہ (جزو اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

التنعیم وھو علی فرسخ من مکۃ ومنہ یعتمر اھل مکۃ وھو ادنی الحل الی الحرام ومنہ اعتمرت ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ عنہا حین بعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما فی حجۃ الوداع مع اخیھا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ وامرہ ان یعمرھا من التنعیم وبنیت ھنالک مساجد ثلاثۃ علی الطریق انتسب کلھا الی عائشۃ رضی اللہ عنہا وطریق التنعیم طریق فسیح (الی آخرہ)

(ص۸۹ رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

التنعیم۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر یہ مقام ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حل وہ حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع میں ان کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادائے عمرہ کے لئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہیں۔ تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔ (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہلِ مدینہ سیر وتفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن جنھوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین (مکہ ومدینہ منورہ) کا سفر کرکے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نواح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پکنک کے لئے جایا کرتے ہیں۔

(حاشیہ ص۲۴۲ سفرنامہ سر رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگرونج نے اپنی تالیف "مکہ انیسویں صدی میں" تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہل مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں۔ اسی لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں (ص۲۵) زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جاکر کی ہے اور اس سلسلہ میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ ومدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی پوری تغلیط وتکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسین رضؓ قبلِ حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہونچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جا رہا تھا ماخوذ کیا

اور شتربانان قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مورخین نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسین رض نے قبل روانگی ارکان حج کلیتہً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہوکر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

خرجنا حاجين من الكوفة حتى	حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں
قدمنا مكة فدخلنا يوم التروية	تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل
فاذا نحن بالحسين وعبد الله بن	ہوئے۔ تو ہم نے حسین رض اور عبداللہ بن زبیر رض
الزبير۔ انها اخفيه كلامهما دونا	کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا جب
فما زالا يتناجيين حتى سمعنا دعاء	ان کے قریب پہنچے پر وہ چپکے چپکے باتیں
الناس رائحين متوجهين الى	کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے یہاں
منىٰ عند الظهر قالا فطاف الحسين	تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سنا کہ لوگوں کو
با لبيت وبين الصفاو المروة	منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسین رض نے
وقص شعره وحل من عمرة ثم توجه	بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے
نحو الكوفة وتوجهنا نحو الناس۔	درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرے
(ص۲۱۷ ج طبری)	محل ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے
(ص۱۶۲ ج البدایہ والنہایۃ)	اور ہم ان لوگوں کیطرف جو منیٰ کو جا رہے تھے)

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرے سے فارغ ہوکر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانب مشرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہ کوفہ پر نہیں بلکہ راہ مدینہ و دمشق پر آتا ہے کیونکر پہونچ گئے اور یمنی قافلہ کو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گذرتا۔ دو دن پہلے

ہی کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسین رض کا ۸ کو تنعیم پہونچنا اور یمنی قافلہ کو اسی دن ماخوذ کرلینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی مر کے نکالئے ۱۰ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن ابن کثیر رح نے صراحتاً لکھا ہے کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مورخین اخبار الطوال طبری، ابو الفدا ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے تیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرون شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ با آسانی ماخوذ کیا جاسکتا تھا۔ فرزدق[1] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان ہی مورخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا عسفان جانے کا راستہ تنعیم ہی ہوکر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسین رض سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی ان کے پاس "پوشاکیں اور ڈھالیں" تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے درمیان مشاش سے مضافات مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔ فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ فرزدق کہتا ہے۔

لقيتُ الحسين بارض الصفاح	ارض صفاح پر میں نے حسین رض سے ملاقات
عليه اليلامق والدرق۔	کی ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں
(ص۳۲۶ ج۵ معجم البلدان)	تھیں۔

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] فرزدق بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ کا خراعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا حضرت عثمان رض کے قاتلین میں شامل تھا اعان علی قتل عثمان رض ص۲۱۹ جمہرہ ابن حزم (فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کردہ بھی شاعر تھا لمبائی یا رئی کے لوگ تھے اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبط بھی اسی قماش کے تھے لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ لمحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا یہ بیٹے غیر معقب ہے۔ فرزدق مقطوع النسل ہے۔

الصفاح: موضع بین حنین و انفباب الحرم علی سیرۃ الداخل الی مکۃ من مشاش رھناک لقی الفرزدق الحسین۔

ص۳۶۶ ج۵ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیبزگ ۱۸۶۷ء۔

الصفاح: یہ ایک موضع وادی حنین اور انفباب الحرم (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے راستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسینؓ سے ہوئی تھی۔

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغۂ جمع آیا ہے اس کا واحد "یلمق" ہے جو ایک دھاریدار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی بمرور ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی شاعر کی مراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغۂ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کے بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہو سکتی ہے۔ جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہِ مکہ و مدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جا رہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ تعدد الیلامق کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۸ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضۂ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوذ کر لیا گیا تھا۔ اور قافلہ کے ساتھ عاملِ یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں۔

اجتہادی غلطی

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگیٔ کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہو چکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کر لی ہے اور آل "معاویہ" سے ان کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ موقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہو جاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلہ میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہو گیا آپ کی رائے اور اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محل نظر ہے کہ حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص او بود

آں احمال را ماخوذ داشت۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المؤمنون اخوۃ مومنین سب بھائی بھائی ہیں، کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں۔ رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں۔ سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں لیکن قرآنِ حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ کو صرف رسالت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ کا تعلق براہِ راست ہر امتی سے ہے اور آپؐ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و ملک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (قرآن الحکیم)

محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (قرآن الحکیم)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔

آپؐ کی ذات ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جا سکتا اور نہ آپؐ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپؐ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نبی ہیں اور باقی سب امتی۔ امتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات ۱۲)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قومیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

کان اللہ تعالیٰ قد حکم بانّ الاکرم هو الاتقی ولو انه ابن زنجیة نتیة۔ (رسائل جمہرہ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بے نکاح حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ ہے ازواج مطہرات کی حیثیت کا جس طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات تمام امت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر امتی ان کا فرزند ہے یہی ازواج اہلبیت رسول (رسولؐ کی اہلِ خانہ و اہلیہ) ہیں ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ازواج صلوات اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب امتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں یعنی ابوت وامومت

النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (سورۃ الاحزاب)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حقوق و فرائض میں ہر امتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے جن کی پاسداری آپؐ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپؐ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرور ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جا سکے گا۔ اس لئے آپؐ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپؐ کے خاندان کا امت پر مسلط نہ ہونے پائے۔

عہد نبویؐ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومت اسلامیہ کا کوئی ادنے ترین عہدہ بھی آپ نے خاندانِ نبوت (بنو عبد المطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔ آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، آپ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ و حضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا جسے آپ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ ۲۸ مرتبہ آپ غزوات کے سلسلے میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائبین کا تعین کیا ان نائبین کی فہرست میں اموی وکلبی وانصاری وغفاری ومخزومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی وہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا۔

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوہ نبی صلعم	تعداد نیابت
۱	عثمان بن عفان اُموی رضؓ	۲
۲	زید بن حارثہ کلبی رضؓ	۲
۳	ابوسلمہ عبد الاسد مخزومی رضؓ	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاری رضؓ	۳
۵	سعد بن معاذ " رضؓ	۱
۶	سعد بن عبادہ " رضؓ	۱
۷	عبد اللہ بن رواحہ " رضؓ	۱
۸	سباع بن عرفطہ رضؓ	۳
۹	ابارہم بن غفاری رضؓ	۴
۱۰	عمرو بن قیس (ابن ام مکتوم) رضؓ	۹
		۲۸

آپؐ کا آخری غزوہ تبوک تھا جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرونِ حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہلِ بیت کی خبرگیری کے لئے حضرت علیؓ کو متعین کیا مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا ان کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپؐ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔ اقوام عالم کا شعلہ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام

سے صدقات کو اپنا "حق" سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصوّر کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمد میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصّہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقاتِ یا ریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن خزانۂ عامرہ کی کوئی مد ان کے لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غرباء اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں ان کا حصہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ امّت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصّہ غنیمت اور فے میں متعین کیا گیا تھا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس طرح آپؐ کا حصّہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفاء) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصّہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہدِ راشدین سے لے کر اموی اور عباسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں جو مالِ غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حریف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو مال و زر پیش کرتی تھیں ان سب کی مقدار ضروریاتِ عامّہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ان کے نقیبوںؒ کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح ان رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرزِ عمل کسی درجے میں بھی مستبعد خاتہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصّہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اسے اپنا استحقاق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ مثلاً برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیازِ پست و بالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپؐ نے سیاساتِ اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سدِّ باب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت پکڑ

لہ خلافت ہاشمیہ عباسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے داعی نام سے موسوم کر کے جلبِ منفعت کے کاروبار میں لگ گئے۔

سکیں۔ نیز یہ کہ آپؐ نے بطور طبقہ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر ان کا کوئی حق نہیں رکھا یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپؐ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اخوّت کے داعی کی حیثیت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو روئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں پہونچائی جا سکتی کہ آپؐ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپؐ کے رشتہ داروں کو امت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو "رتق و فتق امور مسلمانان کے لئے خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص حق ملا ہوا تھا۔" حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہو سکتا تھا کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد و طرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عاملِ مکّہ کی کارروائی سے واضح ہو جاتا ہے۔

عاملِ مکّہ اقدامِ مزاحمت

مورخین نے ابو مخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکّہ سے جب حضرت حسینؓ سفرِ کوفہ پر روانہ ہو گئے عاملِ مکّہ نے انھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی ان کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے ان لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابو مخنف کی یہ ہے۔

لما خرج الحسين من مكة اعترضه رسل عمرو بن سعيد نائب مكة عليهم اخوه يحيى بن سعيد فقالوا له انصرف اين تريد؟ فابى عليهم ومضى وتدافع الفريقان وتضاربوا بالسياط والعصي، ثم ان حسينا واصحابه امتنعوا امتناعًا قويًا ومضى الحسين على وجه ذلك فنادوه يا حسين الا تتقي الله! تخرج من الجماعة وتفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة
(ص۱۶۶ ج ۸ البداية والنهاية ص۲۱۸ ج ۶ طبري)

جب (حضرت) حسینؓ مکہ سے (سفرِ کوفہ پر) روانہ ہو گئے عمرو بن سعیدؓ عامل مکہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے کچھ آدمی ان کے پیچھے بھیجے تا کہ ان کو (سفر سے) روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہونچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جا رہے ہو مگر انھوں نے اس سے انکار کیا اور چلے گئے فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مار پیٹ (بھی) ہوئی

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے
شدید مقاومت کی اور حسینؓ یا ایں ہمہ بدھر
جا رہے تھے چلے گئے ان لوگوں نے انہیں پکار کر کہا۔
اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جماعت
سے نکلے جا رہے ہو اور امت جب ایک بات
پر متفق ہو چکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔

عاملِ مکہ عمرو بن سعیدؓ کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دورانِ حکومت

سلہ عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے بعد میں مکہ ومدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا وہ پشتینی عامل تھے بنی امیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف وامتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض نے حبشہ کو ہجرت بھی کی، عمرو بن سعید کے تین چچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم ابن سعید بن العاص بن امیہ کو جن کا نام آپؐ نے عبداللہؓ رکھا قری عربیہ کا۔ ان کے بھائی خالد بن سعید کو صنعا کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن سعید بن العاص بن امیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دو ایدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں ان کے نام کی مناسبت سے "سعیدیا" پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم سخی اور خطیب شخص تھے ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحب تصانیف ہوئے۔ خود سیدنا سعید بن العاصؓ اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح وبلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کو

کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آجا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکایک اور بالخصوص اس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عاملِ مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیاراتِ تمیزی میں داخل ہو۔ ابو مخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا یہ تھا یہ ہو سکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعتِ اطاعت وخلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت وخلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہو گیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابر صحابہ وتابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفۂ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے جب تک کہ خود ان ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آجائے چنانچہ بلاذری نے عاملِ مدینہ کے یہ فقرے نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

لیت حلمنا عنک لایدعوا جہل
غیرنا الیک فجنایۃ لسانک مغفورۃ
لک ما ملکت یدک فلا تخطر بہا
مخطر تہلک۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں کو جہالت پر آمادہ کر دے پس آپ کی زبان کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب تک آپ کا ہاتھ رکا ہے اس لئے آپ اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں نہ پڑنے دیجئے۔

تعلیس بلاد اسلامیہ کے لئے تیار کرائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کر دیں۔ اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

یہ بیان بھی ان ہی راویوں کا ہے کہ عامل مکہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کرکے ان کے پاس پہونچے۔ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے ان کو اور حضرت ابن زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

فلحقہ علی مسیرۃ ثلاث لیال۔ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	(حضرت ابن عمرؓ) تین راتوں کی مسافت طے کرکے ان کے (حسینؓ کے) پاس پہونچے۔

اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کر کہ آپؐ کو دنیا و آخرت دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپؐ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ ان کی ذریت میں ہو دنیاوی حکومت وخلافت کی طلب سے علیحدہ رہو۔ یہ تم کو حاصل نہ ہوگی انک لبضعۃ منہ ولا تنالہا۔ یعنی الدنیا (ص ۱۶۳ ایضاً) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی یہ کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص ۶۰ جمہرۃ الانساب) ان کے سترہ بیٹے تھے بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ الطالب) مؤلف عمدۃ الطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ ان کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص ۶۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم و ص ۱۹۸ عمدۃ الطالب) یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے

کہ جعفر بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس الخثعمیہ سے آٹھ بیٹے تھے یعنی عبداللہ، عون و محمد الاکبر و محمد الاصغر و حمید و حسین و عبد الاصغر و عبداللہ الاکبر (ص ۲)۔ یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفر بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسين عليه السلام يوم الطف۔	لیکن عون اور محمد الاصغر یہ دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ یوم طف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔

(ص ۲ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو)

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر و عون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہوگئے تھے (ص ۶۰ جمہرۃ ابن حزم) بہرحال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد مقتول کربلا حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ جمانہ بنت مسیب الفزاریہ کے بطن سے تھے اور ان کے سوتیلے بھائی محمد مقتول کربلا کی والدہ الخوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۹۰ مطبوعہ مصر)

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ جب اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا

۱؎ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب ان کے والدین ابتدائے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے ان کے والد ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندان رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے نوجوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی

نہ چاہتی تھیں جدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی ان کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبد اللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں ان کا بھیجا جانا حسینی قافلہ کی شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کے لئے فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبد اللہ ابن جعفرؓ کے بھائی تھے اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ان کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابو مخنف نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادر نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ہ پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہد نبوی صلعم میں عرب کے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا حضرت اصحمہ نجاشی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان کے بھی ایک بیٹا اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبد اللہ تولد ہوئے تھے اس کا نام بھی عبد اللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبد اللہ اور ان کے دوسرے بھائی آنحضرت صلعم کے ظل عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے آپ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا انا لھم عوضاً من ابیھم یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں حضرت عبد اللہ جعفرؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سن تمیز میں شرف صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینب کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مصر ہوئیں طلاق دیدی تھی

انھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے بعد بھیجی تھی اس میں لکھا تھا۔

ان ھلکت الیوم طفی نور الاسلام فانک علم المھتدین ورجاء المؤمنین۔

اگر تم یوں ہلاک ہو گئے تو نور اسلام جاتا رہے گا۔ کیونکہ تم اہل ہدایت کے رہنما ہو اور اہل ایمان کا سہارا ہو۔

(ص۱۶۸ ج۸ البدایہ والنہایہ و ص۲۱۹ ج۶ طبری)

طبری نے "نور اسلام" کے بجائے "نور الارض" کے الفاظ رکھے ہیں بہرکیف "نور الاسلام" کے لفظ ہوں یا "نور الارض" کے یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نور ہو یا دنیا کا کسی فانی انسان کی موت و زیست پر نہ نور اسلام کا مدار ہے نہ نور ارض کا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے نور اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دار فانی سے گذر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نور ارض کی درخشانی میں سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے زیادہ اور کون دن مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا ہو سکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں ابن جعفرؓ کا اپنی آنکھوں کا دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں انھوں نے بعد رسول صلعم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ کے یار غار حضرت ابوبکر الصدیقؓ نفسی النبی صلعم کے منہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سنے تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّہٗ مَن کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود جانتا ہے تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ کا قرآن مجید کی اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا۔ دیگر صحابہ کی طرح جو یہاں موجود تھے ابن جعفرؓ کو بھی یاد رہا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ

اور محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ

ان تمام حالات کے پیش نظر یہ کیسے باور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے ایک خورد کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ستم گری ہے ان ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے قطعاً بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت ابن عمرؓ اور فرزند ان ابن جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضۂ حج ترک کرکے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابل پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کرلیں یعنی پہلی منزل بُستانِ ابنِ عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جاکر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:

واقبل الحسين مُغِذّاً لا يلوي على شيء حتى نزل ذات عرق۔ (ص۲۱۹ ج۶ طبری)

اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شئے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا یہاں تک منزلیں چھوڑتے ہوئے ذات عرق جا کر اترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن ایک ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دو سو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو یا خاص حالات میں ڈھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو ۴۸ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کرلینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور اطفال بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا آگے تفصیلی بیان آتا ہے پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸ انگریزی میل کے فاصلہ پر بستانِ ابنِ عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۶ عربی اور ۵۴ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ "کسی شئے کی طرف

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔

کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچائے گا۔ اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے۔ سن و سال میں حضرت ابن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی[1]

ادرك الحسين من حياة النبي صلى الله عليه وسلم خمس سنين ونحوها۔ (ص۱۵۰ ج۸ البدایہ والنہایہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی، بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمرۂ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روى صالح بن احمد بن حنبل عن ابيه انه قال في الحسن بن علي انه تابعي ثقة وهذا غريب فلأن يقول في الحسين انه تابعي بطريق الاولى۔ (ص۳۶ ج۸ البدایہ والنہایہ)

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجۂ اولےٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

---

[1] ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص۶۹) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب سنہ ۳ھ میں ہوئی تو یہ سنہ ۴ھ میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اس وقت تین چار سال کی ہوگی۔

مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے۔ بالفاظِ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلا توقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لئے یا کھانا کھانے اور نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اترا۔ عاملِ مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرام لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف و ہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

یزید بن معاویہ سی تن از شیاطین بنی امیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسینؓ را ماخوذ دارند اگر نتوانند مقتول سازند چون حسینؓ برکیدت اور عالم بود ناچار سفرِ عراق را تصمیم عزم داد۔

(صٖ جلد ۶۔ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسینؓ کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسینؓ چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انھوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت حسینؓ کے سفرِ عراق کی یہ وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور ان کے ساتھ کوفی ساتھیوں نیز ان کے بعض اہلِ خاندان کی دلیری اور شجاعت و شہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ "تیس شیاطین بنی امیہ" کے خوف سے سفرِ عراق کا عزم صمیم کر لیا اور فریضۂ حج بھی ترک کر کے سفر کوفہ پر روانہ ہو گئے راویوں نے جس مقصد کے پیش نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے۔ وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ہے یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہونچا دینا جو بعد مسافت و تعدادِ منازل و مراحل راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ سکتا جیسا ذیل کی تفاصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے

مکۂ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ "طریق الاعظم" سے جو حسینی قافلہ

نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہِ العذیب و قصر مقاتل اختیار کیا تھا آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل ہوتا ہے یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کاروانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گذارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے مستند کتب بلدان و جغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم و جدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل میں کہاں فرودگاہیں، کہاں کنوئیں اور حوض و تالاب ہیں، پانی ان کا وافر اور شیریں و لطیف ہے یا نہیں کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں، خورد و نوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۲۴ عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اموی سے منسوب کرتے ہیں۔ (صـ۵۸ فتوح البلدان بلاذری) یہاں سے ایک راستہ صنعا (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق ۲۲ عربی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔ معدنِ نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین میل پہلے ہی حسبِ روایت جناب ابو جعفر محمد (الباقر) حضرت حسینؓ نے کوفیوں کی غداری کا حال سن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصر مقاتل و قریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہِ قادسیہ کربلا تک پہونچنے کے لئے ۳۱ تیس درمیانی

منزلیں طے کرنا لازم ولابد تھیں۔ اکتیسویں منزل بپیش آمدہ حالات وواقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریہ العقر کے مضافاتی دمتصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبد اللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں ،، منقاة من الحصی والدغل" تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکار سے صاف تھا۔ راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بستان ابن عامر کا نام ترک کرکے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا اس کے بعد اکٹھی نو منزلیں ترک کرکے زرود وا الخزیمیہ) اور ثعلبیہ کا وقس علیٰ ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دوسری محرم ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے نوسو انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے آٹھ دن پہلے ہی پہونچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط وتردید ہوجاتی ہے بہر حال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار واخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردۂ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہوکر رہتے ہیں

ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور ان کے فاصلے باعتبار عربی میل اس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہوچکا ہے اور روزانہ بلا ناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اس کا گذر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہونچا یا پہونچ سکتا تھا۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان وجغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کرکے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء (ص ۶۶۰۹۷) میں المنازل من الکوفة الی المدینة ومکة" کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ ومکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور ان کے فاصلے دوسری کتب بلدان وجغرافیہ میں بھی اسی سلسلے سے پائی

جاتی ہیں مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حریری کو اپنا جدِ امجد بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہتہ القلوب میں جو ۷۴۰ھ میں تالیف کی اس کا مقالہ سیوم جغرافیہ عالم کے بیان میں ہے اس میں بعنوان " در صفت بلدان وولایات و بقاع" یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد وکوفہ ونجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے مثلاً کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے مؤلف الفرج قدامہ[1] بن جعفر نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہتہ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے اس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد وقدیم وجدید تالیفات ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہوگئی ہے مثلاً القاع کو حرف "گ" سے اگا کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہ نے یہاں حوض وغیرہ تعمیر کرائے تھے کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کرکے ان منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کرسکتا ہے۔

---

[1] ابو الفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے امیر المومنین المکتفی باللہ عباسی کے ہاتھ پر اسلام لائے دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور ستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے مدینۃ الاسلام بغداد سے اطراف و اکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے ان سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے: منزل	فاصلہ	تاریخ آمد و روانگی قافلہ: آمد	روانگی	راویوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۱	مکہ معظمہ	″	۰	۱۰ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ		
۲	بستان ابن عامر	۲۴ عربی میل	۱۰ ر	۱۱ ر ″	×	
۳	ذاتِ عرق	۲۲ ″	۱۱ ر	۱۲ ر ″	ذاتِ عرق	
۴	الغمرہ	۲۶ ″	۱۲ ر	۱۳ ر ″	×	
۵	الملیح	۱۸ ″	۱۳ ر	۱۴ ر ″	×	
۶	الفیعیہ	۴۳ ″	۱۴ ر	۱۵ ر ″		
۷	العمق	۳۲ ″	۱۵ ر	۱۶ ر ″		
۸	سلیلہ	۲۱ ″	۱۶ ر	۱۷ ر ″	×	
۹	معدن بنی سلیم	۲۶ ″	۱۷ ر	۱۸ ر ″	×	
۱۰	ربذہ	۲۴ ″	۱۵ ر	۱۹ ر ″	×	
۱۱	مغیثۃ الماوان	۲۴ ″	۱۹ ر	۲۰ ر ″	×	
۱۲	معدن نقرہ	۳۳ ″	۲۰ ر	۲۱ ر ″	×	
۱۳	الحاجر	۳۴ ″	۲۱ ر	۲۲ ر ″	الحاجر	
۱۴	سمیراء	۳۴ ″	۲۲ ر	۲۳ ر ″	×	
۱۵	توز	۲۰ ″	۲۳ ر	۲۴ ر ″	×	
۱۶	فید	۳۱ ″	۲۴ ر	۲۵ ر ″	×	
۱۷	الاجفر	۳۳ ″	۲۵ ر	۲۶ ر ″	×	
۱۸	الخزیمیہ (زرود)	۲۴ ر ″	۲۶ ر	۲۷ ر ″	زرود	پہلے الخزیمیہ کا نام زرود تھا
۱۹	ثعلبیہ	۳۳ ″	۲۷ ر	۲۸ ر ″	ثعلبیہ	
۲۰	قبر العبادی	۲۹ ″	۲۸ ر	۲۹ ر ″	×	اس کو لطال بھی کہتے ہیں
۲۱	الشقوق	۲۹ ″	۲۹ ر	یکم محرم سنہ ۶۱ھ	×	
۲۲	زبالہ	۲۱ ″	یکم محرم	۲ ر ″	زبالہ	

نمبر شمار	منزل	فاصلہ	آمد	روانگی	بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۲۳	القاع	۲۴ عربی میل	۲ ر محرم	۳ ر محرم	×	
۲۴	عقبہ	۲۴ ″	۳ ر ″	۴ ر ″	×	عقبۃ الشیطان کہلاتا تھا اب نقشوں میں ہے۔
۲۵	واقصہ	۲۴ ″	۴ ر ″	۵ ر ″	شراف	واقصہ سے چند میل کے فاصلہ پر شراف ہے۔
۲۶	القرعا	۲۴ ″	۵ ر ″	۶ ر ″	×	
۲۷	المغیثہ	۳۲ ″	۶ ر ″	۷ ر ″	×	
۲۸	قرب قادسیہ براہ العذیب اور رواکسی	۳۴ ″	۷ ر ″	۸ ر ″	قادسیہ	
۲۹	ذو حسم		۸ ر ″	۹ ر ″	×	
۳۰	قصر مقاتل	۵۴ ر ″	۹ ر ″	۱۰ ر ″	×	
۳۱	کربلا	.	۱۰ ر ″	—	×	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ــــــــ ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ــــــــ ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ ایف برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطاریں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[1] ہوتی ہے ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑ سکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں"

(حاشیہ ص ۳۴۴ ج ۲ سفرنامہ برٹن)

---

[1] ایک جغرافیائی میل، خط استوا پر طول البلد کا ایک دقیقہ = تقریباً ۶۹/۶۰ تا ۳۳/۳۰ انگریزی میل۔

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتونی مؤلف "رحلۃ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے خدیوں مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیرِ سرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین وحسن طباعت ونقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعۃ الواحدۃ اربعۃ کیلومترات ص۳۴	ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر (کی مسافت) ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔

ایک کیلومیٹر ⅝ میل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنے ۲½ میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی علاقہ، ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر ہی پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد وبعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا۔ اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہوں گی، سفر جتنا طویل ہوگا، سامانِ قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے۔ خواتین واطفال کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے ان سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے تقریباً ساڑھے نوسو انگیزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کے اوسط سے کم سے کم بتیس اکتیس دن کی مدتِ سفر ضرور ہونی چاہیے اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات سے ہے غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہونچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

واقعاتِ دورانِ سفر

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مورخین اخبار الطوال وطبری وابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے لکھا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہونچے بالفاظِ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۳۸ عربی میل کا فاصلہ طے کرکے جب اس منزل پر پہونچے انھوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہلِ کوفہ کو بھیجی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی اخوانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من المؤمنین والمسلمین سلام علیکم۔ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔ اما بعد۔ فان کتاب مسلم بن عقیل جاءنی یخبرنی فیہ بحسن رایکم واجتماع ملئکم علی نصرنا والطلب[1] بحقنا فسالت اللہ ان یحسن لنا الصنع وان یثیبکم علی ذالک الاجر وقد شخصت الیکم من مکۃ یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ فاذا قدم علیکم رسولی فاکتموا امرکم وجدوا فانی قادم علیکم فی ایامی ھذہ ان شاء اللہ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(ص۲۲۳ ج۲ طبری) و

(ص۱۶۸ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

مومنین ومسلمین کے نام سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق[1] کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم لوگوں کو اس پر اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کے لئے مکہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں جب میرا قاصد تمہارے پاس پہونچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جدوجہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہونچ جاؤنگا ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا نہیں اتوار کا دن تھا یعنی یکشنبہ کون صحیح العقل باور کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ جن کی مدد سے سنہ ۱ ہجری سے

[1] یہ طلبِ حق "طلبِ خلافت" ہی تو تھا جس کسی نے یہ مکتوب وضع کیا ہے وہ بھی اس سفر کے مقصد کو طلب خلافت وحکومت ہی جانتا تھا سچ ہے حق برزبانِ جاری۔

موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون دن تھا۔ اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔ ابو مخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برآمد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل ہی قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۰ھ کے ماہِ ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہٰذا یومِ روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضۂ حج روانہ ہوئے اور تیئس ۲۳ منزلوں کی مسافت بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہونچے یا پہونچ سکتے تھے اس سے پہلے نہیں۔ ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر منع آب اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اوّل تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزل کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹ کے ۸ ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضۂ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا ازالہ اشتباہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اس کی بھی تصدیق کرا لی جائے چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مورخین نے روایت پرستی کی بناء پر اسے اپنی کتابوں میں من وعن

نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر "یوم الثلاثاء الثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویہ" (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یوم ترویہ تھا) ان تشریحی الفاظ نے راویوں کی اس غلط بیانی کو بالآخر روزِ روشن کی طرح آشکارا کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار کا تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس طرح کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور جنتریاں موجود ہیں اور بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابو مخنف کی اسی قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

ابو مخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کوفہ پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں مقام قادسیہ پر گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا گیا جس نے انھیں اعانت جرم کی پاداش میں مروا ڈالا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہنچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور کے پاس اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمالِ حکومت کے قبضے میں آگیا ہوگا۔ کوفیوں کے پاس تو پہونچنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستر اسی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی ہو جانے کے بعد ابو مخنف کو کیسے دستیاب ہو گیا مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من الحسین بن علیؓ الی اخوانہ من المومنین والمسلمین سلام علیکم" سے لے کر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کر دیا۔

ابو مخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں بلکہ عبداللہ ہی گرفتار ہو کر گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے

مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن یقطر مکتوب حسینؓ را برآورد دپارہ پارہ کرد وچناں صبا ساخت کہ ازاں بہرہ نتوانست یافت۔

عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو (اپنی جیب سے) نکال کر پارہ پارہ کر دیا اور ایسا چور چور کر دیا کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

(ص۲۱۶ ج ازکتاب دوم)

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کر دیا جواباً کہا۔

ازبہر آنکہ تو اندانی وراں چہ نگاشتہ اند
(ص۲۱۴ ایضاً)

اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر کیا تھا۔

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دم زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزوق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاعات مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہونچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمال حکومت کے ہاتھوں نہ پڑ جائے اور اگر بفرض محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں مکہ سے اپنی روانگی کی یہ غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ انھوں نے ایسا خط بھیجا یہ ساختگی ان ہی راویوں کی ہے۔ کیونکہ انہی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر سے کرادی جائے وہ اس طرح پوری کرلی گئی مگر "یوم الثلاثہ" (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس

ساختگی کو عرصۂ بعید و مدتِ مدید کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

ان راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا قیاس بھی اسی سے بآسانی کیا جا سکتا ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ان مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں۔ تاہم چند امور مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد، برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار

مورخین کا بیان ہے کہ مسلمؒ کے قتل ہو جانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:

واتصل بہ خبر قتل مسلم بن عقیل فی الطریق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذٰلک۔

(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر جب راستہ میں ملی انھوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول ہو جانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لاخیر فی العیش بعدھما (ص۱۶۸ ج البدایہ والنہایہ) یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مورخین نے مسلم کے بھائیوں کے لبند ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال لہ (ای الحسین) بنو عقیل لا نرجع واللہ ابداً او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا۔

(ص۱۱۰ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوش انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابن عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کرکے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مورخین نے بالصراحت بیان کیا ہے۔ کہ دو اسدیوں نے مسلمؒ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیش نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے لیس لک بالکوفۃ ناصر ولا شیعۃ

(ص۲۲۵ ج۶ طبری)

یہ سنتے ہی برادرانِ مسلمؒ جوش انتقام میں اٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذلک بنو عقیل بن ابی طالب (ص۲۲۵ ایضاً) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے وقد خذلنا شیعتنا (ص۲۲۶ ج۶ طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ حزینہ ہی پیش نہ آتا۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے ...

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد وفرمودہ مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چندکہ توانیم در طلب خوں او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود از پس ایشاں تن آسانی در زندگانی نیست۔

(ص۲۱۶ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)

(مطبوعہ ایران)

حضرت حسینؓ نے فرزندانِ عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کرلیں گے جو انھوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابو مخنف، طبری اور البدایہ والنہایۃ میں بھی ہے۔ اخبار الطوال نے جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے

کے بعد ہی پہونچ گیا تھا جنھوں نے قتل مسلمؒ خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؒ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں:-

فقال بنو عقیل وکانوا معہ ما لنا فی العیش بعد اخینا مسلم حاجۃ ولسنا براجعین حتی نموت فقال الحسین فما خیر فی العیش بعد ھولاء وسار فلما وافی زبالۃ وافاہ بھا رسول محمد بن الاشعث وعمر بن سعد بما کان سألہ مسلم ان یکتب بہ الیہ من امرہ وخذلان اھل الکوفۃ ایاہ، بعد ان بایعوہ۔

(ص۲۳۱ اخبار الطوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو ان کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہ لوٹیں گے حتیٰ کہ اپنی جانیں دیدیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہونچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہو جانے سے پہلے) ان لوگوں سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہل کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کر کے غداری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہل خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی بن الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنی۔

ان بنی عقیل قالوا! واللہ لا نبرح[1] حتی ندرک ثارنا او نذوق ما ذاق اخونا (ص۲۲۵ ج طبری) و (ص۱۶۹ ج البدایہ والنہایۃ)	فرزندانِ عقیل نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم کی ضد تو جذبۂ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسین کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہونچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ ساتھ آرہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مورخین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فقال لہ بعض اصحابہ انک واللہ ما انت مثل مسلم بن عقیل ولو قدمت الکوفۃ لکان الناس اسرع الیک (ص۲۲۵ ج۶ طبری)	ان سے (حسین رضؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کہاں آپ کہاں مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں۔ اپنی دانست میں حضرت حسین رضؓ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا "حق" لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ایسی حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو پھر ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے حصولِ مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پا لیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ

---

[1] طبری کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

مشوروں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر انھیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مورخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کر لینا بے محل نہ ہوگا۔

"مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسین رضؓ بمعیت عبداللہ (ابن الزبیر رضؓ) مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہو گئے تو ان کو [illegible] سے بے انتہا خوشی ہوئی ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر [illegible] درت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے، اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد پر قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسین رضؓ کے دور اندیش دوستوں نے للہ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسین رضؓ نے حبِ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قسمت کے سامنے بالآخر انھوں نے سر جھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ (قتل مسلم کے) مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسین رضؓ کو اس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے ان کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر ان کے اہل خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے ان کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کو یقین تھا کہ

پھاٹک پر جا موجود ہوں گے اہل شہران کے مقصد کی خاطر ہتھیار سنبھال لیں گے"۔

(ص ۴۶ تاریخ مسلمانانِ اسپین - مؤلفہ رینہارٹ دوزی
ترجمہ فرانسس گرفن - مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۱۳ء)

نئے گورنر کوفہ کو احکام وہدایات

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے وہ ادھر کا رخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے عبید اللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ انھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجدِ کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں:۔

اما بعد - فان امیر المؤمنین اصلحہ اللہ ولانی مصرکم وثغرکم وامرنی بانصاف مظلومکم واعطاء محرومکم وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم وبالشدۃ علی مریبکم وعاصیکم وانا متبع فیکم امرہ ومنفذ فیکم عہدہ فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البر وسوطی وسیفی علی من ترک امری وخالف عہدی فلیبق امرؤ علی نفسہ الصدق ینبئ عنک لا الوعید (ص ۲۰۱ ج ۶ طبری)

(حمد و ثنا کے بعد کہا) امیر المؤمنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کرے۔ تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں ان کے فرمان کو نافذ کروں گا تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجا لائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات جیت سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہتا ہے وہ میں کر گذروں گا اور تم دیکھ لوگے)

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے ان تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصّہ لینے کا شبہ تھا۔ سردارانِ قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ ان تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ مورخین نے امیر المؤمنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع برید نہیں کی گئی تو وہ فرمان یہ تھا۔

قد بلغنی ان الحسین قد توجہ الی نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس وحبس علی الظنۃ وخذ علی التہمۃ غیران لا تقتل الا من قاتلک واکتب الی فی کل ما یحدث من خبر۔ والسلام۔
(ص ۲۱۵ ج ۶ طبری)
(ص ۱۶۰ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

مجھے اطلاع پہونچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو انھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو انھیں گرفتار کر لو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔
والسلام

مضمون فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ ردّ و بدل بھی کیا گیا ہو کیونکہ ابو مخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کریگا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمران اپنی مملکت میں بہبودِ عامہ کی خاطر امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظ ما تقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ وجدال میں سبقت یا پہل نہ کرے۔ دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ "غیران لا تقتل الا من قاتلک" سے ان تمام وضعی و مکذوبہ روایتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان

کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائد ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کر کے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں مورخین نے حضرت مروانؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی رد و بدل نہیں ہوا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

تکتب مروان الی ابن زیاد:
اما بعد ۰ فان الحسین بن علی بن فاطمة توجه الیك وفاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم وتالله ما احد یسلمه الله احب الینا من الحسین فایاك ان تهیج علی نفسك ما لا یسده شیئ ولا تنساه العامة ولا تدع ذکرہ آخر الدهر۔ والسلام

(ص۱۶۵ ج۸ البدایہ والنہایہ ص۲۱۳ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروانؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد تمہیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمہاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو وہ) بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خدا کی قسم حسینؓ سے زیادہ (خدا ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ و غضب میں ایسا کوئی فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام امت فراموش نہ کرے اور رہتی دنیا تک ذکر نہ بھولیں۔
والسلام

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؓ کو کیسی الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروانؓ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو ان کی گردن اڑا دو ان کی الفت و محبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؓ نے ان کو دیا تھا

ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت مروانؓ کے اس خط کو امیر المومنین یزیدؒ کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ حضرت مروانؓ کی اولاد و احفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت و مودت کا نہ کہ عناد و مخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا

بعض ثقہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا، حضرت حسینؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مورخ و نسّاب مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں۔

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذلک فسار حتی قارب الکوفة فلقیه الحر بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد ادخاله الکوفة فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویة [1] فلما صار الی کربلا منعوه من المسیر واراده علی دخول الکوفة والنزول علی حکم عبید الله بن زیاد فامتنع واختار المضی نحو یزید بالشام۔

(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ طبع اول)

(مسلم کے قتل کی خبر سن کر حسینؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندان عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہونچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہونچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ لے جانے اور عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور

---

[1] لعن کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔

یزیدؒ کے پاس ملک شام چلا جانا پسند کیا

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح اِن الفاظ میں کی ہے۔

اذا خرجت من القادسیہ ترید الشام ومنہ الی قصر مقاتل ثم القریات ثم السماوۃ (ص۱۲۵ ج۱ مطبوعہ لیبرک ۱۸۶۶ء)

جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کرے تو وہاں سے قصر مقاتل جائے پھر قریات دارض طف) پھر سماوہ

ابو مخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ والعذیب کے راستہ سے مڑ کر آپ ذوحسم وقصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے حضرت ابو جعفر محمدؒ (الباقرؒ) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اگرچہ اس وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہوگی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنیں ہوں گے۔ حضرت موصوف سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا)

حدثنی مقتل الحسینؓ حتی کانی حضرۃ (ص۲۲۰ ج۶ طبری)

حضرت موصوف نے مقتل حسینؓ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

فاقبل الحسین بن علی بکتاب مسلم بن عقیل کان الیہ حتی اذا کان بینہ وبین القادسیۃ ثلاثۃ امیال لقیہ الحر بن یزید التمیمی فقال لہ این ترید قال ارید ھذا المصر قال لہ ارجع فانی لم ادع لک خلفی خیرا ارجوہ فھم ان یرجع وکان معہ اخوۃ مسلم بن عقیل فقالوا واللہ لا نرجع حتی نصیب ثارنا او نقتل فقال لا خیر فی الحیاۃ بعدکم فسار فلقیہ اوائل خیل عبید اللہ فلما رای ذلک عدل الی کربلاء۔

(ص۲۲۰ ج۶ طبری)

حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؒ کا خط پہونچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہو کر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں حر نے کہا کہ آپ لوٹ جائیے وہاں آپ کے لئے کسی بہتری کی مجھے امید نہیں ہے۔ اِس پر آپ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمؒ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے انھوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لیں یا ہم بھی سب قتل نہ ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہو گئے اتنے میں عبید اللہ کے لشکر کا ہراول سامنے آ گیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔

حضرت ابو جعفر محمد (الباقرؒ) کی اس روایت سے بھی صاحب عمدۃ الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مڑ گئے تھے جو کربلا ہو کر دمشق جاتا تھا۔ آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا آپؓ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں کہ:۔

حسینؓ از طریق عذیب وقادسیہ راہ بگردانید وبجانب چپ روان شد

(ص۲۲۲ ج۶ از کتاب دوم)

حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔

قادسیہ وعذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل وقریات طف ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماعِ اُمّت کی اہمیّت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہونچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ

امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے پامل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لئے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیجدیا جائے، تاکہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ) طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنٰے تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں، شیعہ مورخین و مولفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص۲۳۷ ج ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے۔

او یاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہ فی یدہ فیما بینہ وبینہ فیری رایہ فی ہذا لک رضی، وللامۃ صلاح۔

(ص۲۳۴ ناسخ التواریخ جلد ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اس میں صلاح امت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔

آج کل کے بعض مورخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت سے متفق علیہا ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع کرلینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ کیا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔ اقدامِ خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر ابھارنے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسنؓ کے منشار کے مطابق، خیرخواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی امت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالمِ اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر و مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مطہرہ حبیبہ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہوسکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور مال بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔

جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائمِ آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست

میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کے لئے ازواج مطہرات رض وعصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حقدار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانونِ وراثت میں ہرگز درست نہیں اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعم باطل کے جائز "حقداروں" کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزید رح کو حضرت حسین رض کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ہے ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علی رض (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے، امیر المومنین یزید رح نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسین رض کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہارِ تاسف وتعزیت کیا تھا۔

پھر یزید رح نے ابن الحنفیہ رح کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

حسین رض کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسین رض کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا کہ انھوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسین رض کی کرتے ہیں بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندان علی رض کو عزت وحرمت حاصل نہ ہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں سن کر ابن الحنفیہ رح نے کہا:۔

"خدا تمہارا بھلا کرے اور حسین رض پر رحم فرمائے اور ان کے گناہ کو معاف کرے

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسین رض اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسین رض کے بارے میں ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزید رح نے جواب دیا۔

"میرے چچیرے بھائی! میں حسین رض کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دکھے۔"

(انساب الاشراف بلاذری ج ۴)

حضرت حسین رض کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی، موافقین نے ان کو معصوم عن الخطا ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر ان کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کا اس بارے میں جو رویہ رہا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَربَل وکَربَلَۃ معنی وتلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں کربلاء ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں:۔

کَربَلاء بالمد۔ فاما اشتقاقہ فالکربلۃ۔	کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلہ سے ہے۔

(ص ۲۲۹ ج معجم البلدان)

غَربَل اور غَربَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطۃ (ص ۸۲ المنجد طبع بیروت)، اسی مولف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:۔

یحملن حمراء رسوبا الثقل ۔ قد غربلت وکربلت من الفضل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلاء کہلاتی تھی جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم وملائم زمین تھی نیز جو قریہ مذکور کی

فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بناء پر کربلاء کہلاتی تھی۔

ان تکون ھذہ الارض منقاۃ من الحصی والدخل فسمیت ذالک (ص۲۲۹ ج معجم البلدان)
اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ نام بھی پڑا کر غلہ پچھوڑنے کی زمین تھی،

فصل غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پچھوڑنے یعنی بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کے لئے بھی مکرّبلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکربلاً (ص۶۸۷ المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے ہوئے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلاء کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے:۔

ویقال کربلت الحنطۃ اذا ھزتھا ونقیتھا فی صفۃ الحنطۃ۔
گندم کی طرح سے جب غلہ پچھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطۃ۔

(ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحماض کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عتبہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے ان کے کاسنی جیسے۔

والکربل اسم نبت الحماض فیجوز ان یکون ھذا الصنف من النبت یکثر نبتۃ ھناک فسمی بہ۔
اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اگتی تھی اس لئے بھی اس کا (کربلاء کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔

(ص۲۲۹ ایضاً)

غرضیکہ ارض کربلاء جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلاء کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے ابو دہبل[1] الجمحی نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہوجانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے۔

الا ان قتلی الطف من آل ھاشم — اذلت رقاب المسلمین فذلت

[1] اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔
ان قتیل الطف من آل ھاشم — اذل رقاب من قریش فذلت

یوم کربلاء کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل وشہید الطف" مثلاً:۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمھما الحسین یوم الطف (ص۲۰ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)
لیکن عون ومحمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؓ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندان علیؓ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند ان کی حیات میں فوت ہو گئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ مقام طف میں حضرت حسینؓ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:۔

وقتل منھم بالطف ستۃ (ص۲۱۵)
اور ان میں سے چھ۔ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔

عباس بن علیؓ کے ذکر میں کہتے ہیں۔

والعباس شہید الطف۔ (ص۳۵۶)
اور عباسؓ (مقام) طف کے شہید

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

قتل بالطف
(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

(ص۶۱ جمہرۃ الانساب)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

کان مقتل الحسین بمکان من الطف یقال لہ کربلاء۔
یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

(ص۱۸۹ ج۸ البدایہ)

غرضیکہ فصل غلہ پچھوڑنے کا میدان (کربلاء) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز و شاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔ صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:۔

والطف۔ ارض من ناحیۃ الکوفۃ فی طریق البریۃ فیھا کان مقتل
اور الطف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے

الحسین بن علی وھی ارض بادیہ	جہاں حسینؓ بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔
من الریف فیھا عدۃ عیون ماء	یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب و زرخیز
جاریۃ منھا الصید والقطقطانۃ	اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد
والرھیمیۃ وعین جمل و ذواتھا	چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید
(ص۱۵ ج۶ معجم) البلدان یاقوت حموی	والقطقطانہ رہیمیہ اور چشمہ جمل اور ان کے
مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء)	مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل و عریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لا سکیں (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کرتے تھے۔ "وسمیت عین الصید بکثرۃ السمک الذی کان بھا (ص۱۵ معجم البلدان)

اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہِ قادسیہ والعذیب لوٹتے اور ملکِ شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گذرتا گیا تھا، ارض الطف کو "طف الفرات ای شاطی" کہتے تھے (ص۱۵ معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم زمین تھی۔

ان تکون ارض ھذہ الموضع (کربلاء)	اس مقام (کربلا) کی زمین چونکہ ملائم
رخوۃ فسمیت ذلک۔	تھی، اس لئے اس نام سے کربلاء موسوم
(صفحہ ۲۲۹ ج۷ معجم البلدان)	ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ کربلا کی زمین غلہ بچھوڑنے کے کام آتی تھی، کنکروں روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بناء پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلاء مشتق ہے اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مولف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین و مددگار نہیں رہا مسلم اور

ان کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ (وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مڑ گئے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لئے۔ قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا یہی شیعہ مولف لکھتے ہیں کہ جب انھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کا حکم ماننے کو کہا گیا تو انھوں نے منع کیا اور یزیدؒ کے پاس چلے جانا پسند کیا فامتنع واختار المضی نحو یزید (ص۱۹۱ ایضاً) اب دیکھئے اسی بات کو ابومخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے۔ اور کیسی مسخ صورت واقع کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جب حسینؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اس نے بھی ایک قدم بھی نہ اٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا، اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اترتے رہے مگر ان سب کا یہی حال ہوا کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے، تو لوگوں نے کہا غاضریہ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا نینوا پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا شاطی الفرات پوچھا اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے کہا کربلا۔ یہ سن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب و بلاء اب یہیں اتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے یہیں ہمارا خون بہے گا یہیں ہماری عزت و حرمت لٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے۔ یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے۔ اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا۔ آپ کا قول غلط نہیں ہو سکتا (مقتل ابی مخنف ص۴۹)

کربلا سے کرب و بلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیوب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی کس طرح حضرت حسینؓ سے

منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ماقبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ پھر دور دہور دلدل میں تبدیل ہوکر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے بعد تین مشہور شہر اس نواح میں اجڑے اور بسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدانیوں کا بابل، بنو کندہ کے الحارث کا انبار اور لخم کا الحیرہ اس کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا۔ جس کی مضافاتی زمین کربلاء تھی۔

"عرب ومشرق بعید" کے لائق مؤلف[1] نے مسٹر ہرتھ (HIRTH) ایک محقق کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (TIAO-CHI) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداءً عربوں سے سابقہ پڑا تھا اہلِ ایران عربوں کو "تاجر" کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو "تاچی" کہنے لگے شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (CHI - چی) شامل تھا۔ عہد عتیق کے بعد جب الحیرہ آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مورخ المسعودی نے دریائے فرات کے رخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ جو بعد میں خشک ہوکر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ[2] کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلاء کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواح سے جہاں حیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلاء کا میدان بھی تھا کوسوں دور ہٹ گیا تھا کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر

---

[1] الیس اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی

[2] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۶ھ میں ہوئی تھی ایرانیوں کی افواج کثیر کی خبر سنکر حضرت فاروق اعظم رض نے بذات خود محاذِ جنگ پر تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عباس رض بن عبد المطلب اور بعض اکابر صحابہ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو

تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز وشاداب زمین تھی اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے "آب زلال وگوارا" یہاں بآسانی حاصل ہوسکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسین رض کا زمین کھود کر "آب زلال" نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مورخ فرماتے ہیں:-

آنحضرت تبرے برگرفت واز بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت آنگاہ زمین را باتبر لختے حفر کرد ناگاہ آبے زلال وگوارا بجوشیدہ اصحاب آنحضرت بنوشیدو مشکہا پُرآب کردند۔

(ص ۲۵ ج ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

آنحضرت (یعنی حسین رض) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال وگوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے

منع کیا حضرت علی رض نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علی رض کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی "وعرض علی علی اشخاص ناباہ" یعنی علی کو محاذ جنگ پر اسلامی افواج کی سپہ سالاری پیش کی اس پر انھوں نے انکار کیا اس پر حضرت فاروق اعظم رض نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعد رض بن ابی وقاص کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیر انداز ہیں "انہ رجل شجاع رام" (ص ۲۶۴ فتوح البلدان بلاذری) ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد رض بن ابی وقاص بھی ہیں ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعد رض راوی حدیث اور صاحب نسل ہیں الغرض حضرت علی رض کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر سیدنا خالد سیدنا سعید بن العاص سیدنا سعد رض اور ان کے فرزند عمر بن سعد رض سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابومخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مشک گھولا جائے (ثم امر بمسک فمیث فی جفنة عظیمة)

جب مشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمہ کے اندر نورہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے۔ (دخل الحسین ذلک الفسطاط فتطلی بالنورة) اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں۔ (دخلنا فاطلینا) یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔ اول تو یہ "نورہ"[1] لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا۔ ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم کے بالوں کو "نورہ" مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہڑتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا۔ بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک یہ بڑے کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابومخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ منہ پر چھینٹے مارنے کے لئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے منہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لئے قحط آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

---

[1] یعنی چونہ قلعی۔ چیزیست کہ برائے دور کردن موازبدن بکار برند و آں آہک زرنیخ بہم ساہیدہ است (غیاث اللغات)

سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محل وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا نا قابل تردید واقعات و حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو قحط آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور ان کے راوی

یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں، اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں [illegible] سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابومخنف [illegible] یحییٰ دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انھیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل و صفین و نہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابومخنف"، ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے "قال ابومخنف"، کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور طبری سے دوسرے مورخین نے نقل کیا اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابومخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ ان کا سنہ وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلئے۔

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص ۹۲) کہتے ہیں "لوط بن یحییٰ، ابومخنف کذاب" اسی طرح صاحب تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر "کذاب"، کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۸۶) سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص ۳۸۶) میں ابومخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط والکلبی "کذابان"، امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابومخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:-

لا یوثق بہ ترکہ ابوحاتم وغیرہ

کسی اعتبار کے لائق نہیں ابوحاتم وغیرہ ائمہ جرح وتعدیل نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

قال الدارقطنی ضعیف قال ابن معین لیس بثقۃ قال مرۃ لیس بشیٔ قال ابن عدی شیعیٌ محترق صاحب اخبارھم۔

دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن معین کہتے ہیں کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں مرّہ فرماتے ہیں کہ وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ توکٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابلِ اعتماد، دروغ گو بتایا ہے حتیٰ کہ تاج العروس شرح القاموس (جزء ۶ فصل المیم ۱۵۰۵) میں ابو مخنف کا" اخباری شیعی تالف متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ج ۱۷) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے " ھو کوفیٌ ولیس حدیثہ بشیٔ یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابو مخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے۔ ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ہشام۔

محمد بن السائب الکلبی ابوالنضر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:۔

کان الکلبی سبائیًا من اولٰئک الذین یقولون ان علیًا لم یمت وانہ راجع الی الدنیا ویملؤھا عدلًا کما ملئت جورًا۔
(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۲)

یہ الکلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے، جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے:۔

قال ابن معین الکلبی لیس بثقۃ وقال الجوزجانی وغیرہ کذاب

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ الکلبی لائق اعتماد نہیں جوزجانی وغیرہ ائمہ رجال کہتے ہیں:

قال الدارقطنی وجماعۃ متروک قال الاعمش۔ اتق ھذا السبائیۃ فانی ادرکت الناس یسمونھم الکذابین

وہ کذاب تھا۔ دارقطنی اور ائمہ رجال کی ایک جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔

اس الکلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل وکتابوں کا مؤلف بھی ہے۔ اس کا پورا نام ہے " ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابوالمنذر" ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

قال الدارقطنی وغیرہ متروک قال ابن عساکر رافضیٌ لیس بثقۃ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶)

دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال نے) اس کو متروک قرار دیا ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ رافضی ناقابلِ اعتماد ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ابو مخنف وھشام بن محمد بن السائب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم
(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳)

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہلِ علم کے یہاں مشہور ومعروف بات ہے

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع وقماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت وتوہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھیے تو ان کا سرمایہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کچھ کذب وافترا ہے کچھ کذب حق نما۔ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان وکما زادوا فیما یراد تعظیمہ من الحوادث وکما زادوا فی المغازی والفتوحات

اور جن لوگوں نے حسین کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے

وغیر ذلک والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منهم من هو من اهل العلم کالبغوی و ابن ابی الدنیا وغیرهما مع ذلک فیما یروونه آثار منقطعة وامور باطلة واما یرویه المصنفون فی المصرع بلا اسناد فالکذب فیه کثیر۔

بڑھا دیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۸)

یہاں داستان کربلا کی وضعی و من گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں کہ:

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔"

"مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم

سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لگد کوب سم اسپان کیا جانا، مستورات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (مجاہد اعظم ص ۱۷۱)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مؤلف خود ہی "غلط و مشکوک و ضعیف و مبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ابو مخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔ اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سن لیجئے جنھیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سنت کا امام قرار دے لیا ہے۔

ابن جریر طبری

ابن جریر جن کا پورا نام و سلسلہ نسب یہ ہے، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے اپنے مولد و منشاء آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک غالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجہ محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب اور ہجوگو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مورخ طبری کی بہن جریر کے گھرانے کی تھی وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے۔

بآمل مولدی و بنو جریر — فاخوالی ویحکی المرء خاله

آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔

[1] ابن اخت الطبری توفی سنة ۳۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین) کان الخوارزمی رافضیاً غالیاً فی مرتبة الکفر عالیاً (الوافی للصفدی)

فھا انا رافضی عن تراث وغیری رافضی عن کلالہ

تو سن لو میں وراثۃً رافضی ہوں اور میرے سوائے جو رافضی ہے وہ دور کے لگاؤ سے ہے۔

(معجم البلدان یاقوت حموی)

ابن جریر نے شیعہ اور سنی علماء سے استفادہ کیا تھا، طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک، خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلہ کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (البدایہ ۱۱ج ص۱۴۸) آیت تطہیر کے لفظ اہل البیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں پیش کر ڈالی ہیں

امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا، اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مضر نہیں۔ (میزان الاعتدال ۳ج ص۳۵) جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ان کا ظن کاذب ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ

کان یضع للروافض یعنے ابن جریر طبری رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انھوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص، آخران وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ "فیہ تشیع وموالاۃ لا تضر" یعنی ان میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔ ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر "لعن" تک تحریر ہے ان کی تاریخ کی جلد ۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے "من تاریخ الصحابۃ والتابعین تصنیف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری" اس کے ص۲۴ سطر ۲۵ پر "فی وسط خلافۃ

معاویۃ لعنۃ اللہ" لکھ مارا ہے اور ص۲۹ سطر ۱ پر "فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنھما اللہ" درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم C. Rieu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر طبری کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سنی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظر استحسان نہیں دیکھتے کہ مورخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ وفاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام وصلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں (ص۴۰۳ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم) ان کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو ان کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔

خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمۃ الاسلام" کہتے ہیں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

ودفن فی دارہ لان بعض عوام الحنابلۃ ورعاعھم منعوا من دفنہ نھاراً ونسبوہ الی الرفض۔

(البدایہ والنہایہ ۱۱ج ص۱۴۶)

اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی، یعنی رافضی بتایا۔

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھیں، آج بھی ان کی تالیفات کا وقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت وتفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہ کا سیاسی اختلاف رہا ان کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر وبیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سب وشتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابو مخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوے فیصد روایتوں کا راوی ہے۔

اس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مورخین نے بلا کسی استفسار کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابو مخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری وعیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ $\frac{\text{س} + \text{ل} + \text{د}}{۷}$ یعنی جس سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو 'س' سے ظاہر کیا گیا ہے 'ل' لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک آئے ہوں۔ 'د' سے مراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی "رس نیوا تھیلنک (انگلش ایڈیشن)

مثال ۱:- کربلا کا واقعہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا۔ کلیہ میں 'س'، 'ل' اور 'د' کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹، اور ۲۸۴ درج کر کے ان کے مجموعہ کو (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی (۵) آتا ہے۔ سنیچر سے (۵) دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے، یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو تیوار تھمیٹک دل محمد ایم اے) روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا لیکن اب جو صدی (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں

مندرجہ ذیل جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ و سال درج ہیں ان میں ایسی ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ نہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی۔ تقویم ہجری وعیسوی نیز کلیہ حساب کی رو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ کا جو دن آتا ہے آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں مورخ طبری اور دوسرے مورخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں:-

وکان خروج الحسين من مدينه الى مكة يوم الاحد لليلتين من رجب سنة ستين ودخل مكة ليلة الجمعة لثلاث مضين من شعبان فاقام بمكة بقية شعبان ورمضان وشوال وذيقعدة وخرج من مكة لثمان مضين من ذى الحجة يوم الثلاثا يوم التروية

(ص۲۲ ج۶ طبری و ص۱۵۸ ج۸ البدایہ والنہایہ)

حسینؓ مدینہ سے یکشنبہ کے دن ۲۸ رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے پھر بقیہ ماہ شعبان و رمضان و شوال ذیقعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ ذی الحجہ سہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:-

حسین علیہ السلام یکشنبہ بست وہشتم رجب از مدینہ بیرون شد در روز جمعہ سیم شعبان وارد مکہ گشت۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ہشتم ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم بر ابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ

ل راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اردو (ہند دہلی) کی شائع کردہ تقویم ہجری وعیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابو النصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ویسٹن فیلڈ کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کارآمد و مستند تقویم ہے۔

یوم عرفہ بود شہید گشت۔ (ص ۲۰۷ ج از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ر محرم بتاتے ہوئے ص ۲۲۵ پر لکھتے ہیں کہ

"ایں واقعہ در روز پنجشنبہ دوم شہر محرم الحرام بود"

مورخ طبری بھی حضرت حسین رضؓ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ثم نزل (ای العقر) وذلک یوم الخمیس وھو الیوم الثانی من المحرم سنۃ ۶۱ھ (ص ۲۳۲ ج ۶ طبری)	پھر (العقر) کے مقام پر اتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔

مورخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ مختلف و متضاد ہیں کہ کسی طرح لائق و قابل یقین نہیں۔ بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسی نوے ۹۰ برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ورنہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ واقفان حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مولف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ "سروان اہلبیت سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ان سے کوئی واقعہ ضروری نہیں۔ جس شخص نے جیسا سنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط تفریط سے مسخ کر دیا۔" (ص ۱۷۶)

سچ ہے حق برزبان جاری۔ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔

جدول تاریخ و دن

تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابومخنف کی روایت سے بیان کی ہیں						صحیح دن از روئے تقویم و کلیہ حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق	
نمبر	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح یا غلط		
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	سنہ ۶۰ھ	۲۸ر رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ	۲ر مئی سنہ ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ر شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ	۹ر " "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ر ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ر ستمبر
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ر "	چہارشنبہ	"	دوشنبہ	۱۰ر "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ر "	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ر "
۶	العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ	سنہ ۶۱ھ	۲ر محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ	۲ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء
۷	حادثہ کربلا	"	۱۰ر محرم	جمعہ	"	چہارشنبہ	۱۰ر "

۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ کا ۱۰ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ہونا "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف کو بھی تسلیم ہے۔ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو از روئے تقویم و کلیہ حساب چہارشنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے ہے حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سنے اور معلوم کئے ہوتے جسے ان کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاحش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے ورق پر ہیں وہ کیونکر قابل وثوق ولائق یقین ہو سکتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ "شدید تعصب نے راہ اختیار کر لی ہو۔ وقد تطرق التعصب فی الواقعہ، اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں بھی سب راوی متفق و یک زبان نہیں ایک کچھ بیان کرتا ہے۔ دوسرا کچھ۔ مؤرخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا میں نہیں بلکہ نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں:۔

(۱) قال ابن سعد اخبرنا محمد بن عمر قال قتل الحسین بن علی فی صفر سنۃ ۶۱ھ وھو یومئذ ابن خمس وخمسین۔ (ص ۲۲۳ ج ۶ طبری)

ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا حسین بن علیؓ ماہ صفر سنہ ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔

(۱) فقدم (الحسین) العراق فقتل بنینوی یوم عاشوراء سنۃ ۶۱ھ۔ (ص ۲۲۳ ج ۶ طبری)

اور حسینؓ عراق میں آئے۔ اور روز عاشورہ سنہ ۶۱ھ کو مقام نینوی میں قتل ہوئے۔

خود ابو مخنف نے بھی نینوی میں حضرت حسینؓ کے اترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کے لئے۔ مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ اسی طرح بائیں جانب کو مڑتے ہوئے چلے یہاں تک کہ نینوی پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اتر پڑے۔" حتی انتھوا الی نینوی المکان الذی نزل بہ الحسین (ص ۲۳۲ ج ۶ طبری طبع اولی مصر)

دوسری جگہ طبری کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے لفظ ہیں۔ فقالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ یعنون نینوی انہوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ و اور اسی قریہ یعنی نینوی میں اتر جانے دو۔ یہ نینوی جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے وہ قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سیکڑوں کوس دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں کربلا کے قرب میں نینوی نام کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں۔ قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے۔ اسی کے مضافاتی میدان کربلا میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تواتر و اشتہار ہے خصوصاً اس وقت سے کہ معز الدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس بعد اسی نے ڈالی تھی شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "ماتم حسین" کا بانی مبانی معز الدولہ ہی تھا، وہ اس کے حال میں کہتے ہیں:۔

معز الدولہ:۔ یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم اور مقرر کی تھی:۔

(ص ۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیر لینز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

"مجاہد عالم" کے شیعہ مولف بھی عزاداری کی ابتداء ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بُوَیہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی۔"

(ص ۳۴۴)

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں

فی عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۲ھ) امر معز الدولہ بن بویہ بحی علی الحسین بن علی بن ابی طالبؓ۔	اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معز الدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص ۲۸۳ ج البدایہ والنہایۃ)

---

[1] حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں اسلام کی تاریخ میں بُوَیہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انہوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے انہیں عضو معطل بنا دیا تھا نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی تھی ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا لعنت ہو معاویہ پر لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا اور انہیں فدک نہ دیا، نیز اس پر جس نے حسنؓ کو ان کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔"
رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معز الدولہ نے

بہر حال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا، میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہیں لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ :-

جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ اکابر و وزراء اور سلاطین میں سے جو جو اپنے زمانہ میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو اس پر قادر نہ ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ اور موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، پھر تو اس واقعہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو دور دراز شہروں اور قدیم زمانہ میں گذرا ہو پس کیونکر

اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے صرف اتنا لکھوا دیا گیا، خدا کی لعنت ہو ان پر جنہوں نے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور لعنت ہو معاویہ پر۔"

[2] یہ ابتدا تھی ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا کہ عاشوراء کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں منہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں۔"

[3] پھر اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور بدلیات کا بانی یہی معز الدولہ تھا۔ عاشوراء کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ چلتی ہیں۔

اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔ جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے جہاں حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں دالیٰ آخرہ ،،

(صفحہ ۴۶۲ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں فھذا الامر لا یعلم حقیقۃ صنہ یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپرد قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی نقلی تصویر کشی کے لئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا تاہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابومخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابل اعتبار، حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں، کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابل تردید طریقہ پر ہو جاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس انگریزی اور آٹھ سو عربی میل کی سافت بعید دشوار گذار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس ۲۲ دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا ۲ محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت کے وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کونسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔ جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے

الغزالی متوفی ۵۰۵ھ کے زمانہ سے واقعہ کربلا کو چار سو برس کی مدت گذر چکی تھی۔

آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر ہے اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے راوی کو اپنے ذہنی سے پیش کرنا تھا۔ ولندیزی محقق دے خوئے (دے زخوی ڈی) نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:۔

> کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق اور چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں و دعوت ناموں) کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انہوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنا لیا اور واقعات نے بتدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا عمر بن سعد (رضؓ)، اور اس کے فوجی افسروں کو عبید اللہ (بن زیاد) کو حتیٰ کہ یزید (رح) کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔
>
> (صفحہ ۲۹ ج انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

کذب و افترا کی بدترین مثال

دے خوے جیسے آزاد اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں اور حضرت سعدؓ آنحضرت صلعم کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے، سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہ میں تھے جنہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ احد میں ان کی تیر اندازی پر نبی کریم صلعم نے ان سے فرمایا تھا۔

(یعنی اے سعد، تیر پھینکے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا پھر فرمایا۔ یہ میرے ماموں

(صفحہ ۱۰۶ المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں!

فاتح ایران تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی۔ حضرت علیؓ جب حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت کے قائم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بر صغار صحابہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری	عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔ یہ نبی
انہ ولد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے

(ص ۱۷۳ ج ۳)

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم صلعم کے چچا سید الشہدا حمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ ان صحابیوں میں تھے، جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ اور ان کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ سب صحبت یافتگان نبوی ہیں وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطنیہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیا بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعدؓ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو اہل عرب

کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم صلعم کے تعداد ازدواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جن میں بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو جس کی یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبید اللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؓ کے لئے لکھ دیا تھا

(ص ۲۳۲ ج ۶ طبری و دیگر کتب تاریخ) اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستبی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؓ کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں ان کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ پر بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کر دو یا اس کام کو انجام دو[۱]۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آ کر منظور کر لیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے ان کے منہ سے ہی کہلوا ڈالے:

---

[۱] ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر ابو مخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسین کا سر جو کوئی دکا ٹ کر میرے پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔ (ص ۵) پھر امیر عمر بن سعدؓ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا، انہیں حکم

ءاترك ملك الری والری منیتی	کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک
ام اصبح ماثوما بقتل حسین	رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسین رضؓ کے
وقتلہ النار التی لیس دونہا	قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل
حجاب وملك الری قرۃ عینی	کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی
	مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری
	آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے منہ سے کہلوا دیئے، لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

م ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کر دو۔ انجام دہی کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نا منظور ہوئی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو مہاجرین و انصار کی اولاد میں لوگ ابن سعد کے گھر میں داخل ہو کر ملامت کرنے لگے کہ میاں تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے اور تم حسین سے لڑنے جا رہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتل حسین رضؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں ابو مخنف نے تو آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کئے ہیں۔ جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند شعر کہلوا دیئے ہیں۔ آخر کا شعر ہے ؎

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسین کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہوگا

الغرض یہ ہے وہی روایت جس سے حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

(صفحہ ۵)

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا؟ ایک عجمی شاعر نے اصفہان و ہمدان و قم و رے ان چار شہروں کو دنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو "شاہِ بلاد" کہا ہے۔

معدن مردمی و کانِ کرم و شاہِ بلاد	رے بود رتے کہ چو رے در ہمہ عالم نہ بود

کیا تعجب "شاہ بلاد" کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مورخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا۔ خود ابو مخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر پر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انہوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔

(صفحہ ۲۰ ج طبری) یعنی امیر المومنین نے خدا ان کی بہتری کرے مجھے تمہارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔ جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) کے معاملات سے اس کا کیا تعلق اور واسطہ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی و عامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر و تبادلہ و برطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت

سلہ۵ وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام "سرجون رومی" سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا اس نے عبید اللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجین تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیر المومنین جو اپنے وہ سالہ زمانہ ولیعہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذاتِ خود واقف تھے ان کو محکمہ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی و عامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغہ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

کو ہوتا ہے خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انہوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں میں سے کسی کا تبادلہ کیا، کسی کو مقرر کیا، کسی کو خدمت سے سبکدوش کیا غرضیکہ والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعتہً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں۔؟

کہاں کوفہ کا عارضی والی گورنر اور کہاں رَے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر کا باختیار خود اجرائے فرمان! بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی کسی فتنے نے سر اٹھایا ہوتا تب بھی اک بات تھی، امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ رَے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سیکڑوں کوس دور واقع تھا، درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے رَے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی۔ اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے مسلم بن زیاد کو ان کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا انہوں نے بخارا، کر کانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کئے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا (ص۳۰۵ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ اپریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ، ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور ان کے جود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال ان اوراق میں آپ

ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کے لئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقعہ اور وقت مبنی موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دنباوند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا (ص۵۵ ج ۸ معجم البلدان) رَے سے سواسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا" والرے علیٰ جادۃ طریق خراسان (ص۵۲ کتاب البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گذر ہوتا تھا بہر حال موضع دستبیٰ میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا۔ یعنی باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم و نسق سلطنت استوار کرنے کی ایسی موثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستبیٰ کے لئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو رَے کی حکومت کا فرمان بھی باختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سن کر چونک پڑا۔ دستبیٰ والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا "پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رَے کی حکومت پر) چلے جانا" سر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا و بینہ سرت الی عملک (ص۲۳۳ ج ۶ طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں لیکن کسی راوی یا مورخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ "حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے

تو پھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جا کر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا بجائیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پالی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا "قرۃ عین" تھا اور اتنا محبوب کہ "قتل حسینؓ"، کا ارتکاب کر کے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی اس ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طرح گوارا نہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا یا اسے دیا گیا۔ کسی مورخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا۔ کب ہوا کیونکر ہوا۔ اور کس ذریعہ سے ہوا۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مورخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر فراہمی لشکر، موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کی جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے۔

کردار ابن زیاد

امیر عبیداللہ ابن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام رہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخلش تھی اور نہ بغض و عداوت، وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے ابن زیاد کی نیک نیتی کا ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم بن عقیلؓ نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعدؓ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ میرا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بھی بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں۔ مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی دو مخاصمت ہوتی تو مسلم کا یہ پیغام

ان تک کیوں پہنچنے دیتے۔ انہوں نے تو صاف کہدیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیر المومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھالی جائے وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چند باتیں تو اس لئے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقعہ واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بعد مسافت اور منازل و مراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؓ

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسین"، کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ انهما كانا التقيا مرارا ثلاثا او اربعا حسين وعمر بن سعد (ص۲۲۵ ج۶ طبری)

ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے۔

فان الله قد اطفاء النائرة و جمع الكلمة واصلح امر الامة۔	خدا نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور امت کی اس سے بہتری چاہی۔

(ص۲۲۵ ایضاً)

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مورخین نے نقل کی ہیں گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آچکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے۔

هذا كتاب رجل ناصح	یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے

لأميره ومشفق على قومه نعم قد قبلت۔	جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔
(ص۲۳۶ ج۶ طبری)	

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آ رہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انہوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں۔ ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں جار رنو وارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاء و سلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں، بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہونگے ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت تیرہ اجا کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوا کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا

قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؒ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔" آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب او ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلاتا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے، اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آ رہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ انہوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نا اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ:-

گورنر (کوفہ) عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔

(صفحہ ۱۱۶۲)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا۔ ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق برزبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تربتر ہو گئی ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے۔

قال فکانی انظر الیٰ دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علیٰ خدیہ ولحیتہ	(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر (بن سعد) کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بسبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔

(صفحہ ۲۵۹ ج ۶ طبری)

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر بھائیوں کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر

مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں۔

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسینؓ واخواتہ وجواریہ وحشمہ فی المحامل المستورۃ علی الابل۔	اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

(صفحہ ۲۷۰ سطر ۱۱۔ اخبار الطوال)

دلندیزی محقق دے خوے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" پر ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ خواتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بعد مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل روانگی کی صحیح تاریخ کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقہ الاولیٰ من اہل المدینۃ من التابعین تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل

عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابوحفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراھیم وابن ابنہ ابوبکر بن حفص وابواسحاق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزھری ویزید بن ابی جبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقہ۔ (ص۴۵۰ ج تہذیب التہذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابو اسحٰق السبیعی اور العیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزہری ویزید بن ابی جبیب وغیرہ نے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو قتل حسینؓ سے جب متہم کیا جانے لگا متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص۲۵۰) علامہ ذہبی کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثۂ کربلا کی صورت کذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثۂ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گذر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے بایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرۂ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں۔ ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں۔

جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحٰق[1] عمرو بن عبد اللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال وقتادہ بن دعامہ سدوسی ومحمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ خالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابو بکر[2] بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص ان اللہ فتح الشام والعراق فابعث من قبلک جنداً الی الجزیرۃ فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم وبعث معہ عمر بن سعد وھو غلام حدیث السن مکنار واہ یعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمہ بن الفضل عن اسحٰق وکان ذلک تع عشرۃ قال ابن فتحون من کان فی ھذا السنۃ بعث

راوی نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالے نے شام و عراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ ابن سعدؓ نے عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ اپنے فرزند عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت نو عمر تھے۔ اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انہوں نے ابن اسحاق

---

[1] یہ ابو اسحاق شیعہ اولی تھے اور روافض سے بیزار۔

[2] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ) میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علمی ابن فتحون برتر تھے (وھما متعاصران وثانیھما احسنھما) کشف الظنون میں ابوبکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

فی الجیوش فقد کان لا محالة مولودًا فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال ابن عساکر، هذا ایدل انه ولد فی عهد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم الی آخرہ ۔

(ص۲۲۲ ج الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ مصر)

سے روایت کیا ہے ۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے ۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سنہ میں فوج میں شامل کر کے بھیجا گیا ہو وہ لامحالہ عہد نبی صلعم کا مولود ہوگا ۔ ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے ۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ خلیل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے انہوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا توحجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا ۔ اسی سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے ۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے عہد نبوی میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابو بکر بن حفص بن عمر سعدؓ اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں ۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کر سکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا ۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا ۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں ۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ کی بیٹی کے بیٹے ۔ اس قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعد کو کسی طرح بھی متہم کیا جا سکتا ہے جو "قتل حسین" کے متعلق ان پر لگائے گئے ہیں کفر و زندہ کا

الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی ان پر عائد نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہو سکتی ہے کہ جس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوں ۔ جس ذاتِ اقدس سے یہ قرابت قریبہ ہو کہ ان کی دختر ۔ حضرت فاطمہ زہراؓ ۔ رشتہ میں ان کی پھوپھی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں ۔ ان ہی کے فرزند دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسہ ہوں، ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کے لالچ میں !!

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ کی حسینؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کر کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ سے مقاتلت کرنے میں ان کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دنیا میں "مطرد و ملعون" ہو جانے کے مرادف سمجھتے تھے ۔

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں :۔

چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت ۔ ۔ ۔ ۔

چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی ۔ ۔ ۔

(ص۲۳۴ ج از کتاب دوئم)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے :۔

اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز و خود را مطرد و ملعون دارین سازد ۔ ۔ ۔

(ص۲۳۶ ایضاً)

لیکن عمر بن سعد چونکہ حسینؓ سے قتال و جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دنیا میں اپنے کو مطرد و ملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے ۔

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سمجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنہیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرد کرنے پر مامور کیا تھا ۔ صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور

اس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آجانے پر بھی وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انہوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا ان راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں ۱۲ جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنہیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساتھ بیٹھ کوفیوں اور برادرانِ مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی لوبت آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہوگئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادرکشی سے روکتے رہے مگر بے سود۔ ابومخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات بیں خصوصًا نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی، یہ روائیتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط" بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو افسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بنایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بئیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے ابومخنف نے اسّی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

علمائے اخبار و مورخین آثار در شمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند

علمائے اخبار اور مورخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسین سے قتال و جدال کرنے کے لئے جمع

این جملہ را من بندہ یاد کردم و باسپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ و سہ ہزار در قلم آمد۔

(ص ۲۳ ج ۶ از کتاب دویم)

ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعد کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار تعداد قلمبند کی ہے۔

ان ہی مؤلف نے ابومخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسی ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔

ہمگان کوفی بودند و حجازی و شامی با ایشاں نبود (ص ۲۴۱ ایضاً) یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انہیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہیئے تھا مگر ان کو تو داستان ائی کرنی تھی نہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ علاقہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا۔ تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج و سپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہو سکتی تھی اس زمانہ میں تمام ایران و خراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا سنہ ۵۴ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان درے وغیرہ کے علاقے تھے چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا ازسرِ نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبید اللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہو جانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسّی ہزار فوجی اور ان کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد وغیرہ سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف الحصول تھا بلکہ ناممکن علمائے اخبار و مورخین آثار نے یہ نہ بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر مور شمار آخر کیوں۔ کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سو سوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لیے جن میں متعدد نوعمر تھے اور جدال و قتال

سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کو ان کی ان ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی ان کو تو امیر المومنین یزیدؒ ان کے عمال خلافت اور خاندان بنی امیہ کے خیالی ظلم وستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور غرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرتے تھے مثلاً یہ کہ:۔

بالجملہ (حسین) میزد و میکشت دمی افگند و لشکر از پیش روئے او چوں گورخراز شیرو گلہ از گرگ می رمیدند و در پہن دشت حرب گاہ می پراگندند تا ایں وقت بہ روایت ایں شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار و صد و پنجاہ کس از اں کفار را بیروں زخمداران با تیغ درگذانید (ص ۲۹۹ ج از کتاب دویم)

خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے۔ اٹھا پھینکتے تھے اور لشکری ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدان جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ایکہزار نوسو پچاس نفران کفار میں سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایکہزار نوسو ۱۹۰۰ سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکھٹے ۳۵ شعر اسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

لعلی الطہر من بعد النبی　　والنبی الہاشمی الوالدین
خیرۃ اللہ من الخلق ابی　　بعد جدی فانا ابن الخیرتین
والدی شمس و امی قمر　　فانا الکوکب وابن القمرین
امی الزہراء حقاً و ابی　　وارث العلم ومولی الثقلین

بھلا ان حسبی ونسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس وقمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمکدار ستارہ ہوں اس وقت موقعہ ہی کیا تھا حاشا

جنابہ! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لیکر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثیر کو قتل کر ڈالا "قتل منہم خلقاً کثیراً" (ص ۸۸) ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی مولف "مجاہد اعظم" نے آپ کے اور آپ کے رفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانا ہے" پھر کہتے ہیں کہ "اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار دوسروں کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے" (ص ۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر باری ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اٹھا نہ گیا" دھاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے" فبکی ابکاء شدیداً (ص ۸۹) ابو مخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:۔

واجداہ، وامحمداہ، واابتاہ واعلیاہ، واخاہ، واحسناہ واغربتاہ، واعطشاہ، وغرتاہ واقلۃ ناصراہ، اقتل مظلوماً وجدی مصطفے، واذبح عطشاناً وابی علی المرتضی اترک مھتوکاً وامی فاطمۃ الزہرا۔

(ابی مخنف مطبوعہ نجف ص ۸۹)

ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفےٰ ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے باپ علی مرتضیٰ ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مرد مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے یہ بین وواویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھئے۔

عمر بن سعدؓ اور ان کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں ان کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، بچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے (۱۹۵۰) لشکریوں کے لئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گذرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید حالانکہ طبری و دیگر تمام مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے۔ یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی، قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بعُد مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً وابتر بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ برادران مسلم اور ساٹھ بہنیٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر عاقبت نا اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان یہ ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض "لڑکے" سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ وہ اس وقت ۲۳ برس کے سن و سال کے صاحب اولاد تھے اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی "خوشخبری" سنانے کو

ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتح مند کیا" لابشرھم بفتح اللہ علیہ زمنہ ۲۶۲ ج طبری۔ حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں، یعنی ان کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ماموں سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی، ان ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں جن کو یہ "خوشخبری" پہنچانے کے لئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو صحابہ کرام اور ان کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کے بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی ۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے دو بیٹیوں کے نام حضرت موصوف کی دختر ام المومنین حفصہؓ کے نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابو حفص سے موسوم کیا۔ شاید ان کے نام "عمر" کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثر ان بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب بنا ہو ان تمام مبالغات اور وضعی و اختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے اہل خاندان کے موقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیر المومنین یزیدؒ اور بنی امیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں چنانچہ ابن سعدؓ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے

موقف علی بن الحسینؒ

حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اپنے جذبات و خیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ ان کے دھوکہ میں نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک آپ نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو جاتا ہے کہ یہ امت حضرت

علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اوّل سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا اور بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا آپ نے دمشق میں امیر المومنین یزیدؓ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصار یوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین زین العابدینؒ (ص۲۱۸ البدایہ والنہایۃ) اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنی کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھتے تھے (انساب الاشراف بلاذری جلد ۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری — واشرف القوم علی وادی القریٰ

یعنی جب فوج روانہ ہو کر وادی القریٰ پہنچ جائے تو ابو بکر (ابن الزبیرؓ کی کنیت ہے) کہدینا

اَجَمْعُ سکران من الخمر تری — ام جمع یقظان اذا حت السُرٰی

کیا اسے تم ایک شرابی بدعت کی جماعت سمجھتے ہو یا اس ہوشمندی کی جو لغاوت کرنیکو فوج بھیجتا ہے

واعجبا من ملحد واعجبا — مخادع فی الدین یقفو بالغری

افسوس و تعجب ہے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے پر جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی۔ اور فرمایا:۔

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ توقیر کے ساتھ بٹھانا وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔"
(طبری ج ۷ صفحہ ۲)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:۔

ان امیر المومنین امرنی ببرّہ واکرامہ (صفحہ ۳۹ جلد ۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیر المومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیر المومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ان کو دعائیں دیں اور کہا:۔ "وصل اللہ امیر المومنین" یعنی اللہ تعالےٰ امیر المومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے:۔

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابو جعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

سال یحییٰ بن شبل ابا جعفر یوم الحرّۃ۔ ھل خرج فیھا احد من اھل بیتک؟ فقال ماخرج فیھا احد من ال ابی طالب ولاخرج فیھا احد من بنی عبد المطلب، الزموا بیوتھم فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبۃ) وقتل الناس وسار الی العقیق سأل عن ابی علی بن الحسین احاضر ھو فقیل لہ نعم فقال مالی لا اراہ فبلغ ابی ذلک فجاءہ ومعہ ابو ھاشم عبد اللہ والحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیۃ) فلما رای ابی رحب بہ واوسع لہ علی سریرہ ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد اللہ الیک فقال مسرف ان امیر المومنین اوصانی بک خیرا

فقال ابی وصل اللہ امیر المؤمنین۔

"یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعۂ حرہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبد المطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادیٔ عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن الحسینؒ) کو پہنچی وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبد اللہ اور حسن فرزندانِ محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا۔ مسرف نے کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے کہا:

وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے

حضرت ابو جعفر محمد کے (باقر) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ والسیاسۃ کے شیعی مولف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وسال مسلم ابن عقبة قبل ان یرتحل من المدینة عن علی بن الحسین احاضر هو؟ فقیل له نعم فاتاه علی بن الحسین ومعه ابناه فرحب بهما وسهل وقربهم وقال ان امیر المومنین اوصانی بك فقال علی بن الحسین وصل الله امیر المومنین واحسن جزاءه (ج صفحہ ٢٣٠)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں۔ اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں علی بن الحسین اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے فرزند بھی تھے مسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے یہ سن کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے کہا کہ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور ان کو جزائے خیر دے۔

حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کی زبان سے امیر المومنین یزیدؒ کو "امیر المومنین" کہتے ان کو دعائیں دیتے سننا ناواقفوں اور "یزید دشمنی" کے ہزار سالہ پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے کچھ نئی سی بات معلوم ہو گی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔

"یزید کو امام و خلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (٦١۔ ٦٤ھ) میں با اختیار حکمران تھے، صاحب سیف تھے طاقتور تھے عزل و نصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے، حدود شرعی قائم کرتے تھے، کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ (حضرت) ابو بکرؓ (حضرت) عمرؓ (حضرت) عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔"

(ملخصاً منہاج السنۃ در رسالہ حسین و یزید)

زمانہ خلافت میں تو "امیر المومنین" سے مخاطب ہونا یا سرکاری کاغذات میں نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا جانا عام بات تھی، حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ انساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہو چکا ہے جس میں انہوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیر المومنین لکھتے تھے مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

"وولد معاویة امیر المومنین ... یزید امیر المومنین

(صفحہ ١٠٣)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابو الحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنہیں امام ذہبی نے احد الاعلام اور قد دقة روایة" اور ائمہ احادیث میں سے ثقہ و حجۃ

بلا نزاع" لکھا ہے (میزان اعتدال: جلد ۲ صفحہ ۲۶۱) یہ قول نقل کیا ہے۔ یعنی وہ فرماتے تھے کہ:

"توفی امیر المومنین یزید فی تاریخ کذا"

یعنی امیر المومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا۔ قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں۔

فسماہ اللیث امیر المومنین، بعد ذھاب ملکہم وانقراض دولتہم

یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی "امیر المومنین" کہتے تھے۔ جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا نام و لقب اس طرح لکھا ہے۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان بن حرب بن امیۃ بن عبد شمس امیر المومنین ابو خالد الاموی (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے۔ اس کی تکذیب میں باسناد صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔
(لسان المیزان)

حضرت علی (زین العابدینؒ) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے جرأت کے ساتھ بنی امیہ کے بعض اکابر کی امداد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؒ کی اہلیہ سیدہ عائشہ بنت حضرت عثمان ذی النورینؓ کی، ان کے گھر کے سازو سامان اور ان کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ ان سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے ان کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہ جب طائف جانے لگیں۔ اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیج دیا تھا (طبری)۔ حضرت علی (زین العابدینؒ) ان کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) ان کے دادا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہو اکارت دیکھا کرتے جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن الزبیرؓ

سے بیعت کر کے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص خون لینے والے) تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ کے مخالفت اور مد مقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی۔ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن الزبیرؓ کی بیعت سے انکار کرنے پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؓ۔ امیر المومنین عبد الملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہو گئے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال لما خلع اھل المدینۃ یزید بن معاویہ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ و انی لا اعلم احداً منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔

(صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد ۲ جزو ۲۹)۔

"حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؒ کی بیعت توڑ دی (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی

بیعت توڑدی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہوجائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں" باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه "یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہو کر اس کے خلاف کہنے لگے۔" غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا۔ اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیمان توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشے تھے۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن الزبیرؓ کے داعی او ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انہیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا۔

فقال ابن عمرؓ: انی لم اٰتک لاجلس اتیتک لاحدثک حدیثا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول. من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ له ومن مات ولیس فی عنقه بیعۃ مات میتۃ جاهلیۃ.

"ابن عمرؓ نے فرمایا، میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سنا دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا۔ اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت زین العابدینؒ اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ و فساد اور تفرقہ سے مجتنب۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے امیر المومنین یزیدؒ کے زمانہ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی امیہ کا زمانہ پایا یعنی امیر المومنین مروانؓ کا۔ ان کے فرزند امیر المومنین عبدالملکؒ کا اور ان کے فرزند امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح

وہ بھی ان تمام خلفائے بنی امیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعی مورخ بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علی زین العابدینؒ میں قدیم سے دوستی تھی اور رشتہ داری بھی۔ حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؒ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۸۰ والبدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسین زین العابدینؒ کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو ان سے ادا نہ ہو سکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں (البدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس محبت و مودت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی زین العابدینؒ کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں:- واحبهم الی مروان وابنه عبد الملک (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے بنی امیہ کے بارے میں بھی کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے وهو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانه ولد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیه وسلم (صفحہ ۲۵۷ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروانؓ) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی۔ ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیب وعروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علی زین العابدینؒ نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وقد کان مروان من سادات قریش و فضلائهم (۲۵۷ جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) یعنی (حضرت مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے اس زمانہ میں حضرت حسنؓ و حسینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق) بن محمد (باقر) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی زین العابدینؒ) سے روایت

کرتے ہیں:۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان (صفحہ ۲۵۸، جلد ۸، البدایہ والنہایہ)

یعنی: جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد علی زین العابدینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسن وحسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر "یا لثارات الحسین" (یعنی خون حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کرکے حضرت علی زین العابدینؒ اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا۔ اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علی زین العابدینؒ کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا۔ امیر المومنین عبد الملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا[۱] "ان المختار بعث الی بمائۃ الف فکرھت ان اقبلھا وکرھت ان اردھا فابعث من یقبضھا" یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آ کر لے لے۔

امیر المومنین موصوف نے جواباً لکھا:۔ "یا ابن عم لخذھا فقد طیبتھا لک فقبلھا" (صفحہ ۱۰۶، جلد ۹ البدایہ النہایہ) یعنی اے ابن عم! آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے۔ بس آپ نے اس کو قبول کر لیا۔

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور

۱؎ امیر المومنین عبد الملکؓ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحبِ اقتدار ہے اور نیازمندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین عبد الملکؒ اسے لینے کی اجازت نہ دے دیں۔

کرانا چاہتے ہیں امویوں کی دین دشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی امویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تاکہ ابن الزبیرؓ کے ہاتھوں امویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آ جائیں تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا۔

مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علی (زین العابدینؒ) حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ الٹی بات کیوں کی کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ نہ دیا مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا۔ امیر المومنین مروانؓ (امیر المومنین عبد الملکؒ) کی بیعت میں داخل ہو گئے[۲] جس کے نتیجے میں ایک صدی تک کے لئے تمام عالم اسلام امویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے اہل خاندان کے اس موقف سے روز روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور امویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی واموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت مودت تھی اور تعلقات مصاہرت تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی امیہ وبنی ہاشم

مشہور مستشرق دے خوئے۔ صفحہ … نے اپنے

۲؎ سیدنا ابن عباسؓ اگرچہ امیر المومنین عبد الملکؒ کی بیعت مکمل ہوتے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

عالمانہ ومحققانہ مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی امیہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک موقع پر لکھا ہے:۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی ومعصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے بنی امیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ومصون نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نلیت ونابود کر دیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات وتاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا برطانیکا: ج ۵۔ گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ وادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں اور ہم تک پہنچیں، بہ کثرت۔ روایات بنی امیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے بنی امیہ کو ظلم وستم، فسق وفجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔ مگر ان کتابوں کے مولفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی نہ ان کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔ نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جو اکثر وبیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں فاضل مقالہ نویس اگر ان وضاعین وکذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی امیہ کے مخالفانہ پروپگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے۔ اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مولفین ہیں، جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلاکسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مورخین نے۔ ابو مخنف لوط وغیرہ سبائی راویوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عمار الدہنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ بنی امیہ اور شامیوں کے خلاف سب وشتم وتہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا:۔

"ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا"

(نہج البلاغۃ: جز ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔ اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مولفین نے جو کتابیں تالیف کیں۔ اور راویوں نے روایتیں وضع کیں۔ ان میں سب وشتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ حتیٰ کہ ان ہی اہلِ شام کو یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو، جنہیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر وکافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت معاویہؓ اور بنی امیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں، جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی وکاتب وحی کو جنہیں قرآن پاک میں "کِرَامٍ بَرَرَۃٍ" فرمایا گیا ہے یعنی بڑی عزت اور بڑے پاکباز "اہل النار" میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا" ولکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً"

(صفحہ ۵۶۰۔ خطبہ ۱۹۵: نہج البلاغۃ)

سب وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا دستے خوئے کو ہوا، لیکن بنی امیہ کے خلاف کذب بیانی و

افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور امویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں اموی خلفاء اگر ایسے ہی تھے۔ جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں، فاسق و فاجر تھے۔ منافق و کافر، ظالم و سفاک تھے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے ۱؎

صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل:۔

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؓ کے عقد میں آئیں، جو امیر المومنین عبدالملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم: صفحہ ۸۰)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبدالملکؒ کے عقد میں تھیں

(البدایہ والنہایۃ: ج ۹ صفحہ ۶۹)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؒ بن کریز اموی کے فرزند

۱؎ دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں سب سے اہم چیز ہے حدیث و فقہ کی تدوین ہے، جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی ان کتابوں میں اموی صحابہ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ موطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک امویوں کی خلافت امت کے نزدیک متفق علیہا رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ میدان میں اس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خون ریز معرکے ہوئے ادھر خود عربوں میں تلوار چل پڑی حتیٰ کہ خود امویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

عبدالرحمٰن کو بیاہی گئیں (ص ۶۸ جمہرۃ الانساب بن حزم) یہ امیر عامرؒ اموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:۔

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسینہ و علویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے، مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس سخیفانہ طرز میں لکھا ہے۔ "خرجت الی الولید" (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی) اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:۔

وکان لزید (بن حسین بن علیؓ) ابنۃ اسمہا نفیسۃ خرجت الی الولید بن عبد الملک بن مروان فولدت لہٗ منہ وماتت بمصر وقد قیل انما خرجت الی عبد الملک بن مروان وانما ماتت حاملا منہ والاصح الاول وکان زید یفد علی الولید بن عبد الملک و یقعدہ علی سریرہ ویکرمہ لمکان ابنتہ ووھب لہ ثلثین الف دینار دفعۃً واحدۃً۔

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبدالملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبدالملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو بیک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں۔

(عمدۃ الطالب صفحہ ۶۴ طبع اول مطبع جعفری لکھنؤ)

بہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

ان جناب مولف نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر "اخرجت الی" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ ام کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ "واول فرج غصبت منا" (یعنی یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ معاذ اللہ۔

معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداء اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہوگیا تو وہ حیرت زدہ ہوکر کہتا تھا، ماسمعت ھذا قط (ص ۲۶۲ ج البدایہ والنہایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا۔ ورجع الی السنۃ ومتابعتہا (ص ۲۶۲ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت واتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اموی ومروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبدالملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحہ ۳۶) یہ زینب حضرت محمد (الباقرؒ) کی سالی اور عبداللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؓ مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکہ قتال وجدال میں شریک ہوکر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے۔ اور زخم مندمل ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؒ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے عثمانی واموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؓ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں

(جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ وکتاب المحبر صفحہ ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروانؒ بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ وصفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے ایک بھتیجے کے فرزند اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسمٰعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبدالملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے محمد الاکبر وحسین واسحٰق ومسلمہ پیدا ہوئے۔ (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس ۳۶ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ میں ۹ خاتونوں اور ام ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ ام ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم) شیعہ مورخ ونساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

لامیر المؤمنین فی اکثر الروایات ستۃ وثلاثون ولداً ثمانیۃ عشر ذکراً وثمانیۃ عشر انثیٰ (ص ۶۴)

یعنی امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں (صفحہ ۶۴)

دختران علی زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباسؓ اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۳) (تزوج منھن ایضاً عبدالملکؒ بن مروان (ص ۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان

ہیں (بنات علیؓ ہیں)، سے اسی طرح عبد الملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان رشتوں سے جو بنی امیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی امیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی وسماجی ومعاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ وحضرت حسنؓ کے یہ داماد علم وعمل وسیرت وکردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور "امام زادیاں" یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔ اب قلمی تصویر کا وہ رخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔

۴۰۰ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے خود تصنیف کرکے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کرکے شائع کتاب کئے ہیں ان میں سے متعدد خطبات میں عبد الملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں اور ... کی تنقیص ہیں، نیز ان لشکر کشیوں کے بارے ہیں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبد الرحمن بن الاشعث کے مقابلہ میں خلیفہ اموی نے کیں حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت موصوف کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس اموی خلیفہ عبد الملکؒ کو حضرت علی کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروان کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کئے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

کانی انظر الی ضلیل قد نعق بالشام الخ یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اس نے نواحی کوفہ میں اپنے علم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں۔ وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دنوں میں اس کے ظلم وستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور والم کی گزندگی

میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شگفتہ شتر مست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ وتار اور بحر متلاطم ومتواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر رہو۔ تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بنی مروانؒ) دوسرے گروہ (یعنی بنوعباس) سے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں [۱]

حضرت علیؓ کی وفات سے تینتیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبد اللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبد الملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبد الملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی۔ آپس میں محبت تھی۔

وقد کان عبد الملک یحب مصعباً حباً شدیداً وکان خلیلا له

---

۱ اہل تاریخ نے زوال خلافت امویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتح مندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چن چن کر اموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انہیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے امیر عبد الرحمن الداخل جنہوں نے ہسپانیہ میں اموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی دست برد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انہوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا۔ اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہسپانی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپیگنڈا کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں امویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم ومصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی امویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

قبل الخلافۃ (صفحہ ۳۱۶ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

(یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے)

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؓ جدال وقتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑدیں تو عراق کی حکومت پر فائز کر دیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکرکشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکن میں سخت رن پڑا۔ اموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن امیر معاویہؓ کے فرزند عبداللہ کر رہے تھے اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن امیر یزید بن امیر معاویہؓ۔ مصعب کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن امیر یزیدؒ نے سخت حملہ کرکے قتل کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعب ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کو امان دیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی: ان مثلی لا ینصرف عن ھذا الموضع الا غالبا او مغلوبا۔ یعنی "مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا۔" پھر ان کے بیٹے عیسیٰ بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے ان سے کہا۔

"اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے۔"

ان کے باپ نے بھی یہ سن کر ان سے کہا کہ "تمہارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کرلو ہٹ جاؤ!"

بیٹے نے جواب میں کہا لا تتحدث نساء قریش انی اسلمتک للقتل (صفحہ ۳۱۷) یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر کہا: واللہ لا یتحدث عنی قریش انی فررت من القتال (یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہ تھی ذہنیت سادات قریش وشجاعان عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال وقتال کے عین وقت بھی مصعب جب قتل ہو گئے۔ عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا۔

لقد کان بینی وبین مصعب صحبۃ قدیمۃ وکان احب الناس الیّ ولکن ھذا الملک عقیم (صفحہ ۳۱۶ ایضاً) یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت وسلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس ۳۰ اکتیس ۳۱ برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی ومعلم الاخلاق کی تعلیم وصحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنۃ بنی امیۃ الخ یعنی "آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی امیہ ہیں۔ بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ"

خطبہ ۱۲۰ میں حضرت مروانؓ کے لئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسا کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے۔ اور قریب ہے کہ امت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سرخ موت نصیب ہو شارح نہج البلاغہ کے نزدیک ان چار سے مراد یا تو بنی عبدالملک ہیں یعنی الولیدؒ وسلیمانؒ ویزیدؒ وہشامؒ یا بنو مروانؒ ہیں، یعنی عبدالملکؒ، عبدالعزیزؒ، ولبشرؒ ومحمدؒ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ پھر ایک اور خطبہ ۱۲۳ میں بنی امیہ کے لئے جن میں سے بہتوں کو خود ان کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کے لئے باقی رہا تو میں انہیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔"

اسلامی عقیدہ سے میں سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو شیبہ کا۔

علم نہیں۔ سورۂ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔

(اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے)

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ لو فرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبد الملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؒ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہوں گے اور عبد الملکؒ کی زندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی مروان میں سے اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی، کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروانؓ کے حبالۂ عقد میں دختران علی المرتضیٰؓ دی گئیں، کیوں بنی مروانؓ اور ان کی اولاد و احفاد سے "امام زادیوں" کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت ومودت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تخت خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ "امام زادے" جوان کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو ان کی وفات کے تین سو ساٹھ برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے ان کا کلام ہے جو تبدل اور رکیک کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ امویوں اور ہاشمیوں میں نسلی و خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان "نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں" لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ وسیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات

سے پیش کی تھی جو "مولدۃ" کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات کے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج ہوئے۔ جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت ممدوح کی زبان سے مولف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید وتکذیب کے لئے صفین وکربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن میں سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولادِ حسینؓ کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنیئے:۔

۱۔ حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے الاصبغ بن عبد العزیز بن مروانؒ سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابو زبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۹۶، ۹۷ وکتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ وکتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۲۔ سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمانؓ سے ہوا تھا۔ پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۹، کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ وکتاب المحبر صفحہ ۴۳۰)

۳۔ حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم سے تھیں۔ امیر المومنین مروانؓ کے پروتے العباس[1] بن الولید بن عبد الملک بن مروانؓ کو بیاہی گئیں (صفحہ ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)

[1] غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس اور ہاشمی نہ"

۴۔ حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اموی خاندان میں عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اُموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۶ و مقاتل الطالبین صفحہ ۱۸۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۵۔ حضرت حسینؓ کے ایک پڑپوتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن اُمیّہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پڑپوتے محمد و عبد اللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۵ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۴)

۶۔ حضرت حسینؓ کے ایک اور پڑپوتے اسحٰق بن عبد اللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اُموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پڑپوتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۷۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۶۵)

دیگر قرابتیں

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اموی و مروانی خاندان میں ہوئیں اب ان کے بھائی عباس بن علیؓ اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سنیئے:۔

۷۔ حضرت حسین کے بھائی عباس بن علیؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علیؓ کی شادی امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبد اللہ بن خالد بن یزید بن معاویہؓ سے ہوئی اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزیدؒ کے پڑپوتے علی و عباس[1] فرزندانِ عبد اللہ بن خالد بن یزیدؒ ہوئے (جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۹)

---

[1] فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

[2] عزیزوں کے نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت امویہ ہیں۔

ان میں سے ایک علی بن عبد اللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ کے خلاف بادعائے خلافت خروج بھی کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علیؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود تھے۔ معرکۂ قتال میں شریک ہو کر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علیؓ کو "سقائے اہلبیت" بھی کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیر المومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان "سقائے اہل بیت" کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیر المومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا آل معاویہؓ کے بجائے آلِ مروانؓ خلافت پر فائز تھے۔ جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو۔ وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اسی قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں۔ یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابومخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ مؤلفین و وضاعین ہیں جنہوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مورخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ مجالس اور مراثی میں بیان ہو کر زباں زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کے ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و زینبی و عباسی اکابر اپنی بیٹیاں اموی خلفاء کو اور ان کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی

سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پروتے سلیمان بن امیر المومنین ہشام بن امیر المومنین عبد الملک بن امیر المومنین مروانؒ سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاح ثانی حضرت ابوسفیانؓ کے پروتے ابو القاسم بن الولید بن عقبہ بن سفیانؓ سے ہوا۔ ان ابو القاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت حضرت عبید اللہ بن العباسؓ بن عبد المطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور ان کے اموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ امیر المومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانہ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابو القاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ حضرت حسین کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیار کی صاحبزادی بیاہی گئیں (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۰۲)

۲۔ حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنتِ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں، اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہو کر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہو جانے پر طلحہ بن عمر بن عبید اللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان ام کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہو جانے پر اموی گورنر مکہ ومدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہو گئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ وجعفریہ خاتون کا اموی خاندان میں ابان بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب کے عقد میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ ۹ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحات ۶۱ و ۱۱۴ وکتاب نسب قریش صفحہ ۸۴)

۳۔ حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی دوسری صاحبزادی سیدہ ام محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؓ کے عقد میں تھیں اور ان ام محمد کی حقیقی بہن ام ابیہا، امیر المومنین عبد الملکؒ کی زوجہ تھیں، طلاق ہو جانے پر حضرت علی بن عبد اللہ العباسؓ بن عبد المطلب کے عقد میں آئیں۔

[illegible] ام محمد وام ابیہا اور چار بھائی یحییٰ وہارون وصالح وموسیٰ حضرت عبد اللہ بن

جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں، ان کی شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔

(کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۲)

۴۔ حضرت علیؓ کے ایک نواسے اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبد اللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنتِ حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر بعد میں "علی الزینبی" کہلائے۔ ان کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبد الملک بن مروانؒ سے ہوئی تھی، ان کے فوت ہو جانے کے بعد پھر وہ اسی اموی ومروانی خاندان میں بکار بن امیر المومنین عبد الملکؒ کے عقد میں آئیں اور بکار اموی کے بعد صالح بن علی بن عبد اللہ بن العباسؓ بن عبد المطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۰)

۵۔ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے فرزند ابو ہاشم عبد اللہ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اموی خاندان میں سعیدؒ بن عبد اللہؓ بن عمروؓ بن سعیدؓ بن العاص بن امیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبد اللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں (ص۷۶ کتاب نسب قریش)

یہ سب بیشتر قرابتیں بعد صفین وکربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیر المومنین یزیدؒ اور ان کے دوسرے اموی عزیزوں سے ہوئیں ورنہ یوں تو بنو ہاشم وبنو امیہ میں مناکحت ومصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن امیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضاء ام حکیم بنت عبد المطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذی النورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی ام جمیل حمالۃ الحطب، حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں

قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؒ و محمد الحنفیہؒ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام المومنین ام حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

عسیٰ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ (سورۃ ۱۰۶ آیت ۷)

یعنی شاید اللہ تعالےٰ تمہارے اور ان کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کر دے۔

فکانت المودۃ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حبیب بنت ابی سفیان فلان ابوسفیانؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلکؓ المودۃ

پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر ام حبیبہ سے نکاح کیا، جس کی ذریعہ ابوسفیان کے دل میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی۔ پس یہی محبت کا موجب تھی

(صفحہ ۸۹ کتاب المحبر علامہ جعفر محمد متوفی ۲۴۲ھ)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آکر سنائی۔ انہوں نے کہا، "اچھا ہوا محمدؐ اس کے بہت اہل ہیں"۔ یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمد و رفت اور میل جول مہاجرین و اہل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ (ابوسفیانؓ اور ان کے بیٹے حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان گئے۔ آپؐ سے اور ان سے دوران ملاقات ہنس گئے ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابوحنظلہ (ابوسفیان کی کنیت، کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت صلعم سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے

تم ان کے ہمنوا کیوں ہو۔ اسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم کے فرمانے سے ان کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تاکہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اس نوید کے ساتھ ان کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امنٌ"۔ یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے صاحبزادوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ میں رکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لاتے تھے۔ پھر ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ عہدۂ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح ان کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیمار کا والی مقرر کیا۔ اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کے لئے بھی ان میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔ جس کی عظمت ایمانی و طہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحہم اللہ کہتے ہیں کہ انہیں کتابت وحی کے لئے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کے لئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لئے امانت، و ایمان ضروری نہ ہو مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ان اموی خسر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کو مدینے میں رکھا۔ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ غزوۂ طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ انہوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہو گئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں ان کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکر اسلامی کی حیثیت

سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہو جانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انہوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدتِ خلافت میں صرف انہی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ حضرتِ موصوف نے کسی عامل کو جن میں صحابہ کبارؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ماموں اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے ان سے جو حسن سلوک کیا۔ گرانقدر وظائف و عطایا مقرر کیے ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اٹھا اور نوبت جنگ و جدل کی پہنچی اور بعد میں صلح پر منتج ہوئی، وہ سیاسی اختلافات تک محدود رہی۔ بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جو مخالفت پیدا ہوئی۔ اس کا یہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی اسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے۔ حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہے صفین اور کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہیں۔ ہاشمی واموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی و سفیانی و مروانی گھرانوں میں علوی و حسنی نواسے نواسی اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اموی و مروانی نواسے نواسی صفین و کربلا کے بعد پیدا ہوتے بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔

جناب عباس بن علیؓ کے نواسے علی بن عبد اللہ بن خالد بن امیر المومنین یزیدؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "میں شیخان و سرداران صفین کا پوتا ہوں"۔

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت و مودت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت و عناد کا۔ جس کے بارے میں وضاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں۔ کتابوں میں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہبی

جامہ پہنانے اور واقعات تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ

حادثہ کربلا کے بعد کی ان قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہو چکی ہیں اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے۔ جیسے جناب عباس بن علیؓ یا مجروح ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے، جیسے جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی رفیقۂ زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ ان ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو۔ ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی مخدرات پردۂ عصمت و عفاف کو بے پردہ اور مکشوف الوجوہ پھرایا ہو۔ مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کروا کر اپنے پاس منگواتے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر قمچیاں ماری ہوں، ان کے سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو۔ نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور و کفن ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو، غرضیکہ درندگی اور بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک و خون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ و علویہ و حسنیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنے شادی بیاہ کے رشتوں کو۔ مناکحت و مصاہرت کے خیال تک کو گوارا کر سکتی تھیں؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت و حمیت کو زمانہ جانتا ہے۔ جان جائے پر آن نہ جائے پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر و مال کو پشیز دنیاوی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان کی

کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے ؎

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال!
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرّہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول و منظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب و تاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب و افترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں مگر ان کی صحت و صداقت و اصلیت کا واضح و بیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب و تاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علیؓ برادر حسینؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزیدؒ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبیداللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذاتِ خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو۔ سقائے اہل بیت" کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے' جہاں ان کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا گیا ہو۔ جہاں ان کے چچا حضرت حسینؓ کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو، جہاں ان کے دوسرے چچوں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو! ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں ہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی وہ ایک حادثہ المیہ تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکایک پیش آگیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ دفن کروا دیا گیا تھا۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کے لئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے درایتاً نظر ڈالی جائے تو باآسانی مستور حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے "موازنہ انیس و دبیر" میں ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"کربلا کے واقعات جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری ہیں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔"

علامہ موصوف کے پیش نظر، قال ابو مخنف والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دیگروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ پڑنے کا۔ خود ابو مخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیر المومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ "واللہ اے امیر المومنین یہ معاملہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپک جائے" فواللہ یا امیر المومنین ما کان الاجزر جزور او نومۃ قائل (طبری ج ۶ ص ۲۶۴) اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہو سکتا ہے۔

مؤلف ناسخ التواریخ نے "در ذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا" کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن و دفن کا انتظام ان کے صاحبزادے علی ابن الحسین (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اس وقت سوائے "امام زین العابدینؒ" کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آ کے نماز جنازہ

پڑھی اور دفن کر کے لوٹ گئے۔

ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و بر آں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر اورا کفایت کرد و مراجعت نمود۔ (درج کتاب دویم ص۳۱۸)

اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔

بہرحال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالد[۵] بن عقبہ بن ابی معیط اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے کی نماز میں شریک تھے "شہد جنازة الحسین" (جمہرة الانساب ص۱۰۶) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؟ انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سر حسینؓ کے یزید کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے (الوصیة الکبریٰ ص۳۰)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں مثلاً تدفین "راس الحسین" کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کئے گئے ہیں، جن کی تشریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کر کے ذیل کی جدول میں درج کی جاتی ہیں[۶]۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

---

[۵] ان کی بہن ام کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زیدبن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہ چکے تھے حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہہ ہوئے ان میں سے چند اندلس پہنچے تھے ان ہی میں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالد کے پوتے تھے اندلس کے الجزائر الشرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

[۶] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں ان سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسین کے صاحبزادے علی بن الحسینؒ کو ان کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انہوں نے چالیس دن بعد کربلا آکر دفن کئے (ص۲۷۵ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
۲	مدینہ منورہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیج دیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباس عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیس دمشق میں دفن ہوا (ناسخ التواریخ)
۴	عسقلان	دمشق کو جب یہ سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عمل نے سر حسینؓ لیکر وہیں دفن کر دیا تھا (ایضاً)
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے ایک غلام نے حضرت کا سر پر (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود ص۲۸۵ ج۶ ناسخ التواریخ) میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تیس برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا	سلیمان بن عبد الملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی امیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلعم جو خواب میں ملا تھا نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔
۷	خزانہ بنی امیہ میں ۷۵ برس محبوس اور کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۲ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی امیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا اس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۸ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کر کے قاہرہ (مصر) میں دفن کرا دیا جہاں اب شہید حسینؓ کی عالیشان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں

سر حسینؓ کے مختلف دیار وامصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات کے ساتھ

جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ "یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ (ناسخ التواریخ ص۲۶۷)

یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرا دیا چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں، اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا "پس آں سر ہمایوں با جسد خویش پیوستہ است" (ایضاً)، مگر مولف "مجاہد اعظم" نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ ریمارک کرتے ہیں کہ "اس زمانہ میں جناب امیرؓ کے مزار پر انوار کا حال سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا[۱] (ص۳۰۲) اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین سوا تین سو برس تک کسی کو بھی علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو

---

[۱] مورخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر اور کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تا کہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گذرا رات کو ڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ صندوق میں بھی مال ہے ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں (ج۱ ص۱۳۹) ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس ~

تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے ایک غلام نے سر حسینؓ چرا لیا "آں سر مبارک را دزدید" (حیات القلوب ص۵۶۶) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چرا بھی لیا ہو تو راہ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا، اسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مولف "مجاہد اعظم" اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ "جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے" (ص۳۰۲) نجف و مدینہ (عسقلان و قاہرہ) میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے دوبارہ کربلا آ کر دفن کیا ہو کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں اس لئے مولف موصوف فرماتے ہیں کہ "ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبد العزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے کربلا بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" (ص۳۰۲)، اب اس روایت کو بھی سن لیجئے جس کے "مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" وہ روایت یہ ہے:۔

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبد العزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) تفحص نمود دو آں زمین را نبش کرد و آں سر مبارک را ماخوذ داشت وکس ندانست کہ آں سر چہ صنعت کرد و چوں گماں میرود کہ دیندار بود تو اندشد کہ بہ کربلا فرستادہ با جسد مطہر ملحق ساخت۔ (ناسخ التواریخ ج۶ از کتاب دوم ص۳۷۵)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبد العزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سر مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا گیا چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دیندار شخص تھے ہو سکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔

~ اس قبر کا حال معلوم ہو گیا انہوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے یہ نامعلوم ہے جہاں علی دفن ہوئے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارہواں اڈیشن)

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد بس اگر اس روایت کے مان لینے کے سوا چارہ نہیں" تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے کہ اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو لیوں کھدوا ڈالا جاتا۔

اور یہ کام بھی وہ اموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔ مولف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انہیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود ملا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ "در سر مبارک سید الشہدا کو خلاف میان عامہ بسیار است وذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد" فرماتے ہیں کہ:

"حضرت رسول آں سر گرامی را با خود بردو در آں شکے نیست کہ آں سر و بدن باشرف اماکن منتقل گردید ودر عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔

(جلاء العیون ص۵۰۴)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سر گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن دونوں اشرف اماکن کو منتقل ہو گئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہو گئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔

ملا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ "حدیث" بھی پیش نظر رکھیئے جو ابو مخنف نے روایت کی ہے، یعنی طرماح کہتے ہیں کہ میں "کشتگان یوم طف" کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور ان کے آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہو گا اور چاہتا ہو گا کہ تن مبارک حسین رضی اللہ عنہ کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس آ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور بیٹھ گئے اس وقت کہ سر ہائے شہدا کو کوفہ کی جانب لے جا رہے تھے۔ ... صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سر حسین

آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہو گیا! سر حسین در رسید و با تنش ملحق گشت ر— ناسخ التواریخ، طرماح کا بیان ہے کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے یا ولدی قتلوك اتراهم ما عرفوك ومن شرب الماء منعوك (اے میرے بیٹے دیکھا تجھے قتل کر دیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کر دیا)، یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

یا آبی آدمؑ ویا ابی ابراهیمؑ ویا ابی اسمٰعیلؑ ویا اخی موسیٰ ویا اخی عیسیٰ اماترون ما صنعت الطغاة بولدی۔ لا انالهم الله شفاعتی۔

(ص۳۱۱ ایضاً)

اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے آبا اسمٰعیل اور اے برادر موسیٰ اور اے بھیا عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہ ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیاء ہیں، اب دیکھئے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً باوا آدمؑ کی موجودگی میں سر حسین جسد حسین سے پیوست و ملحق ہو گیا تھا اور ایک اور روایت کے بموجب ام المومنین[1] ام سلمہ سے خواب میں آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرتؐ جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہو کر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؓ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور "متصدی کفن و دفن" ہو کر اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہراء عراقی شیر "ابو الحارث" کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لئے آئیں تھیں اور اس ہیبت ناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور ان کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے

---

[1] ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے فوت ہو گئی تھیں۔

بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔

"راہ لشکر را گردانید وازیں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص۴۲۵) جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بصورت شیر سے ہائل المنظر و ہیبتِ عظیم" حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص۴۰۲)، تو بریدن سرِ مبارک کی اور ممتنت دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ بریں یہ سب روایتیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مولف "مجاہدِ اعظم" فرماتے ہیں:

"دوسرے شہداء کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لیے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں۔" (ص۳۰۳)

مگر تعداد ان سروں کی دو چار دس پانچ تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکٹھے (۸۶) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لد کر گئے تھے۔ بہرحال تعداد (۸۶) ہو یا (۲۰)، غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اتنے اچنبھے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، جوانانِ بنی ہاشم و نونہالانِ اہلبیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں، ان کے سروں کا آخر کیا ہوا۔ یہ سب کہاں دفن ہوئے کس نے دفن کئے۔ کب دفن کئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزید رحمۃ اللہ علیہ کے رشتے میں بھانجے تھے ان کے سر کو خلیفہ وقت اور ان اہلِ خاندان نے کہاں دفن کرایا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) و عباس و جعفر و عثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے ان کے رشتہ کا ماموں شمر بن الجوشن[1] ہی لے کر گیا تھا پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے

---

[1] شمر بن ذی الجوشن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور ام البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرۃ ابن حزم ص۱۶۵) کہا جاتا ہے کہ

کیا کیا: کہاں دفن کرایا۔ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مورخین کی خاموشی معنی خیز نہیں! سیدہ[2] سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ، حادثہ کربلا کے ۵۵ برس بعد تک زندہ رہیں وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی ان کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچوں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا۔ دفن ہوئے تو کہاں؟

لڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر این بنو اختی عبداللہ وجعفر وعثمان وعباس۔ (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس)، انہیں امان دی تھی (ص۲۴۲ ناسخ التواریخ)۔ شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے۔ جنگ صفین میں شمر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ ج ۸ ص۱۸۸)۔ الصمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں والی مقرر ہوا اور صاحب نسل۔ شمر بن کے دادھیالی رشتہ کے دادا حضرت مسولہ رضی اللہ عنہ بن کیتف رسول اللہ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ "ذاللسانین" کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے انہیں "سید العرب" کہا تھا۔

[2] سیدہ سکینہ اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین بنی ہاشم میں سے تھیں۔ ان کے شوہر مرتے گئے۔ کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی امیہ کے خاندان میں کئے تھے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کی مختلف دیار وامصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔ قیس[1] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ (۱۶) شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ (۱۲) جماعت بنی تمیم (۱۷) گروہ بنی اسد (۱۸) مردم مذحج (۷) دیگر قبائل (۱۶) میزان کل (۸۶) یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد (۷۲) ہے۔

---

[1] ناسخ التواریخ میں قیس ابن اشعث کو "قائد قبیلہ کندہ" لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعث رضؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی رضؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست مؤید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا انہوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علی رضؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعث رضؓ زوجہ حسن بن علی رضؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو زہر دیکر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیس رضؓ جو حضرت ابوبکر الصدیق کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص۲۴۴) اپنے والد ماجد حضرت اشعث رضؓ کے سن ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے یہ وہی محمد بن اشعث رضؓ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیل کو امان کا وعدہ دیکر گرفتار کرا دیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسین رضؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعث کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنہوں نے اموی خلیفہ عبدالملک اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں، بالآخر دیر جماجم کے خونین معرکہ میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور بالآخر کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو (قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے ایسے عالی خاندان کے قائد، سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لے جانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کوفہ و عراق والجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ:۔

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سرہائے شہدائے اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر و دیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گیرند و از خلافت آل علی مایوس گردند و دل در طاعت یزید بہ بندند لاجرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت و ذلت کوچ می دادند و بہر قریہ و قبیلہ در میبردند۔ (ناسخ التواریخ ص۳۴۴)

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تاکہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں لہذا حکومت کے لشکری اہل بیت کو رسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے

ایک شیعہ اہل قلم مولف "مجاہد اعظم" ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ:۔

"کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہواخواہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے

ص

والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا (ص۳۸۶)

مولف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی ان پر منکشف و ہویدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر جس کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاش غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے خود روایتوں میں دیو مالائی انداز کی جو خرافات ہے وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ایمہ رجال کذاب کہتے ہیں' ان داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا حسین رضہ کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا۔ سورۂ کہف کی آیتیں زبان پر جاری تھیں: اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقم رض صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گذرا انہوں نے اپنے کانوں سنا کہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا کی تلاوت کر رہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ

"اے پسر رسول خدا سر مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم" (ص۳۳۳)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سر حسین سے آواز آئی یا ابن وکیدہ اما علمت انا معشر الائمۃ احیاء عند ربنا۔ (ص۳۳۳ ایضاً)

یعنی "اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں" گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سر حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے، حضرت زید بن ارقم رض کو بھی وہاں موجود بتایا ہے تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرالی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زید رض نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ کو

چوستے دیکھا ہے وہ باز نہ آیا بلکہ انہیں "عدو اللہ" کہہ کر قتل کی دھمکی دی (ص۳۳۲) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (وبعویل و نالہ فریاد برداشت و از نزد او بیرون شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کرکے انہیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا۔

"اے مردم عرب! اے عبید عباد! کشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام دادید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما الخ (ص۳۳۲ ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کرکے یعنی سر حسین کے تلاوت سورۂ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زید کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کرکے اپنی کتاب میں درج کر دیا پھر کیا تھا جو مورخ و مولف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے آنکھ بند کرکے نقل در نقل کرتے رہے۔ درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر کہ وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا، حسین رض نے وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کرکے معاملہ ختم کریں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی و بینہ رایہ (طبری ص۲۳۵ ج۶) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں"

وہ اس مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کرلیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمیں سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سد باب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ تھے، چند اور بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائے جب تک اس کے خلاف تلوار نہ اٹھے اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکایک تلوار چل پڑی اور یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ ان حالات میں کون

صحیح العقل یہ باور کرسکتا ہے کہ پس ماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زہیر بن قین کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انہوں نے اس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جا رہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتیار رکھدیں۔

خلوا بین ھذا الرجل وبین ابن عمه یزید بن معاویة فلعمری ان یزید لیرضی من طاعتکم بدون قتل الحسین (طبری ج ۶ ص ۲۴۳)

ان صاحب (حسینؓ) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو (ان کا راستہ مت روکو) میری جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گزاری سے حسینؓ کے قتل کے بغیر راضی رہیں گے۔

مقتولین کے سروں کی اور پس ماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مولف "مجاہد اعظم" نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے! کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا وہاں سے ایک مقام "شرق الحساصة" اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پر ہوتے ہوئے موصل وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین وقنسرین وحلب وحماۃ وحمص وبعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوسکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پس ماندگان کی تشہیر کے عراق، الجزیرہ (نواح دیار بکر) اور ملک شام کے یہ مقامات گنائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جنکی ایک دو مثالیں بھی سنتے چلیئے۔ مثلاً پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا پچاس سواروں نے جو سر حسینؓ کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکایک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی آسمان کے دروازے کھلے "دیکھی دیکہ آدم ونوح وابراہیم واسمٰعیل واسحٰق وخاتم انبیاء محمد مصطفیٰ"

آسمان سے نیچے اُترے۔ جبریل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے آتے ہی جبریل نے سر حسین کے صندوقچہ کو کھولا اسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰ! سے تعزیت کرنے لگے، جبریل نے کہا کہ کہیئے تو میں زمین کو آپ کی امت پر اسی طرح الٹ کر دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو ہلاک کر دیں، چنانچہ فرشتوں نے ۴۹ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے وہ ایک بچ گیا، جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ ص ۲۴۲) اسی طرح کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کے اپنے نبی کی ذریت پر ظلم ڈھانے اور سر حسینؓ کے معجزے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابو مخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں "ہاتف" تک نے "بنی زیاد" پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے۔ پہلا شعر تو یہی تھا۔

اترجوا امة قتلت حسینا شفاعة جده یوم الحساب

اسی طرز و لہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است، ان میں سے دو ایک آپ بھی سنیئے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سنی کہ سر حسینؓ ان کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس وخزرج)[1] کے چالیس ہزار سوار اکھٹے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا فی اربعین الف فارس من الاوس والخزرج وتحالفوا ان یقتلوا ھم ویاخذ ومنھم راس الحسینؓ

اوس وخزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان لوگوں کو قتل کر کے ان سے سر حسینؓ چھین

[1] روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں کی تعداد کبھی اس تعداد سے ...

ویدفنوه عندهم لیکون فخراً لهم الی یوم القیامة (ص۱۳ مقتل ابی مخنف) — لیں اور اپنے یہاں لاکر اسے دفن کر دیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان کے لئے موجب عز و افتخار رہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ برق شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سر حسین کی دائمی برکت اور عز و افتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو ستیبور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار، دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے (ص۱۱۷)

آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا ایک پہر رات گذری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق میں سے جس میں سر حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں، آسمان کے دروازے کھلنے لگے۔ فرشتے فوج در فوج اترتے اور سر حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے۔

السلام علیک یا ابن رسول اللہ، السلام علیک یا ابا عبد اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیک۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ سر حسن ہے، "امه فاطمة الزهرا وجده محمد المصطفیٰ" ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد المصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا تم پر ہلاکی ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولها اذا قتل هذا الرجل تمطر السماء — ہمارے احبار (مسیحی علماء) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ

۱؎ چوتھائی بھی نہ تھی جو کہ موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے۔ آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دور ان کی اتنی کثیر تعداد تا آنکہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں۔ لغو بیانی کی انتہا ہے۔

دماً ولا یکون هذا الا یقتل نبیّ او وصی نبی۔ (ص۱۲ ایضاً) — صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائے گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کے لئے سر حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگا لیا، بوسے دیئے روتا رہا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سر حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔

صاحب ناسخ التواریخ بحر اللآلی اور شرح شافیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

سر حسین با راہب تکلم فرمود و شفاعت او را در قیامت بذمت نہاد (ج۶ از کتاب ششم ص۳۴۸) — سر حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں کھولیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف تو ولا تحسبنّ اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون۔ لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید (ناسخ التواریخ ج۶ ص۳۴۸) — خولی کہنے لگا انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کر دی کہ اس راز کو چھپائے رہو۔؎

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلہ میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ

۱؎ ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابل داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اسی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔

نے بھی چھانٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سنئے جو اس کذاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مردِ شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے۔ شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اسکی طرف دیکھا الٹے پیروں بھاگ پڑا اور جا کر کہنے لگا کہ ان کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ ... ت نظر آئی۔ شرم دامنگیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہہ کو قتل کروں فاستحییت ان اقتل شبیھا لرسول اللّٰہ (مقتل ابی مخنف ص۹۱) پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انہوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا ہے مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہو گئی اس لئے میں قتل نہ کر سکا فذھلت عن قتلہ (ص۹۱) شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمیت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم بڑے بزدل ہو لاؤ تلوار مجھے دو مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہہ ہوں یا علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ عنہ) میں انہیں ضرور قتل کروں گا انی لاقتلہ سواءً شبیہ المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ (ص۹۱ ایضاً) وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو ان میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے۔ یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:۔

مَنْ اَنْتَ فَلَقَدْ اِرْتَقَیْتَ مرتقیً صَعْبًا طالما قبّلہ النبیؐ (ص۹۱) — ارے تو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبیؐ رہا ہے۔

نام بتایا آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا۔

اَنْتَ الحُسَیْنُ وابوکَ المرتضیٰ و اُمُّکَ الزَّھراءُ وجَدُّکَ المصطفیٰ و جدّتکَ خدیجۃ الکبریٰ (ص۹۲) — آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفےٰ اور آپ کی نانی خدیجہ الکبریٰ۔

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے:۔

فَقَالَ لہٗ ویحکَ اذا عرفتنی فلِمَ تقتلنی فقال لہٗ اَطْلُبُ بقتلکَ الجائزۃ مِنْ یزید فقال لہٗ الحسین اَیّما احبّ الیکَ شفاعۃ جدّی رسول اللّٰہ اَمْ جائزۃ یزید فقال دانقٌ من جائزۃ یزید احبّ الیَّ منکَ ومن شفاعۃ جدّکَ وابیکَ۔ (ص۹۲) — پس (حسین) نے اس سے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے (شمر نے) کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسینؓ نے) کہا ان دو باتوں میں سے تجھے کونسی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہو گیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا۔ فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلا دے (اذا کان لا بُدّ من قتلی فاسقنی شربۃً من الماء) مگر اس نے کہا اے ابو تراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوض کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی پلا دیں گے تو ذرا صبر کیجئے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کر دیں گے (اِصبر قلیلاً حتّی یسقیک اَبُوکَ) یہ سن کر ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا، ذرا اپنا نقاب تو الٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں اس نے جیسے ہی نقاب الٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھیا) بھی تھا۔ کانا بھی، منہ اس کا کتے کی تھوتنی جیسا اور بال سوّر کے سے۔ اس پر آپ نے کہا کہ سچ فرمایا تھا میرے نانا نے میرے والد سے کہ:۔

یقتل ولدکَ ھذا ابرصُ اعورُ لہٗ بوزُ کبوز الکلب وشعرٌ کشعرِ الخنزیر (ص۹۲ ایضاً) — تمہارے اس بیٹے کو قتل کرے گا ایک کوڑھیا کانا جس کے کتے کی سی تھوتنی ہو گی اور بال اس کے سور کے بالوں کی طرح۔

اس پر راوی نے شمر کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ ابو مخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ کذاب روایت ان الفاظ پر ختم کر دی ہے۔

وكلما قطع منه عضواً نادى الحسين وا محمداه، وا علياه، وا حسناه وا جعفراه، وا حمزتاه، وا عقيلاه وا عباساه، وا قتيلاه، وا قلة ناصراه وا غربتاه فاحتز راسه وعلاه على قناة طويلة فكبر العسكر ثلاث تكبيرات وتزلزلت الارض واظلم الشرق والغرب واخذت الناس الرجفة والصواعق وامطرت السماء دمًا ونادى مناد من السماء قتل والله الامام بن الامام اخو الامام ابو الامام ابو الائمة الحسين بن ابی طالب ولم تمطر السماء دمًا الا ذالك اليوم (ص۹۳ ایضاً)

جیسے جیسے اس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے۔ ہائے محمدؐ، وائے علی، ہائے حسن، وائے جعفر، وائے حمزہ، ہائے عقیل، وائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، وائے غریب الوطنی۔ پس اس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھا لیا تو لشکر نے تین تکبیریں کہیں، زمین میں زلزلہ آگیا مشرق مغرب میں اندھیرا چھا گیا گرج اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے۔ آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا، قتل ہوگئے واللہ امام بیٹے امام کے۔ بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔!

یہ ہے وہ اصل راوی اور اس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کر کے اور بعض کلمات کو تبغیر الفاظ درست کر کے "قال ابومخنف" کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مورخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج ۶ ص ۲۶۰) اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے (ج ۸ ص ۱۸۹ البدایہ)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسینؓ سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا ابل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا۔ جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں۔ فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اتر رہی تھی کہ حسین قتل ہو گئے اس لئے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پر تا دامانِ

قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے علامہ ابن کثیر ان باتوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

والشيعة والرافضة فی صفة مصرع الحسين كذب كثير واخبار باطلة وفيما ذكرنا كفاية وفی بعض اورد فاه نظر ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكره ما سقته واكثره من رواية ابی مخنف لوط بن يحيٰی وقد كان شيعية وهو ضعيف الحديث عند الائمة ولكنه اخباری حافظ عنده من هذه الاشياء ما ليس عند غيره ولهذا اتيرا می كثير المصنفين فی هذا الشان

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۲)

(حضرت) حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹ اور باطل اخبار ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اگر ابن جریر (طبری) اور دوسرے ائمہ و حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے ان میں اکثر تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن اخباری ہے (تاریخی احوال جانتا تھا) اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں لہٰذا اکثر مصنفین ان باتوں کے لئے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی درج کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں

(البدایہ ج ۸ ص ۲۰۲) یعنی ایسے بھی لوگ (اہل تاریخ واہل سیر ہیں) ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہو کر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہو جاتی۔

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابو مخنف کی روایتوں کو قبول کرنے پر مائل ہوئے۔ مگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کو سوچنا چاہیے تھا کہ

جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزیدؒ کے سامنے پیش کئے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین ازین العابدینؒ سے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی وہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمہ رجال نے ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذاب کہا ہے علاوہ ازیں ابومخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسی نوے برس بعد دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہ تھا، سن سنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی وخاندانی وذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور رجال آثار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذی النورینؓ پر سب وشتم یا وہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہو کر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملک شام چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہو گئے۔ ان میں اسی قبیلہ کے بنوالارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

کانوا عثمانيين، رحلوا عن الكوفة الى معاوية وقالوا لا نقيم ببلد يُسب فيه عثمان رضـ فانزلهم معاوية الرُّها۔	یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرفداروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہو کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا ہم اس شہر میں نہیں ٹھہریں گے جس میں (حضرت) عثمانؓ کو برا کہا جائے۔ پس (حضرت) معاویہؓ نے ان کو مقام الرُّحا میں بسا دیا۔
(جمہرۃ الانساب صفحہ ۴۰)	

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور ان کے دو بیٹے عبداللہ وعبدالرحمٰن یہ باپ بیٹے شیعہ تھے" (صفحہ ۴۲ ایضاً)، آخر الذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعثؓ بن قیس صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گذر چکا، ان کی

وفات تو ۴۰ھ میں ہوئی تھی لیکن ابومخنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیس نے ہی ان کی قمیص لے لی تھی" (مقتل ابی مخنف صفحہ ۹۳ مطبوعہ نجف)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا یہ سب شیعان علیؓ میں سے تھے اب اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو عام طور سے قاتل حسینؓ کہا جاتا ہے۔ بنو تمیم کی مختلف شاخیں تھیں۔ ان کی ایک شاخ سے حضرت شیث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصحابہ فی تمیز الصحابہ (ج ۲ صفحہ ۱۶۳) صحابہ کے زمرہ میں ہے نیز تہذیب التہذیب میں (ج ۴ صفحہ ۳۰۲) ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے تھے مگر توبہ کر کے پلٹ آئے تھے۔ "ثم تاب ورجع"۔ ان کے بارے میں ابومخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے اول یہی گئے تھے مگر ڈر کے بھاگ گئے تھے (مقتل ابی مخنف صفحہ ۹)۔

مختصر آیہ کہ ابومخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے کہ اس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت وبہیمیت کے جو افسانے وضع کئے ہیں وہ حکمراں جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دشمنیوں کی وجہ سے بھی لئے ہیں حضرات مورخین تحقیق کی جانب متوجہ ہوتے تو ابومخنف کا یہ جھوٹ کہ مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے پیش کئے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ ومہ کے زبان ہے مگر یہ داستان جس دیومالائی انداز میں مرتب کر کے خشت اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی ہو اس کی کجی آج تک نمایاں ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اس قدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مولف جنہوں نے حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو غلط اور مبالغہ آمیز

بتاتے ہوئے "شمر کے سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنے" کو بھی غلط بتایا ہے۔ ان کی کتاب "مجاہد اعظم" کا یہ فقرہ اس سلسلہ میں قابلِ لحاظ ہے:۔

اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم ابن حسن کے ساتھ ہونا عباس علمدار کا اس قدر جسیم اور بلند قامت ہونا کہ باوجود سواری اسپ در رکاب آپ کے پاؤں زمین تک پہونچتے تھے، جناب سید الشہداء کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب زینب بنتِ امیر المومنین کا سر و پا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمعِ عام میں چلا آنا۔ شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا۔ نعش مطہر کو لگد کوب سم اسپان کیا جانا۔ سرادقات اہلبیت کی غارتگری اور بنی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا۔ شمر کا سکینہ بنتِ حسین کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا روانگی اہل بیت کے وقت جناب زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہل بیت رسالت کو بے مقنع وچادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثنار راہ میں جابجا اہل حرم کو نہایت ذلت وخواری سے تشہیر کرنا، مجلس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل کر آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا۔ سید الساجدین کا سرہائے شہداء لے کر اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاشہائے شہداء کو سپردِ خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین نقوی امروہوی صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸)

مولف مجاہد اعظم نے قدیم وجدید مورخین ومصنفین کی سیکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے:۔

"عام کتابوں سے قطع نظر کرکے فریقین کی دو مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ

کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں۔ اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریر میں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (صفحہ ۱۷۹)

یہ مصنفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی یہ سب کچھ تو ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابو مخنف وہشام کلبی کے مخترعات ومبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انہیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مورخ مثلاً امام الفقیہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں ان کی مشہور کتاب المعارف میں دیکھئے حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انہیں سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے الامامۃ والسیاسۃ[1] مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی غالی قلم سے ہے مگر ہے ابن جریر طبری سے پہلی کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں بھی نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وضعی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کا، ظاہر ہے کہ ابو مخنف کی روایتوں کو الامامہ والسیاسۃ کے مولف نے بھی لائق اعتنا نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرتے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعیان کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں "الجبار العنید" وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بلایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے ہم نہ حکومت کے عامل کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں نہ جمعہ میں نہ عید میں، جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے[2] اور ملک شام کو دھکیل دیں گے۔

---

[1] فہرست ابن قدیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے ۳۴ کتابوں کے نام ہیں ان میں کوئی کتاب الامامہ والسیاسہ نام کی نہیں ہے۔

[2] معلوم ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری صحابی رسول اس وقت عامل تھے۔

اخرجنا من الکوفۃ والحقنا یا الشام۔ مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہو کر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ[1] کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ "حسین یہاں آ رہے ہیں ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوّے نفوس ہیں تم انہیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کر کے راستہ سے ہی لوٹا دینا" (فارددھم واکتب الیھم بما اصابنی) ابن سعدؓ نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے، کیونکہ مسلم نے مجھے تلایا ہے کہ حسین آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوّے اشخاص ہیں اس پر گورنر نے کہا قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشا کی تو تم ہی ان کے مقابلہ کو جاؤ گے ابن سعدؓ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؓ کی سرکردگی میں فوج بھیجی حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ پسران عقیلؓ جوان کے ساتھ تھے یہ کہہ کر مانع ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہو گیا اب ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہو گا۔ اور ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے لکھا ہے کہ یہ سن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنی عقیل) کو کیسے روک دوں۔ ابن سعدؓ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر دیگر مورخین نے بھی کیا ہے۔ تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

او تسیرونی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم فی بما یرید۔ (ج۲ صلا)

یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کی بیعت کر لوں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں، پھر وہ جیسا چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔

ابن سعدؓ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے بھی پسند کیا کہ امیر المومنین کے پاس بھیجدیا جائے (نسیرہ الی یزید) (ج۲ صلا) اب

---

[1] حضرت عمر بن سعدؓ کو تو گورنر نے اس لئے اور بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور ان کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں انہیں صحیح مشورہ دے کر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا۔

مولف الامامہ والسیاسۃ نے ایک شخص شہر بن حوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا اس نے گورنر سے کہا کہ جب تک یہ تمہارا حکم نہ مانیں انہیں مت بھیجو۔

واللہ لئن سار الی یزید لایرای مکروھا ولیکونن من یزید بالمکان الذی لاتنالہ انت منہ ولا غیرک من اھل الارض۔ (صلہ ج۲)

قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہو گا، بلکہ یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہو گا جو نہ تمہارا ہو سکتا ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کا۔

اب دیکھئے طبری سے پہلے اس کتاب میں نہ ابن سعدؓ کو ملک رے کی گورنری پیش کئے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اس وقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمہارا حکم نہ مان لیں، اس کا نام شہر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؓ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شہر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؓ کو قتل کر کے ان کی جگہ لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؓ کے ساتھ کوفہ کے تین۳ قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسین کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سے سترہ اشخاص قتل ہو گئے جن کے نام بھی دیئے ہیں، نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے اور دیگر مظالم کا۔ اور نہ باقی ماندگان کو قید کر کے کوفہ لانے اور سروں کی تشہیر کرنے کا بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انہیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

فبکی یزید حتی کادت نفسہ تفیض وبکی اھل الشام حتی علت اصواتھم۔ (ج۲ صث)

اور یزید (انہیں دیکھ کر) رونے لگے اور ایسے بیتاب ہو کر روئے کہ بے خود ہو گئے۔ اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

یہ بیان ایک ایسے غالی مولف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی

ذہنیت کا مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے مگر حادثہ کربلا کے جو خاص واقعات لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارۃً تابھی کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بین ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابو مخنف وغیرہ کے اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت دینے میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزیدؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سر حسین جب ان کے سامنے پیش ہوا تو دندان مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ الاسلمیؓ[1] کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے۔ حالانکہ یہ صحابی دمشق میں تو کیا ملک شام میں بھی اس وقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں حتیٰ کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں فرماتے ہیں کہ:

وقد روی باسناد مجہول[2] ان کان هذا کان قدام یزید وان الراس حمل الیه وانه هو الذی نکت علی ثنایاه وهذا مع انه لم یثبت ففی الحدیث ما یدل علی انه کذب فان الذین حضروا النکته بالقضیب من الصحابة یکونوا

اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر کا لانا یزید کے آگے تھا اور وہ وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت

۱؎ ان کا نام اور ولدیت طبری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی فضلہ بن عبد اللہ اور فضلہ بن عبید بن الحارث پھر عبد اللہ بن فضلہ (ج ۲ ص ۱۱۴)

۲؎ ابن ابی الدنیا کی سند ملاحظہ ہو، پہلے راوی تو مسلم طور سے شیعہ ہیں۔ یعنی عبا الذهبی پھر ایک راوی کا نام ابو الولید لکھا ہے میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے۔ دوسرا کذاب اور تیسرا ضعیف (ج ۳ ص ۳۸۶) اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔

بالشام وانما کانوا بالعراق (منہاج السنۃ)

بتائی جاتی ہے وہ اس وقت ملک شام میں ہی موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔

بہر حال جب یہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جا چکا کہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سیاسی منفعت سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالیؒ نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ولا یجوز الطعن فی معاویة لانه من کبار الصحابة ولا یجوز لعن یزید ولا تکفیره فانه من جملة المؤمنین وامره الی مشیئة الله ان شاء عذبه وان شاء عفا عنه قال الغزالی وغیره ویحرم علی الواعظ وغیره روایة مقتل الحسن والحسین وحکایاته وما جری بین الصحابة من التشاجر والتخاصم فانه یهیج علی بغض الصحابة والطعن فیهم وهم اعلام الدین۔ (ص ۱۳۲)

اور (حضرت) معاویہ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزید پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے۔ امام غزالی وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسنین کی روایتیں اور صحابہ کے آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض و طعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ راس الحسینؓ میں لکھا ہے کہ:

فمن نقل انه نکت بالقضیب ثنایاه بحضرة انس وابی برزة قدام یزید فهو کاذب قطعا کذبا معلوما بالنقل المتواتر۔ (ص ۱۴)

وہ قطعاً دروغ گو ہے جس نے انس وابی برزہ (صحابہ) کی موجودگی میں یزید کا سر حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی کی نوک مارنے کو بیان کیا ہے۔ اس کا جھوٹ نقل متواتر سے ظاہر ہے۔

حسینی قافلہ کے شرکاء اور باقی ماندگان

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے ان کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے:-

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو ان کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار ان کے ساتھ گئے تھے۔ اور یہ چاروں یعنی عباسؓ و جعفر و عثمان و عبد اللہ ام البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ و عراق میں سکونت رکھتا تھا۔ جس میں شمر ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابو یزید عقیلؓ کے سولہ[۱۶] بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے ان کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبد اللہ و علی و محمد۔ یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیبیوں اور اولاد کے شامل تھے یعنی عبد اللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ و ام ہانی و ام کلثوم الصغریٰ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد و عبد الرحمٰن و مسلم و عقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبد الرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے ان کے دو بیٹے سعید و عقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس[۲۰] یا چوبیس[۲۴] بیٹے تھے ان کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں تھیں مگر ان کے بیٹے علی الزینبی بن عبد اللہ بن جعفر اور بیٹی ام کلثوم ان کے ساتھ نہ گئے۔ عبد اللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون و محمد قافلہ کے

ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیغامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ فارسل عبد اللہ بن جعفر ابنیہ عوناً و محمداً لیردا الحسین فابی ان یرجع وخرج الحسین بابنی عبد اللہ بن جعفر معہ (الامامۃ والسیاسۃ ج۲ ص۳)

یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار سے ساتھ چلے گئے۔ مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے صاحب ناسخ التواریخ (ج ص۲۸۲) نے بیس[۲۰] شمار کئے ہیں جو ان کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جا سکتا ہے۔ ان بیس میں چھ اپنے چچا کے ساتھ گئے اور باقی نہ گئے۔ جانے والوں میں ایک تو حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی ان کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے۔ دوسرے طلحہ بن حسنؓ تھے جن کی والدہ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبید اللہؓ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کر لیا تھا اور ان کے بطن سے فاطمہ بنت الحسینؓ تھیں۔ تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے۔ یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ ان تین کے علاوہ زید و قاسم و ابو بکر فرزندان حسن بن علیؓ بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مورخین و نسابین نے کیا ہے۔ عمدۃ الطالب کے مولف فرماتے ہیں کہ زید نے اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے (وتخلف عن عمہ، الحسین فلم یخرج معہ الی العراق (ص۴۹) مگر یہ صحیح نہیں زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندان علیؓ و عقیل و جعفر ابنائے ابو طالب کے تقریباً ۷۵ اشخاص میں سے جو زمانہ خروج میں اس سن و سال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے: ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک قافلہ ہوئے اور ان میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے و چچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی

رکھتے تھے۔

حضرت حسین رض کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے۔ مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السول فی مناقب آل الرسول میں حسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (صفحہ ۵۳۲) آپ کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں۔ مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے۔

حضرت حسین رض نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کئے ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں ملتے ہیں۔ کنیزوں وجواری کے علاوہ۔

۱۔ آمنہ بنت ابی مرہ بن عروہ ثقفی (حضرت ابوسفیان رض کی نواسی اور امیر معاویہ رح کی پھپیری بہن، ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے (طبری وکتاب نسب قریش و المعارف وغیرہ)

۲۔ سلافہ سندھیہ خاتون جو ام ولد تھیں (ان کے بطن سے علی بن الحسین زین العابدین رح تھے۔ ان کی والدہ کا نام جو شہربانو دختر یزدجرد بتایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ (طبری والمعارف وغیرہ تحقیق مزید مؤلفہ راقم الحروف)

۳۔ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبید اللہ، ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں۔ (کتاب نسب وقریش وجمہرہ ابن حزم وغیرہ)

۴۔ رباب بنت امرؤالقیس کلبیہ جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں۔ عبداللہ طفیل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے (کتاب المعارف وکتاب نسب قریش وغیرہ)

۵۔ حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق (کتاب المحبر صفحہ ۳۹۴) محمد بن الحسین غالباً ان کے بطن سے تھے۔

۶۔ دختر ابومسعود انصاری (کتاب المحبر صفحہ ۳۹) ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں۔

۷۔ خاتون از قبیلہ بلی (قضاعہ) ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے (کتاب نسب

قریش صفحہ ۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

بروایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ ونام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود۔ (صفحہ ۵۳۳)

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی۔

الامامہ والسیاسۃ کے مولف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمہ محمد کو پسران حسین رض میں شمار کیا ہے (صفحہ ۵۳۲) پسران حسین رض کس سن وسال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے علی الاوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مورخین ونسابین اس بات میں متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدین رح) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ ان کی زوجہ ام عبداللہ بنت حسن بن علی رض سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں ان کے ساتھ تھے۔ حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کنیت تھی (کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹) مکذوبہ روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا اسی طرح حضرت حسین رض کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن رض کو جو مسلم بن عقیل رض کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمروں کے تھے کم سن بتایا ہے محض اس غرض سے کہ یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے ان کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسین رض کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس لئے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے۔ اس ظالم کو رحم آگیا قتل سے باز رہا، کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات تیئس ۲۳ چوبیس ۲۴ اور بیس ۲۰ اکیس ۲۱ برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کمسن بتاتے ہیں:۔

(۱) واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل (طبری ج ۶ صفحہ ۲۶۰)

(اور علی بن الحسین بن علی رض چھوٹی عمر کے سمجھے گئے اور قتل سے بچ گئے)

(۲) واستصغر الحسن بن الحسن بن علیؓ واستصغر عمرو بن الحسن بن علیؓ فترک فلم یقتل (ج ۲ ص ۲۷)

(اور حسن بن حسن بن علیؓ اور عمرو بن حسن بن علیؓ چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے)

علامہ موصوف سے پوچھا جا سکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص کو تو چھوڑ دیا قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفل شیرخوار عبداللہ بن حسین کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں قتل کیا اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اور تو کسی مقام پر نہ لگا، لگا تو معصوم کے سپید حلق پر (حلق آں معصوم زد جلاد العیون) تاریخ یعقوبی کے مؤلف نے تو اس بچہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ وقد ولد له فی تلك الساعة حضرت حسینؓ نے اس نومولود کے کان میں اذان دینے کے لئے اس وقت کہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار تھے۔ لواقفه علی فرسه اپنی گود میں لے لیا تھا۔

اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمال حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادران مسلم کے عاقبت نا اندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی نحوتوا مع اخیہم فقتلوا (الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۷) اور یہ حادثہ پیش آگیا۔ اسی غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے "محمد بن حسین بن علیؓ" بتایا ہے انہوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔ اور اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حادثہ یکایک پیش آگیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور باحترام تمام خلیفہ کے پاس جو ان کے عزیز و قرابت دار تھے بھیج دیا گیا۔

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پس ماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے — نام	عمر تخمیناً	کیفیت
۱	حسین بن علیؓ	۱۔ علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس " "	۲۔ حسین الاکبر بن "	۴ "	
۳	عثمان " "	۳۔ محمد " "	۳ "	
۴	جعفر " "	۴۔ محمد بن حسینؓ	۱۸ "	
۵	عبداللہ " "	۵۔ جعفر " "	۱۴ "	
۶	علی اکبر " حسینؓ	۶۔ عمر " "		
۷	ابوبکر " حسنؓ	۷۔ زید بن حسنؓ	۳۰ "	
۸	قاسم " "	۸۔ حسن مثنیٰ بن حسنؓ	۲۱ "	
۹	عبداللہ " "	۹۔ عمرو " "	۲۰ "	
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰۔ طلحہ " "	۱۵ "	
۱۱	محمد " "	۱۱۔ فضل بن عباس بن علیؓ	۱۰ "	
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیلؓ	۱۲۔ عبید اللہ بن عباس بن علیؓ		
۱۳	عبدالرحمٰن " "	۱۳۔ حسن " "		ان میں کون نابالغ تھا اور
۱۴	عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ	۱۴۔ علی بن مسلم بن عقیلؓ		کون نابالغ معلوم نہ ہو سکا
۱۵	مسلم بن عقیلؓ (مقتول کوفہ)	۱۵۔ محمد بن مسلم "		
		۱۶۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اکبر بن عقیلؓ		مقتولین میں چند نام بعض
		۱۷۔ مسلم " "		کتب میں اور درج ہیں
		۱۸۔ عقیل " "		لیکن کتب انساب کی تصریحات
		۱۹۔ محمد " "		سے تصدیق نہ ہو سکی۔
		۲۰۔ سعید بن عبدالرحمٰن بن عقیلؓ		
		۲۱۔ عقیل " "		

جو حقائق اب تک پیش کئے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اس سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کر دینا مناسب ہے مثلاً جناب ملا باقر مجلسی کا یہ فرمانا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزید جو پہلے حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کئے جانے کا حال سن کر بے پردہ نکل آئی اور یزید کی مجلس میں پہنچ کر واویلا کرنے لگی "پردہ دریدہ از خانہ بیروں و دیدہ مجلس آں آمد (جلاء العیون)، قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزیدؒ کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ ان کا نام ام کلثوم تھا۔ ان ام کلثوم دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمر و عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عاتکہ جو امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں۔ امیر یزیدؒ کے یہ خسر حضرت عثمان ذی النورینؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد اور منتظم تھے ان ہی کی بہو حضرت علیؓ کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔ جناب ملائے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ ام محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسینؓ کی بھتیجی تھیں ان کے چچا کا سر اس طرح اگر ان کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ "پردہ را دریدہ از خانہ بیروں و دید" ہی پر اکتفا کرتیں اور ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کر لیتیں جس نے ان کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہو اور گھر پر آویزاں کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزیدؒ کا حضرت حسینؓ سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیج داماد تھے۔ بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی حقیقی پھپھیری بہن کے شوہر ہونے سے ان کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حسین امیر یزیدؒ کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کے ماموں کے پاس اور بہنوی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبیداللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں۔ جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے ایسا کوئی فعل کر سکتے تھے۔

مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت نہیں اور

اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کئے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرّہ و حصار ابن زبیرؓ

حادثہ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن و امان و خوشی کا دور دورہ تھا۔ تمام امور مملکت بحسن و خوبی انجام پا رہے تھے صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ میں ابن زبیرؓ کا قیام تو تین برس پہلے سے اس وقت سے برابر رہا جب عامل مدینہ نے انہیں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے بلایا تھا وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کرو گے ہم بھی آموجود ہوں گے اور "بیعۃ سلیمۃ صحیحۃ" کریں گے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۱۶) مگر رات ہی رات مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اور یہاں پہنچ کر اپنے کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے۔ حضرت حسینؓ بھی اسی طرح یہاں آ گئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی انہیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں ان کی موجودگی سے اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا انہیں مشکل تھا۔ حضرت حسینؓ جب ختم ہو گئے تو عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائیاں تیز تر کر دیں۔

حکومت تمام کارروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام ان کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مورخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے انہیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجئے آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد و عبادت گذاری کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں اب کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخر فقرہ یہ تھا۔

ولا تبطل ما قدمت من حسن	جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں، انہیں باطل
ولا تدخل فیہ الناس ولا تردھم فی	تو نہ کیجئے لوگ جس بیعت میں داخل

فتنة ولا تحل حرم الله۔ (انساب الاشراف بلاذری ج۵ ص۱۶)

ہو چکے آپ بھی داخل ہو جائیے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے اور حرم اللہ (کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔

مگر انہوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے۔ (فکتب ابن الزبیر یدعوہ الی الشوریٰ) گویا جو فرد ملت تین برس سے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے!

کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے (وحلف الا یقبل بیعة الا فی جامعة) عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے۔ اس زمانہ میں پولیس افسر خود ان کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اموی خاندان کے نواسے بھی تھے:۔

وکان عمرو بن الزبیر وامه امة بنت خالد بن سعید بن العاص علی شرطة (ج۵ ص۲۳ ایضاً)

عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔

مدینہ کے عامل نے بتعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو ان کے بھائیؓ کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے (ج۵ ص۲۶ ایضاً) عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے، ان کے بھتیجے یعنی عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور ان کے ساتھیوں سے ملنے آئے عمر نے اپنے بھائی کو بیعت کر لینے کے لئے پیغام بھیجا۔ (وارسل عمرو الی اخیہ فی بیعة یزید) اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیا، بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے فرمایا۔

مانی علی طاعة یزید وقد بایعت عامل مکة حین دخلها۔ (ص۲۶ ایضاً)

میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ پر ان کی بیعت کر چکا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہدیا گیا ہو اس جواب پر پولیس افسر حملہ میں آ گئے پھر

ان کی جماعت پر یکایک حملہ ہو گیا، وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انہوں نے ہی انہیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت ان کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں ان کو دی گئیں۔ نہایت بے رحمی کے ساتھ کوڑوں سے مارپیٹ کی گئی بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی (الانساب الاشراف بلاذری ج۵ ص۲۶) پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دی جائے فامر به عبد الله فکان ذالك اول ما نعمته الناس (انساب الاشراف ج۵ ص۲۹) اس حادثہ کا بہت کچھ چرچا ہوا مرثیے لکھے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال و زر جمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا یا اس سے کم ہے۔ (وانما بطنی شبرا واقل (ص۳۲ ایضاً) شعراء نے ان کے دعوے اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔ آپ کسی چیز کے طالب بھی نہیں آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں سنت فاروق و صدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ کے کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں، جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان ہوا ہے

تقول لنا ان سوف یکفیك قبضة ✽ وبطنك شبرٌا واقل من الشبر

وانت اذا ما نلت شیئًا قضمته ✽ کما تقضمت نار الغضی مطب السدر

لکم سنة الفاروق لا شیٔ غیرها ✽ وسنة صدیق النبی ابی بکر

فلو ما اتقیت الله لا شیٔ غیرہ ✽ اذا عطفتك العاطفات علی عمرو

پولس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو بنا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انہوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ مگر حضرت موصوف نے اس عامل ہی کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ

چال چلی کہ اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ ارسال کیا، جسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ:

ثم ان ابن الزبیر عمل بالمکر فی امر الولید بن عتبۃ فکتب الی یزید بن معاویۃ انک بعثت الینا رجلاً مفوق لا یتجہ لامر رشد ولا یرعوی لعظۃ الحکیم ولو بعثت الینا رجلا سہل الخلق لین الکنف رجوت ان یسھل من الامور ما استوعر منھا وان یجتمع ما تفرق فانظر فی ذلک فیہ صلاح خواصنا وعوامنا ان شاء اللہ۔ والسلام۔ (طبری ج ص)

پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر وحیلہ سے کام لیا اور یزید بن معاویہؓ کو خط لکھا کہ تم نے کس بے وقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں خدا نے چاہا تو عام وخاص کی بہتری ہے۔ والسلام۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس چال کو امیر المومنین ان... اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے [illegible] سے اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کرکے عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کا تقرر کر دیا جو نوجوان و ناآزمودہ کار تھے اور معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو اب اچھا موقع مل گیا، سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امیر المومنین کے وفادار سعد مولی عتبہ بن ابوسفیانؓ نے ان کے لوگوں کی مقاومت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور حرم میں لا کر ان کی گردنیں ماردیں (وضرب اعناقھم فی الحرم۔ بلاذری ج ۴ ص ۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا:

... عباس لو لقیت قاتل ابی بالحرم ما قتلتہ۔ (ص ۳۰۳ ج انساب الاشراف)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پاجاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جب حرم میں انہوں نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے۔ امیر المومنین یزیدؒ کو ان افسوسناک حالات کی اطلاع ہوئی، تشدد کرنے کے بجائے بعض صحابہؓ کا وفد ابن الزبیر کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا، جس میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ وحضرت عبداللہ بن عصامؓ الاشعری وحضرت الحصین بن نمیر السکونیؓ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان من عبد اللہ یزید امیر المومنین الی اھل المدینۃ (اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت کی اور اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وحملتکم علی راسی ثم علی عینی ثم علی نحری (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۳) یعنی تم کو میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر۔ مگر میرے علم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے ؎

أَظُنُّ الحِلْمَ دَلَّ عَلَیَّ قَومِی ‏ وَقَدْ یُسْتَضْعَفُ الرَّجُلُ الحَلِیْمُ

میں سمجھتا ہوں کہ علم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کر دیا ہے۔ اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔

وَمَارَسْتُ الرِّجَالَ وَمَارَسُونِی ‏ فَمُعْوَجٌّ عَلَیَّ وَمُسْتَقِیْمُ

میں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی۔ تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر۔

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ وفساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمانؓ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتے ہو۔ وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیر المومنین نے پھر کوشش کی کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے، اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھ کر بھیجا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے

لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور استمالت قلب کریں۔

فکتب یزید الی عثمان ابن محمد بن ابی سفیان عامله ان یوجه الیه وفد الیستمع مقالتھم ویستمیل تلوجھم (انساب الاشراف ج۴ ص۳۱)

یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کو تحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں سنیں اور ان کی استمالت قلب کریں۔

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے۔ ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے برادر حقیقی المنذر بن زبیرؓ[1] کو بھی شامل کر لیا تھا (انساب الاشرف ص۳۱)۔

مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ارکانِ وفد کی خوب آؤ بھگت کی گرانقدر عطیات پیش کئے جو ان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گذرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے حالات سے کماحقہ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں۔ بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور ان سے بحثیں کیں، سمجھایا، بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسینؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن الزبیرؓ تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے ساتھ تھے حضرت معاویہؓ کی تدفین میں بھی شریک تھے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت کو انہوں نے ہی غسل دیا تھا بصرہ میں ان کو جاگیر بھی عطا ہوئی تھی اور دکانات بھی ان کے وہاں تھے یہ بعد میں اپنے بھائی نے آملے اور حصار کے معرکہ میں قتل ہوئے۔

موقف اور طرزِ عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المومنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوے خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ احکام شرع و ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہلِ خاندان کو مجمع کرکے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائیگا (بخاری کتاب الفتن ج۲ جزء ۲۹) مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے اپنی تحریک جاری رکھی، بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے ایک سرغنہ تھے باغیوں کے ساتھ رہے، انصاریوں میں سب سے بڑا گھرانا جو عبدالاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا۔ بنو ہاشم میں سے صرف چند حارثی شریک تھے ورنہ بنو عبدالمطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) و علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل جعفرؓ و آل علیؓ و آل ابی بکرؓ میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ ہوا جیسا کہ عام ہنگاموں اور فتنہ و فساد میں ہوتا رہا ہے عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آگیا، دمشق سے واپسی پر کافی رقم ان کے پاس تھی۔ سامانِ حرب کی فراہمی ہونے لگی۔ ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔ بنی امیہ کو پہلے تو محصور کرکے ان پر پانی تک بند کر دیا، طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مرد وزن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گذرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا۔ اخرجواھم باثقالھم واموالھم فمضوا الی الشام (انساب الاشراف ص۳۳)

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے اپنے ذی اقتدار کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے۔ شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی امیہ کی غایت عقیدت مندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔

ان حالات و واقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ دردِ نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی، طشت میں پاشویہ کر رہے تھے، سن کر فرمایا کہ:-

لقد بدّلوا الحلم الذی فی سجیتی	فبدّلت قومی غلظۃً بلیانٍ
میری طبیعت میں علم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا۔	میں نے بھی اب اپنی قوم کے لئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کر لیا۔

اس سختی کی نوعیت بھی یہ تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لئے تجربہ کار فوجی افسروں کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے۔ افسر بالا امیر مسلم بن عقبہ المریؓ تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی، انھوں نے اس خلعت کو بخوشی قبول کیا۔ جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ و فساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصینؓ[1] بن نمیر السکونی (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۷) امیر عبد اللہ بن غسام الاشعری (الاصابہ ج ۲ ص ۳۴۶) و امیر عبد اللہ بن مسعود تصفاری (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۱) اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اردن تھے انکے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبد اللہ بن زبیرؓ کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے۔ ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرہ کا جو بنی امیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا یہ بیان ہے کہ جب [illegible] روانگی کے لئے تیار ہو گیا امیر المومنین اسے رخصت کرنے خود آئے تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر لٹکائے ہوئے تھے، لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو تبغیر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں؛

---

[1] بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے، یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ حصین حمص کے والی بھی رہے تھے اور اس زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے بھی لکھا ہے صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے یزید اور ان فرزند معاویہؓ بھی اپنے زمانوں میں والی رہے تھے۔

یہاں بلاذری و طبری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ابلغ ابا بکرٍ اذا اللیلُ سُرَیٰ	وھبط القومُ علی وادی القرای
میرا پیغام اسوقت ابو بکر (کنیت ابن زبیرؓ) کو پہنچا دینا	جب دیکھنا کہ رات ہو گئی اور وادی القری میں فوج اتر پڑی،
اجمع سکرانٍ من القوم تری	ام جمع یقظانٍ نفی عنہ الکری
کیا یہ مست و سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے	یا یہ لوگ بے خواب و بیدار ہیں جنہوں نے نیند کو پاس آنے نہ دیا
یا عجبًا من مُلحدٍ یا عجبا	مخادعٍ فی الدین یقفو بالعری
مجھے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنیوالے) سے تعجب ہوتا ہے۔	جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا۔ مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال او رقۃ او السلاح او طعام فھو للجند) یہ لشکریوں کے لئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالی روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا، جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ "دیکھو علی بن حسینؓ سے مراعات سے پیش آنا ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آگیا ہے" امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہتے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:-

"اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو، تمہارا خون

بہانا انھیں گوارا نہیں۔ تمھارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا اور حق کی طرف رجوع کرے گا۔ ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانو گے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کرچکے۔"

تین دن گذرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے اہلِ مدینہ اب تین دن ہوچکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو؟" اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے۔

فقال لھم لا تفعلوا بل ادخلوا فی الطاعۃ ونجعل حدّنا وشوکتنا علی ھذا الملحد الذی قد جمع الیہ المراق والفُسّاق من کل اوب (طبری ج ۷ ص ۸)

(امیر مسلم نے اہل مدینہ سے کہا، دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے!

فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی جو احکامِ شرع کی خلاف ورزی کررہے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں۔ پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس تھے صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مسلم نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ فاتقوا اللہ فی انفسکم۔ انھیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا۔ انھیں بھی گالیاں دیں (فشتموہ وشتموا یزید)

مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی۔ سب شہر باغی نہیں تھا۔ بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنھوں نے وقتی ہنگامہ بپا کرکے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کرلی تھی۔ پھر مورچہ بندی کی تھی۔ ان کی عسکری قوت کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل اس طرف آباد تھا۔ یہ گھرانا باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حامی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے

حریف کا مقابلہ کرسکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر ہر طرف حفاظتی دستے متعین کرسکتے۔ فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو، جیسی اس وقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ ان کو غرّہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارض پاک کے رہنے والے ہیں ان کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہوسکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کی تھی۔ فرمایا تھا۔

اعلم انک تقدم علی قوم ذوی جہالۃ واستطالۃ قد افسدھم حلم امیر المومنین معاویۃ وظنوا ان الایدی لا تنالھم (انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۴)

یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جارہے ہو جو نادان و ناسمجھ، شیخی خورے اور اکھڑ ہیں۔ جنھیں امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔ اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا، باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے۔ وجعل اھل الشام یطوفون بہا رجب اہل شام خندقوں کا پھیرا لگانے لگے، تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا والناس یرمونھم بالحجارۃ والنبل من فوق الآکام والبیوت (الامامہ والسیاسۃ ص ۲۲۲) اتنے میں بنو عبد الاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلم کو مشورہ دیا کہ ان کے محلے سے فوج گذار کر شہر پر قبضہ کرلیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی انھوں نے رستہ دیدیا۔ ففتحلہ طریقاً (ص ۲۲۲ ایضاً) تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہوگئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبد اللہ بن مطیع بھی تھے (فر ابن مطیع فلحق ابن الزبیر) (ابن مطیع فرار ہوگئے اور ابن زبیرؓ سے جاملے) چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے خود فرماتے ہیں۔

اما الذی فُوِّدتُ یوم الحرّۃ والشیخ الایفرّ الامرّۃ لاجزیَنَّ کرّۃ بفرّۃ

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ دو ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بے دریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جو

بعد کے مسلمانوں کو برا فروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت وحرمت پر حرف لانے کے لئے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جہاں صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجیں داخل ہوئی ہوں۔ ان اموی اسلامی افواج نے سیکڑوں شہر فتح کئے۔ روم وایران و دیلم و بربر میں ان اموی اسلامی فوجوں کا نظم وضبط مفتوح اقوام کے لئے حیران کن رہا ہے تو خاص کر مدینہ میں امیرالمومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہوسکتی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ وحصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی لیکن ان روایتوں میں اشارتاً وکنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی کا یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں طبری کی جلد ۷ صفحہ ۵ لغایتہ ۱۴ پر انہی دو راویوں کا قال ابو مخنف وقال ہشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بے دریغ قتل کرنے کا ذکر تو درکنار اشارہ بھی نہیں۔ بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابو مخنف وہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں لیکن اشارتاً وکنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے ان کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کئے ہیں جو ابو مخنف وہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کئے ہیں کہ جب باغیان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیرالمومنین نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہو گیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا۔ امیر روح بن زنباع الجزامی کو مدینہ کے انتظام کے لئے متعین کیا۔ نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل مقام پر وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے، ۲۷ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ امیرالمومنین

کی قسم کو پورا کر دیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا، چاہیں گے تو انہیں حجاز کا والی بنا دیا جائے گا۔ (انساب الاشراف ص ۵۴) مگر ان لوگوں نے الٹا جواب دیا۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام میں سے تین شخص مارے گئے۔ اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح ہوئے اور چار قتل (ص ۵۴ ایضاً) ابن زبیرؓ کے لوگوں میں سے کسی شخص کی بے احتیاطی سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا، بلاذری ہی کی روایت احراق کعبہ کے بارے میں ہے کہ:-

ان رجلا من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ نارا فی خیفة علی راس رمح فی یوم ریح فطارت شهرة تعلقت باستار کعبة فاحرقتها (ص ۵۵)	ابن زبیرؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھا رکھا تھا اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی چنگاری غلافِ کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

تقریباً یہی روایت طبری میں بھی بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے۔ (ج ۷ ص ۱۰) دو ہفتے چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیرالمومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا۔ اور خلافت کا فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گزرا حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ لے کر آئے۔

فاستقبله علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ومعه قت وشعیر..... فسلم علی الحصین فقال له علی بن الحسین هذا علف عندنا فاعلف منه دابتک فاقبل علی علی عند ذالک بوجهه فامر له بما کان عنده من علف۔ (طبری ج ۷ ص ۱۷)	علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر) کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے۔ انھوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسینؓ نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑوں کے لئے لے لیجئے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں۔ حضرت زین العابدینؒ نے اموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ

بنفس نفیس لاکر اس وقت پیش کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی۔ مظالم کربلا و مظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لاکر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب

امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کی سرحدی علاقہ میں تھی۔ رومی و بزنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسوی مذہب کے پیرو تھے شیوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اصبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے تبلیغ کے لئے بھیجا تھا یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا۔ تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعت کثیرہ مذہب اسلام قبول کیا اور حضرت عبد الرحمن نے اس کی دختر تماضر کلبیہ سے نکاح کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفۃ الکلبی جو سفارت نبوی کی خدمات بھی سر انجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دوہری قرابت تھی یعنی آپ کی چچیری بہن سیدہ برا بنت عبد العزیٰ ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفۃ الکلبی سے نیز ان کی بھانجی **خولہ بنت الهذیل** سے نکاح بھی کیا تھا۔ لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی **فوت ہو گئی تھیں** (کتاب المحبر ص۹۳) ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زائرا اور حضرت وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔ حضرت قطنؓ بن زائرا اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے لئے فرمان لکھوایا جس میں اقامة الصلوٰة لوقتها وایتاء الزکاة لحقها یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکاۃ ادا کرنے کی ہدایات تھیں جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت و مناکحت برابر قائم تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافصہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ لہ صحبة وهو ختن عثمان بن عفان (الاصابہ ج۳ ص۲۰۲) یعنی وہ (الفرافصہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے خسر تھے ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافصہ بھی مسلمان تھے اور انھوں نے ہی اپنی ان بہن کا جو خود بھی مسلمہ تھیں حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

وضب بن الفرافصة اسلم و هو انكحها وهي مسلمة۔ (ص۴۲۴ جمهرة الانساب ابن حزم)

اور ضب بن الفرافصہ اسلام لائے اور انھوں نے ہی اپنی بہن نائلہ کا نکاح حضرت عثمان سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ایک خسر امرؤ القیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اعظم کے دست حق پرست پر اسلام لائے ان کی تینوں بیٹیاں محیاۃ، سلمیٰ، اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں ان کی اور ان کے بطن سے جو مستورہ صاحبزادی سیدہ سکینہ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسینؓ کے تین شعر اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا مذکور نہیں۔ نہ والدہ علی اکبر کے لئے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر زین العابدینؓ کے لئے جو سلافہ نام نسباً سندھی تھیں ام ولد تھیں وہ شعر یہ ہیں۔

لعمرك انني لا احب دارًا
قسم تیری جوانی کی میں اس گھر سے بلاشبہ محبت

قصيفهما سُكَينَةُ وَالرَّبابُ	کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی
أُحِبُّهُمَا وَابْذُلُ لَعَدَ مَالى	ہوں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں
وَلَيسَ لِلَائِمِي فِيهِمَا عِتَابُ۔	کسی ملامت کرنے والے کے لئے ملامت کا
ولستُ لَهُم وَاِن عتبوا مُطِيعًا	موقع نہیں ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر
حَيَاتِي اَو يُغَيِّبنِي التُّرَابُ	نہیں سننے کا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے

(ص۱۹۹ ج ۱۲ الطبری)

ان سکینہ کے ایک شوہر مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں الغرض ان چند رشتوں کے بیان کرنے سے راقم الحروف کا مقصد اس امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ اکابر صحابہ ومنادید قریش بنو کلب کی خواتین سے جو صفات نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانے سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ جہاں خود انھوں نے اور ان کے اہل خاندان نے شاندار اسلامی وملی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ تھی، ان کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف سے دو بیٹے ہوئے ایک عبدالرحمن جو صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اور دوسرا عبداللہ جو ضعیف العقل تھا۔ اس لئے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کر رہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو۔ اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو ایسی ایک دوشیزہ بنو کلب کے سردار بجدل بن انیف الکلبی کی دختر تھی۔ اس کلبی سردار بجدل کے جد اعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے، عدی وعلیم وزہیر عدی کی نسل سے حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ تھیں، علیم کی نسل سے حضرت علیؓ وحسینؓ وحسنؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار اور اس کی دختر میسون تھی جو حسن وجمال کے ساتھ عقل ودانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:-

وکانت امیسون) حازمتعظیمۃ الشان	اور وہ امیسون) زیرک ومحتاط،
جمالاً ودیانۃً دمقلاد دینًا۔	حسن وجمال نیز ریاست وسرداری عقل

وفراست اور دینداری میں عظیم الشان تھی۔ (ص۱۴۵ البدایہ والنہایہ ج ۸)

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنو کلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لئے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے سیاسی اغراض کے لئے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بجدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اکیدر بن عبد الملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں بھی تھا۔ یہ وہی اکیدر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پیش کیا تھا جب آپ غزوہ تبوک سے مدینۂ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ نے اکیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا۔

وعرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم	اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
الاسلام علی اکیدر فاسلم واصبح	اکیدر کو اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوئے
لہٗ حلیفًا۔	اور (اپنے قبیلہ کی) حلیفی کا عہد تام کیا۔

(ص۴۲۴ حیات محمدؐ مولفہ محمد حسین ہیکل)

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے (ص۶۱ معجم البلدان بلاذری)، دوسرا بھائی بشر بن عبدالملک عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے بہرہ یاب تھا۔ حضرت معاویہؓ کی پھوپی الضہباء بنت حرب بن امیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہو گیا تھا۔ اور اہل مکہ نے اسی سے نوشت وخواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی یہ رشتہ زوجین کے لئے مبارک ہوا۔ اس کلبیہ خاتون کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب وہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام انھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابو سفیانؓ کے نام نامی پر جنھوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا یزید رکھا۔

سنِ ولادت

علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں:-

فتزوجہا معاویۃ ولدت لہٗ	پس (حضرت) معاویہؓ نے دوشیزہ میسون سے

خلیفاً حاذقاً۔ | معاویہ پیدا ہوا جو فطرتاً عجیب و ذکی اور تیز فہم تھا۔
(ص۸۰ ج البدایۃ والنہایۃ)

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں، بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت سنہ ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی۔ دوسری روایت میں سنہ ولادت سنہ ۲۵ھ ہے علامہ ابن کثیرؒ سنہ ۲۲ھ کے حالات کے سلسلے میں کہتے ہیں:۔

وفیھا ولد یزید بن معاویۃ و عبد الملک بن مروان۔ | اور اس سنہ (سنہ ۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبد الملک بن مروان پیدا ہوئے۔
(ص۲۵ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سنہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبد الملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی و محاسن موروثی و اکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا (ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)۔

خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت و علو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے ؎

بالائے سرش زہوشمندی | می تافت ستارۂ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کے ایک یا دو اولادیں اور بھی ہوئیں، یہ دونوں بیٹیاں تھیں ایک کا نام امۃ المشارق تھا جو خورد سال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھیں جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے عقد میں آئیں اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ تھیں جو زید بن عمرو و عثمانؓ کی زوجیت میں آئی تھیں (ص۹۴ کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ) امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر میں اپنی انہی بہن رملہ کے اپنے محترم والد کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس سے قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا اور وہ شعر یہ ہے۔

مما انتجینا و باب الدار منصفق | بصوت رملۃ ریع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دینداری

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں دربار عام سے اٹھ کر زنانخانے میں آئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا سیدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا:۔

ودخل معاویۃ علیھا (ای میسون) یوماً معہ خادم خصی فاستترت منہ وقالت ما ھذا الرجل معک فقال انہ خصی فاظھری علیہ فقالت ما کانت المثلۃ لتحل لہ ما حرم اللہ علیہ وحجبتہ عنھا۔
(ص۱۴۵ ج البدایۃ والنہایۃ)

ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے اس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انھوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہ سے پوچھا) یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انھوں نے جواباً کہا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو اس پر (سیدہ میسون نے) کہا کہ زنخا ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہوسکتا۔ پھر انھوں نے اس سے پردہ کیا۔

ایسی دین دار اور پابند احکام شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور نخیف روایتیں وضع کی ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی یہ زوجہ سیدہ میسون اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ نائلہ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں (Free thinking Christians) (ص۱۹۵ تاریخ عرب مولفہ ہٹی بحوالہ اغانی) بنو کلب کی صرف ان دو خواتین کے بارے میں جو خاندان بنی امیہ میں حضرت معاویہؓ و حضرت عثمانؓ کے حبالہ عقد میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ و سیر سے نہیں بلکہ ادبیات اور مقول اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً اغانی سے اور اغانی کے مولف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن ان ہی خواتین کی ہمجد و ہمعصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو بنی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں۔ ایک اور کذب بیانی

سیدہ میسون کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ دختر صحرا" شہر کی محلاتی زندگی ومعاشرت پر بدوی وصحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر بھی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان اشعار کو سن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیجدیا۔ جہاں بادیہ شام میں یزیدؒ نے ایک عیسائی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی (ص۱۹۶ تاریخ ادبیات عرب مولفہ نکلسن) اس کذب بیانی کی تائید میں یہ نو شعر والدہ یزید سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے۔ اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ میں لفظ "میسون" کے تحت محقق لامنز (Lammens) کا یہ قول درج ہے۔ ھذا الابیات لیست لمیسون ولیس الصحیح ان ھی قائلتھا یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ شعر اس نے کہے ہوں۔ تاہم ان سے بدوی خواتین جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہوں گی عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابو الفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں، نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیف ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصہ دوم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں ان کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کے ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب ومعنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

الصخة بنت البادية	دختر صحرا کی پکار
لبیت تخفق الارواح فیہ	خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
احب الی من قصر المنیف	۔۔۔والوں سے ہے بڑھکر پر فضا میرے لئے

ولبس عباءۃ تقر عینی	رکھتی تھی بے چین مجھ کو اگرچہ وہ ا
احب الی من لبس الشفوف	نرم جامے سے بھی تھی راحت فزا
واکل کسیرۃ فی کسر بیتی	خشک ٹکڑے کھانا خیمے کے ا
احب الی من اکل الرغیف	بڑھ کے نان تازہ سے ہے خوش مزا
واصوات الریاح بکل فج	وادیوں میں ہے ہوا کی سنسناہٹ
احب الی من نقر الدفوف	دف و نقارہ سے بڑھ کر خوش نوا
وکلب ینبح الطراق عنی	بھونکنا کتے کا نو آمدہ مہماں
احب الی من قط الوف	گربۂ مانوس سے بھی خوش نوا
وبکر یتبع الاظعان سقباً	بار اٹھائے پشت پر یہ بن یہ
احب الی من بغل زفوف	تیز رو خچر سے بھی ہے خوش
وخرق من بنی عمی فقیر	سیدھا سادہ نیک دل غربت
احب الی من علج عنیف	اجنبی سرکش میاں سے خوش اد
خشونۃ عیشتی فی البدو اشہی	زندگی صحرا کی گو کٹتی ہی ہو اتکا
الی نفسی من العیش الطریف	خوش گوار اس ناز و نعمت سے
فما ابغی سوی وطنی بدیلا	اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ
فحسبی ذاک من وطن الشریف	ہے وطن کی سرزمین راحت فزا

سیدہ میسون جیسی دین دار وعقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسو کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین سلسلے میں وضع کیں۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی "حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سن لیا تو گانے والی کوا پچیرے بھائی اور اس کے محبوب صحرا بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے یزید کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب تک کریہ علی خفیف (منڈ منڈ گدھا) اپنے باپ دادا کے پاس دوسرے جہاں میں پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شوگوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت وحقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔ اس کے ساتھ برٹن نے یہ

لکھا ہے کہ "اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سن کر مزو دہل جائینگے
کہ اس ذی فہم خاتون نے اپنے شوہر کو (FATTED ASS) (مسٹنڈ گدھا)
تک کہہ ڈالا ہے "

(ج سفرنامہ مکہ ومدینہ، سر رچرڈ ڈالف برٹن)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی وافترا پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ
تک نئے نئے روپ میں ہوتا رہا۔ بایں ہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال
ن ہوسکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں ان
یث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں
بت محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین بن الحسین رض) بھی ہیں (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف
اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب ورجال وسیرا اور یزیدؒ کا بدو شعور سے
محترم والدہ کے آغوشِ محبت ودامنِ تربیت میں پرورش پانا روز روشن کی
ثابت ہے جس کے بعض حالات وواقعات دوسرے اوراق پر آپ ملاحظہ
چکے ہیں۔

یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اموی
و ہاشمی گھرانوں کے خاندانی دستور کے مطابق بسر ہوا حجاز سے باہر
ن بھی سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی
رکے پابند رہے کہ خورد سال اطفال کو بدوی دایوں کی پرورش میں دیدیتے
آب وہوا یوں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشوونما کے لئے بغایت
ہوتی بچپن سے محنت ومشقت اور سادہ وبے تکلف زندگی کی عادت
جاگ دوڑ اونٹ گھوڑے کی سواری وصید افگنی میں مہارت حاصل کرتے
عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں رہ
تے۔ یزیدؒ کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم
لمائی ریتا آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اموی خلفا کے بچوں کی
ن گاہ بن گیا تھا۔ امیر المومنین عبد الملکؒ وامیر المومنین ولید ثانی نے اس
بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو "البادیہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔

امیر یزیدؒ کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اس کے بعد ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری وصید افگنی میں مہارت کرنا معمولی وقدرتی بات تھی۔ مگر دشمنا عین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں روایتیں وضع کیں۔ کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں۔ کبھی یہ کذب کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر میکے چلی جہاں یزیدؒ نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ۔ من الھفوات یہ سب تہمت تراشیاں قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار تہمت شعار "مورخ" کس درجہ الفاظ میں امیر المومنین کی سرا وہ عصمت وعفاف پر جو خود بھی بڑے زبرد عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیرؒ بڑی دانشمند دین و پابند شریعت خاتون تھیں سب وشتم کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس نقل کئے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افترا پردازی ہے ان مولفات میں بھی کی گئی ہے جن کو "تاریخ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مورخ

"مادر یزید۔۔۔ میسون نام داشت و دختر بجدل (بن) انیف کلبیہ بود و از سفاح غلام بجدل حامل گشت وچوں از بادیہ بسرائے معاویہؓ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہؓ شوی نخستین نبود واز میسون مہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لاجرم وقتے یزید متولد شد معویہ او را پسر خویش دانست واز ایں پس دل بر یزید معاویہؓ را بجا گفت دیگر ایں رقمت۔ (ص ۹۵ جلد ششم از کتاب دوم تاریخ التواریخ مطبوعہ ایران)

یزید۔۔۔ کی ماں کا نام میسون تھا بجدل (بن) انیف کلبی کی بیٹی تھی بجدل کے غلام سے اس کو زنا کا حمل اور جب وہ بادیہ سے معاویہؓ کے آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا کہ معاویہؓ اس کا اولین شوہر نہ تھا اور نے میسون سے پردۂ بکارت کا مطا نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو نے اسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے نا ناتی ہوگئی اور اس نے معاویہؓ اور حوارین کو چلی گئی۔

نسں مفتری کذاب کو کیا کہا جائے؟

وتربیت یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین وفطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ نے برسبیل تذکرہ لکھدیئے ہیں اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات میں امتیازی درجہ حاصل کرلیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے۔ اور خطبات لیـ ین میں جو خطبے دیتے قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان وحاضر جواب بچپن کا واقعہ ہے ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد ں یہ گفتگو ہوئی۔

لہ مودبہ :- اخطأت	اتالیق نے کہا: اے لڑکے تو نے خطا کی۔
۲-	
یزید :- الجواد یعثر	یزید نے کہا :- اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے
المودب :- ای واللہ فیستقیم۔	اتالیق نے کہا :- ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے۔
یزید :- ای واللہ فیضرب سائسہ۔	یزید نے کہا :- ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے۔

۲ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری یروشلم۔

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن دل پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا۔ فوراً در آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزید کو سنائے جو اسی قسم پر آپؐ نے ابومسعودؓ سے فرمائے تھے:۔

إن اللہ اقدر علیک منک	یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھ کو اس پر ہے۔

حدیث سنا کر بیٹے سے فرمایا۔

"تیرا برا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پیٹتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں ان کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور حسن ہے۔"

(ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)

یزید کے زمانہ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی قرآن وحدیث کے علاوہ ادبیات (شعر وشاعری) علم الانساب علماء کی صحبت وخطبات سے حاصل کئے جاتے۔ حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزید کے استاد تھے۔ کان عالماً ولکن غَلَبَہُ النَّسَبُ (تہذیب والتہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا ان پر غلبہ تھا وغفل النسابہ سے مشہور ہیں ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے حضرت وغفلؓ کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔

یقال لہ صحبۃ وقال قرح بن حبیب القرمسی فیمن نزل البصرۃ من الصحابۃ وغفل النسابۃ۔	کہتے ہیں کہ ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ قرح بن حبیب القرمسی نے ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے کہا ہے کہ ان میں وغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔
(ص[illegible] ج الاصابہ)	

ایسے فاضل ونساب صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ حضرت وغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھ کر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہیے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجئے (الاصابہ)

چنانچہ عرصے تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے علوم دینیہ وادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کما حقہ مہارت حاصل تھی۔ جو رومی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ و دلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب اس جویائے علم اموی قریشی نوجوان کو علما (صلحا وصحابہ کرام کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی دمشق کو جب سنہ ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزید کی عمر انیس بیس برس کی تھی

حجاز اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آتے، اکثر ان کے پاس مقیم ہوتے، فرزند امیر المومنین کو ان صحابہ رسول اللہ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے، جو صحابہ کرام دمشق میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن عبد المطلب بن الحارث بن عبد المطلب الہاشمی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور صحابی بن صحابی تھے خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی وفات سے پہلے انھوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اسی کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر بغایت اعتماد ہو۔

عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن ھاشم صحابی انتقل الی دمشق ولہ بھا دار فلما مات اوصی الی یزید بن معاویۃ وھو امیر المومنین فقبل وصیۃ (ص۲۱۳ ج البدایہ والنہایہ والاستیعاب) (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۶۲)

حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن ہاشم صحابی تھے (مدینہ سے) دمشق کو منتقل ہو گئے تھے، وہاں ان کا مکان بھی تھا جب مرنے لگے (امیر) یزید بن معاویہؓ کو انھوں نے اپنا وصی و وارث بنایا وہ اس وقت امیر المومنین تھے اور انھوں نے اس وصیت کو قبول کر لیا۔

خطابت صحابہ کرام و علماء و صلحاء، کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جوان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لئے درسگاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؒ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو یک صندوقچہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے امیر زیاد

نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنے حسن کارگذاری کا موثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر و منتظم ہونے کے علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس نوجوان کو سن کر ان سے نہ رہا گیا امیر زیادؒ کی تقریر کے بعد کھڑے ہوئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد دیکھتے کے رہ گئے۔ وہ فقرے سنانے سے پہلے ناظرین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتداءً دفتری خدمات پر مامور ہوئے تھے، ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابوسفیانؓ بعنوان "زیاد بن ابی سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ" بیان کی ہے کہ زیادؒ کی ماں سمیہ نام ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران) کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کی جوازی میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گزر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا۔ اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیہ کا زمانۂ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابوسفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیقات شرعی تسلیم کیا۔ اور انھیں اپنے والد حضرت ابوسفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے فرماتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا:-

ان تفعل ذالك يا زياد فنحن نقلناك من ولاء ثقيف الى قريش ومن القلم الى المنابر ومن زياد بن عبيد الى حرب بن امية فقال معاوية له اجلس فداك ابي وامي -
(ص۲۳ ج البداية والنهاية)

اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو (تعلی کیوں ہے) کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنھوں نے تم کو (قبیلہ) ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی و رشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی گھس گھس اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا) اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن امیہ کے اخلاف میں شامل کیا (تو پھر تم کیا دن کی لیتے ہو) حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر بیٹے سے کہا۔ بس اب بیٹھ جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان۔

دیکھئے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں "من القلم الی المنابر" گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیاد کی گویا پوری لائف بیان کر دی۔ یہی تو کمال فصاحت و بلاغت ہے۔ "الی الحرب بن امیہ" کہا، ابوسفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا۔ جو ابوسفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ اور فی البدایہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اٹھے روح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی۔

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر ان کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے ان کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیرؒ فصیح و مختصر عبارت میں تھے۔

عزاه بعبارة فصيحة وجيزة شكره عليها ابن عباس۔
(ص۳۰ ج البداية والنهاية)

(یزید نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے، لفظاً تو معمولی ہیں۔ مگر جو لفظ جہاں

آیا ہے گویا نگینہ کی طرح ایسے تناسب سے جڑا ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا:۔

رحم الله ابا محمد اوسع له الرحمة وافسحها واعظم الله اجرك واحسن عزاك وعوضك من مصابك ما هو خير لك ثوابا وخير عقبى :۔

اسلام میں بہترین خطباء کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیب نے سب سے پہلے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ کے نام لئے پھر دو اموی بزرگوں کے پھر عبداللہ بن الزبیرؓ کا اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔
(ص۲۳۱ ج البدایۃ والنہایۃ)

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کی وفات کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔ جامع دمشق میں جب امیر المومنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو عامل دمشق بھی تھے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر پاس ہی آبیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں۔

ثم خرج (يزيد) وعليه اثر الحزن فصعد المنبر واقبل الضحاك فجلس الى جانب المنبر وخاف عليه الحصر فقال له يزيد! يا ضحاك اجئت تعلم بني عبد شمس الكلام؟
(ج۲ ص۱۳۷)

پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر مسجد دمشق میں آئے ان کے چہرے پر رنج کا اثر تھا جب منبر پر چڑھے (حضرت) ضحاکؓ آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ انکو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) ما فی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں یزیدؒ نے ان کے اس شبہ کا احساس کر کے، ان سے کہا۔ اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں آبیٹھے ہیں؟

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کئے ہیں:۔

الحمد لله الذی ما شاء صنع
من شاء اعطی ومن شاء منع
ومن شاء خفض ومن شاء رفع
ان معاویة بن ابی سفیان کان
حبلاً من حبال الله مده ما شاء
ان یمده ثم قطعه حین شاء
ان یقطعه فکان دون من قبله
وخیراً ممن یأتی بعده ولا ازکیه
وقد صار الی ربه فان یعف عنه
فبرحمته وان یعذبه فبذنبه
وقد ولیت بعده الامر ولست
اعتذر من جهل ولا آسی عن
طلب علم وعلی رسلکم اذا کره
الله شیئاً غیره واذا اراد شیئاً
یسره۔

(ص ۲۴۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے جسے چاہے سربلند کرے معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے جب تک چاہا اسے دراز کرے دراز کیا پھر جب سے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کر دیا۔ وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے۔ میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت اور اگر سزا دے تو گناہ کا بدلہ ان کے بعد میں اس امر خلافت کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا۔ اور طلب علم سے مایوس نہیں آپ لوگ سنبھل کر رہیں اور یہ یقین کریں کہ اللہ جس چیز کو مکروہ سمجھتا ہے اسے بدل دیتا ہے۔ اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہے اسے آسان کر دیتا ہے۔

علامہ ابن کثیر رح نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا، واذا اراد اللہ شیئاً کان " یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا جب ارادہ کرے وہی ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوتے تو ایسے متاثر تھے! یزید رح پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنه وهم لا یفضلون علیه احداً (ص ۱۴۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے دیا۔ فخطب الناس اول خطبة خطبها وهو امیر المومنین۔ پس انھوں نے (یزید نے) لوگوں کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیر المومنین ہونے کے بعد پہلا خطبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں پر ہی مشتمل ہو لیکن دیکھئے یہ چند جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے کیسے فصیح و بلیغ و جامع ہیں پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا سیدھے سادے الفاظ میں ذکر ہے۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیر المومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت سے کس موثر پیرایہ میں کیا ہے۔ نہ کسی کی ستائش نہ کسی مزعومہ "حق" کا اشارہ امیر یزید رح اپنے خطبات میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات اور رکوع و سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے ان احسن الحدیث وابلغ الموعظة کتاب الله " (ص ۳۲۸ ج ۲ العقد الفرید)

بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے۔ تقریر کے ان جملوں میں بھی بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔ انتخاب و بیعت خلافت کے سلسلے میں کیسے غلط اور بے اصل اقوال ان سے اور ان کے محترم والد ماجد حضرت معاویہ رض سے منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہ رض کی اس وصیت کو جو اپنے آخر وقت انھوں نے اپنے لائق فرزند کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی (علامہ ابن کثیر نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر کے ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔ قال معاویة لیزید وهو یوصیه عند الموت (حضرت معاویہ رض نے یزید سے کہا اور وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے۔

" اے یزید! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا یہ امر خلافت تمہیں تفویض ہوا ہے اور تم اب اس کام کے با اختیار ہو جس کا یہی تھا۔ تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اس کے خلاف کیا دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے اگر تکلیف وہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمہاری

تنقیص ہوتی ہو تو ان باتوں سے اغماض برتنا اس طرزِ عمل سے تمھیں چین ملے گا اور تمہارے حق میں رعایا کی اصلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمھیں اور تمھاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہل شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا ان کی توہین نہ کرنا۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بیچارگی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب نہ ہونے دینا۔ ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمھارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھیننا اور نہ ان میں کمی کرنا ورنہ وہ تمہارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور تمھارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے۔ کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مسن اشخاص ہوں مشورے کے لئے بلانا ان کی جو رائے قائم ہو۔ اس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنی رائے پر اڑ نہ جانا اور بے جا اصرار نہ کرنا کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی جس بات سے تم کو وقوف ہوا اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اس کی تصدیق کرنا، ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے ازار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا اس سے تمھارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہو جائے گی۔ انھیں تم پر انگلیاں اٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔

نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمھارے حق اچھی طرح مان لیں گے۔ تمھاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی نگاہوں میں تمھارا وقار اور عظمت بڑھ جائے گی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عز و شرف کو پہچاننا۔ کیونکہ وہی تمھاری اصل اور تمھاری برادری کے لوگ ہیں۔ اہل شام کی توقیر کا تحفظ کرنا کیونکہ وہ تمہارے طاعت گذار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ایسے

فرامین و تحریرات بھیجے رہنا جن میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا عہد کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس سے ان کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمہارے پاس آئیں ان سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں۔

بدگویوں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ برے مشیر ہوتے ہیں۔؎

؎ ص ۲۲۱-۲۲۰ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لئے بے شک ادا ہو سکتی تھیں جس نے کم و بیش دس سال تک ولیعہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم و نسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔ لیکن وضاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا و نصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے محض محبت پدری سے نا اہل بیٹے کو جانشین بنایا۔ اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمہاری مخالفت کرائیں گے۔ ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد و وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

شاعری

اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا۔ امیر یزید کو مبداء فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی وہبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے۔ کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کر دیئے ہیں جن میں صریحاً کفریات اور خرافات بکی گئی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے ؎

لعبت ہاشم بالملک فلا ملک جاءہ ولا وحی نزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا۔ احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزید کا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت اور اگر اس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنے والوں پر لعنت فلعنة اللہ علی من وضع علیہ لیشنع بہ علیہ (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ ان پر جڑا تاکہ اس سے ان کی رسوائی ہو) ص ۲۳۴ ج ۸)

صاحب کشف الظنون دیوان یزید بن معاویہؓ کے تحت لکھتے ہیں:۔

اول من جمعہ ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی وھو صغیر الحجم فی ثلاث کراریس وقد جمعہ من بعدہ جماعۃ وزادوا فیہ اشیاء لیست لہ وشعر یزید مع قلتہ فی نہایۃ الحسن ومیزت الابیات التی لہ من الابیات لیست لہ وظفرت لکل صاحب البیت۔

(ص ۷۸۸ ج ۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۶۰ھ)

(دیوان یزید کو سب سے اول ابو عبداللہ محمد بن عمران المرزبانی البغدادی نے جمع کیا وہ بہت چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا۔ ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا۔ اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید نے نہیں کہیں۔ لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن وخوبی کے ہیں۔ اور میں نے ان ابیات میں جو ان کی کہی ہوئی ہیں اور ان میں جو ان کی کہی ہوئی نہیں ہیں امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اور جس جس کا جو شعر ہے اس کا نام معلوم کر لیا ہے۔

متعدد مؤلفین کتب تاریخ وسیر وادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں۔ جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہ کے لئے جو قطعہ اشعار ناظرین کتاب ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً ان ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں۔

امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:۔

وساعٍ یجمع الاموال جمعاً
کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہے

لیورثھا اعادیہ شقاء
تاکہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنا دیں

وکم ساعٍ لیثری لم ینلہ
اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کر لیں ناکام رہے۔

وآخر ما سعی نال الثراء
دوسرا (جس نے کچھ کوشش نہیں کی مال کثیر پا گیا۔

ومن یستعتب الحدثان یوماً
اور جس نے کسی دن (بھی) حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی۔

یکن ذاک العتاب لہ عناء
اس کے لئے اس کا یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔

لشر الناس عبدٌ وابن عبدٍ
بد ترین انسان غلام ہے اور غلام زادہ

وآلم من مشی مولی الموالی
اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنے والا آزاد کردہ غلاموں کا سابق آقا ہے۔

اعص العواذل وارم اللیل عن عرضٍ
ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گذار دے

بذی سبیب یقاسی لیلہ خببا
جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے اور رات کی تکلیفیں دلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے

اقب لم تثقب البیطار سرتہ
چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی ناف کو بیطار نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)

ولم یدجہ ولم یرقم لہ عصبا
اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہے اور نہ اس کے پٹھے پر کوئی نشان لگایا ہے (یعنی پرانا نہیں بالکل نیا ہے)

حتی یمول مالاً او یقال فتی
اس امید پر کہ بہت مال بٹورے یا (کم سے کم) جوانمرد کہلائے

لاقی التی تشعب الفتیان والشعبا
ایک (احمق نے) اس (دیوی شراب) سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کر دیتی ہے تو (آخرکار) ہلاک ہو کر رہا۔

لا خیر عند فتی اودت مروءته ‏ یعطی المقادۃ من لا یحسن الجدبا

جس جوان کی مروت پژمردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی ‏ جو فرمان دہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے

کلام موعظت نظام

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف بلاذری سے برسبیل تذکرہ نقل کئے گئے ہیں ورنہ دیوان یزید کے قلمی ۱؎ اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و موعظت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ منظوم کلام کے علاوہ بعض مولفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند ونصائح کے نقل کئے ہیں ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر بن ۲؎ العربی متوفی ۵۴۳ھ

۱؎ مثلاً خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند ونصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

۲؎ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن، بیت المقدس دمشق وحجاز وعراق (بغداد) کے نامور علماء وشیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے چند سال حجۃ الاسلام امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوئے تقریباً بیس سال ممالک اسلامیہ کے اساطین علم وفن سے کسب فیض کرکے وطن کو لوٹے قاضی ابوبکر بن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مولف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث واخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں میں تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراکش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں

نے جو حجۃ الاسلام امام ابوحامد الغزالی کے خلیفہ اور شاگرد تھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد ۱؎ کے حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے ان کا قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں:۔

اذا مرض احدکم مرضاً فاشفی ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسوء عمل عندہ فلیدعہ (ص ۲۳۳ کتاب العواصم من القواصم)

تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پاکر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کون سا برا عمل اس نے کیا تھا اسے ترک کردے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت التضام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا ہے اس مقام پر نقل کیا ہے۔ جہاں صحابہ کے بعد

م ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے (ص ۲۱ مطبوعہ مصر) قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں ان اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے موقف اور مشاجرات کے بارے میں وضع ہوئے حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے۔

ولکنہ رضی اللہ عنہ لم یقبل نصیحۃ اعلم اہل زمانہ ابن عباسؓ وعدل عن رای شیخ الصحابۃ ابن عمر (ص ۲۳۲)

(لیکن انہوں نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا)

۱؎ امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے حجم میں بہت کم ہے امام موصوف کی مسند بہت کبیر الحجم ہے اور کتاب الزہد اس مسند کی ضخامت کے ایک ثلث کے تھی۔ صاحب التعجیل المنفعۃ کتاب الزہد کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"فانہ کتاب کبیر یکون فی قدر ثلث المسند مع کبر المسند وفیہ من الاحادیث والآثار مما لیس فی المسند شیئ کثیر۔ (خطبہ الکتاب ص ۵)

اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات و مواعظ سے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن کی زہد و ورع میں پیروی کی جاتی ہے اس لحاظ سے قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور ان کو طبقہ زہاد صحابہ و تابعین میں داخل کیا "یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة والتابعين الذين یقتدی بقولهم ویرعوی من وعظهم (ص۲۳۳ ایضاً)

امیر یزیدؒ کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و سیر و رجال میں مل ہی جاتے ہیں۔ بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:۔

حفظ الندیم والجلیس واکرامهما من کرم الخلیفة وتضلح النعمة	ندیم و جلیس کا تحفظ اور اس کی عزت و توقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ص۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداءؓ جیسے عالم و زاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے ان کو فقہا العلما میں کہہ کر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ ان ابا الدرداء من الفقهاء العلماء الذين يشفون من الداء (کتاب الجرح والتعديل الرازی)

حلم و کرم

ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مورخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کئے ان سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین یزیدؒ کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سرٌ لابیه اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً

ع مطبوعہ نسخہ میں سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو سرسری نظر سے دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ و امیر المومنین یزیدؒ کے بارے میں جو اوراق تھے یا دیگر بنی امیہ کے متعلق وہ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں:۔

بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے وکان یزید یحدث نفسه بالتزامها حضرت معاویہؓ کے حلم و کرم کے واقعات تو سب ہی نے لکھے ہیں خواہ وہ مخالف و معاند ہوں یا موافق و آزاد نگار۔ ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ ان کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ ان کے شایان شان بھی نہ تھی وہ اتنے برہم ہوئے کہ اپنے بیٹے کو قسم دلا کر کہا کہ جاؤ ان ان درہموں کو لیجا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دو۔ تابعدار بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم کو اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہیئے۔ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے لیتا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم کو بزدل اور ذلیل سمجھیں گے حضرت معاویہؓ نے فرمایا" اے فرزند عزیز! حلم و بردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سبکی مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ۔

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا۔ حلم و کرم کے ساتھ مخالفین اور معترضوں سے درگزر اور معافی سے پیش آتے رہے۔ مورخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیر المومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔ انھوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر و مدارت نہیں کی۔ اس پر انھوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا۔

اقتله فان حلم امیر المومنین معاویة جرّ الناس علیکم فقال جفوناه و حرمناه فاستحققنا ذالک منه فبعث الیه بثلاثین الف درهم فمدحه	آپ ان کو قتل کر دیجئے کیونکہ امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔ (امیر المومنین یزیدؒ نے) فرمایا ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اسلئے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں تیس ہزار درہم بھیج دیئے تو انھوں نے ان کی مدح کی۔

(ص۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ایک اور واقعہ بھی مورخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی امیہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا۔

حُشینا الغیظ حتی لو شربنا — دماء بنی اُمیّۃ ما روینا

ہم پر اتنا غیظ و غضب سوار ہے کہ — اگر بنی امیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے۔ امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کے لئے عامل بصرہ کو حکم دیا چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کرکے مالک نام ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط سے رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہو کر

وقدم علی یزید فعزاہ عن معاویۃ وھناہ بالخلافۃ واتی ابنہ معاویۃ فاستجار بہ فآمنہ وصفح عنہ وکتب الی ابن زیاد بان لا یتعرض لہ والصالہ۔

(ابن ہمام امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت) معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؒ (ابن یزید بن معاویہؓ) کی خدمت میں جاکر ان سے امان طلب کی ان کی سفارش پر ان کو معاف کردیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔

(ص ۷ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ابن ہمام نے اس شعر کا ایک اور قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کرکے ان واقعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب "امام و خلیفہ" سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے:۔

وقد شھد الناس عند الاما — م انی عدو لاعدائکا

اسی وقت ثقفی قبیلے کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارکباد دینے آئے اور عرض کیا۔

اصبحت یا امیر المومنین فارقت الخلیفۃ واعطیت الخلافۃ فاجرک اللہ علی عظیم الرزیۃ ورزقک الشکر

اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہوگئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے

علی حسن العطیۃ (ص۵ ایضاً) اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق

ابن ہمام بھی اس وقت موجود تھے انھوں نے اس مضمون کو فی البدیہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دیا۔

اصبر یزید فقد فارقت ذاثقۃ — واشکر عطاء الذی بالملک اصفاکا

اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمہاری جدائی ہوگئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے — اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے کر خدا نے تمہیں برگزیدہ کیا۔

اصبحت لارزء فی الاقوام نعلمہ — کما رزئت ولا عقبی کعقباکا

جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی۔ — اور امید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔

اعطیت طاعۃ اھل الارض کلھم — فانت ترعاھم واللہ یرعاکا

آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہوگئی۔ — تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے۔

وفی معاویۃ الباقی لنا خلف — اذا نعیت ولا نسمع بمنعاکا

اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزیدؒ) اچھے خلف ثابت ہوں گے۔ — لیکن خدا کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر نہ سننی پڑے۔

ان ہی اوصاف حلم و کرم و معافی و درگزر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجوگو معاند مداح و ثنا خواں ہوگیا۔ الغرض والد محترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کے سنوارنے اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ و تابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول اور تربیت کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی سیرت میں پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم ہمعصر مورخ بھی ان کے علم و کرم رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا ایک رومی مورخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام میں کس درجہ محبوب تھے۔

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔

یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبر گیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کی جناب میں اس اموی نوجوان کو جو عقیدت بدو شعور سے تھی اس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہو چکا اس امر واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری و خدمت اپنی ذات پر لازم کرلی اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرے ایک مرتبہ انھوں نے اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی و بنی سہم و بنی جمح کے یتامٰی کی پرورش کے لئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے :-

فقال (معاویةؓ) مالك ولایتام بنی عدی؟	(حضرت معاویہ نے کہا) بنی عدی کے یتیموں سے تمھیں کیا تعلق۔؟
فقال (یزید) لانھم حالفونی وانتقلوا الی داری۔	یزید نے کہا، انھوں نے مجھ سے حلیفی کا تعلق کرلیا ہے اور میرے گھر میں منتقل ہوگئے ہیں
فقال (معاویةؓ) قد فعلت ذلك وقبل وجهه	حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہمیں سب باتیں منظور ہیں۔ پھر یزیدؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔
(ص۲۲۷ ج۸ البدایة والنہایة)	

واضح رہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا۔ جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون الاولون) بدری صحابہ و مہاجرین کے گھرانے شامل تھے جنہوں اجنادین، یمامہ اور شام کے زبردست معرکہائے جہاد میں شریک ہوکر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی یہی طرح بنی جمح میں بھی متعدد بدری صحابہ مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمانؓ و قدامہ و عبد اللہ و سائبؓ ابنائے حضرت مظعون بن حبیب جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہؓ کا گھرانا بھی تھا حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام کے مؤذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے اخلاف و احفاد میں متوارث رہی۔ یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے۔ ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامٰی کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؒ کی حساس طبیعت میں رفق و رحمدلی کے جن جذبات سے نوعمری میں پیدا ہوا تھا تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانہ شباب میں ان مجاہدین و شہداء (صحابہ کرام) کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی

قدر و عظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسی و پیروی کے لئے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں لا کھڑا کیا۔

حرارت دینیہ و خدمات ملیہ

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ وغیر صالح نظام کے بجائے صالح و عادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیان عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ ع

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے :

فاغزا معاویة ارض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية فی الصیف ولیشتوا بارض الروم۔	حضرتؓ معاویہ نے رومی (عیسائیوں) کے علاقہ پر ۱۶ مرتبہ جہاد کئے گرمیوں اور سردیوں میں (جداگانہ) عسکری نہیں بھیجا کرتے تھے۔
(ص۱۳۳ ج۸ البدایة والنہایة)	

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانہ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخرکار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔

تولینی العام الصائفة المسلمین	اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔
(ص۲۲۷ ج۸ البدایة والنہایة)	

امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لئے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں۔ سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی۔ اور گرمیوں کی "صوائف" ابتدائی اوراق میں جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے اس جہاد کی مہم "صوائف" کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے وفات پاجانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا ہے

قیصر نے یہ دیکھ کر اور امیر یزیدؒ کے پاس پیغام بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

فارسل الی یزید! ماھذا الذی اری؟

قیصر روم نے یزیدؒ کے پاس (پیغام بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

قال! صاحب نبینا وقد سألنا ان نقدمہ فی بلادک ونحن منفذون وصیتہ او تلحق ارواحنا باللہ۔

(ص۱۳۳ ج عقد الفرید مطبوعہ مصر)

یزید نے جواب دیا یہ ہمارے نبی کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انھوں نے تمھارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں۔ (اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے)، خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؒ کی یہ بات سنکر قیصر کے منہ جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ گے یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے (فاذا ولیت اخرجناہ الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؒ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف بڑھے پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا، اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر امیر یزیدؒ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔ اغانی جیسے غالی مولف نے بھی لکھا ہے:۔

ثم کف العسکر وحمل حتی ھزم الروم فاجرھم فی المدینۃ وضرب باب القسطنطنیۃ بعمد حدید کان فی یدہ

پھر یزیدؒ نے فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں پر) حملہ کو لے گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے

فھشمہ حتی انخرق۔

(ص۳۲ ج اغانی)

گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا۔

باب قسطنطنیہ پر امیر یزیدؒ کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیرؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے جہاں انھوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانے خلافت میں امیر یزیدؒ کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

وکان فی جملتھم من اغزی ابنہ یزید ومعہ خلق من الصحابۃ فجاز بھم الخلیج وقاتلوا اھل القسطنطنیہ علی بابھا۔

(ص۱۳۳ ج البدایۃ والنہایۃ)

اور ان غازیوں میں جنھوں نے ان کے (معاویہؓ) کے زمانے میں جہاد کئے تھے ان کے فرزند یزید بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی۔ جو خلیج پار کر کے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزیدؒ نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:۔

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ او مثل بہ لاترکت بارض العرب نصرانیاً الا قتلتہ ولا کنیسۃ الا ھدمتھا۔

(ص۱۳۳ ج العقد الفرید)

اگر مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہو گا۔ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دوں گا۔

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزیدؒ کے بیباکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامن گیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے گی۔ بلکہ اس کی حفاظت ہو گی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر پر قبہ بھی بنوا دیا تھا۔

انہ بنی علی قبرہ قبۃ یسرج فیھا الی الیوم

اس نے (قیصر نے) ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) قبر پر قبہ بھی بنوا دیا جہاں آج

(ص ۱۳۲ ج العقد الفر … کے دن چراغ روشن ہوتا ہے)

آغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزیدؒ کی اس غیرت و حمیت ملیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کر سکے بے خوف و خطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے کا جذبہ اس بیباکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنھیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے۔ اغانی کے حوالہ سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہٹی نے بھی امیر یزیدؒ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی فرمایا ہے کہ غانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے جو خلفاء کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مورخ المسعودیؒ نے اپنی تالیف "کتاب التنبیہ والاشراف" میں قسطنطنیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزیدؒ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ کیا تھا لکھا ہے کہ:۔

وقد حاصر القسطنطنية في الاسلام من هذه العدوة ثلاثة امراء اباؤهم ملوك وخلفاء اولهم يزيد بن معاوية بن ابي سفيان والثاني مسلمة بن عبد الملك بن مروان والثالث هارون الرشيد بن المهدی	اور زمانہ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امیران جیوش اسلامی نے جن کے آبا ملوک و خلفاء تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ تھے دوسرے مسلمہؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؒ اور تیسرے ہارون الرشید بن المہدیؒ تھے

(ص ۱۴۱ التنبیہ والاشراف المسعودی مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء)

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکتوب میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے (مکتوبات ج ۱) اس کی تائید بزنطینی شہنشاہیت کے غیر مسلم مولف کے نیز دوسرے مولفین کے بیانات سے ہوتی ہے۔ کتاب The Byzantine Empire میں ہے کہ:۔

رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی

اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۷۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے روانہ ہوئے ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے اب تک نہیں بھیجی گئی تھی جنرل عبدالرحمٰنؓ کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر دَرّہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کر کے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی، چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کر کے اور کچھ نہیں تو روز بد کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا (ص ۱۱۱)

اسی طرح ایک مسلم مورخ کا بیان ہے کہ:۔

ان السنة التي حاصر فيها يزيد بن معاوية القسطنطنية سنة ۵۱ للهجرة ووفق سنة ۶۷۲ مسيحية وقد جاءها يزيد برا وكان بسر بن ارطاة ماسكا البحر وقد انتشرت السفن الحربية العربية على طول ساحل بحر مرمرة وهاجم العرب القسطنطنية بين شهري ابريل وستمبر۔	جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ سنہ ۵۱ھ مطابق سنہ ۶۷۲ء تھا یزیدؒ بری راستے سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کر کے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے عربوں نے اپریل اور ستمبر کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے۔

حاضر العالم الاسلامی ص ۲۱۳

---

۲ یہ بڑے پایہ کے مورخ اور امام فن تھے۔ لیکن شیعہ تھے اور غالی۔

۱ غیر مسلم مولف کو مغالطہ ہوا جنرل موصوف بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے۔ اور امیر یزیدؒ بری فوج کے۔

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لئے مورخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جرنلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابوایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ

وتوفی (ابوایوبؓ) بالقسطنطنیۃ من ارض الروم سنۃ خمسین و قیل احدی وخمسین فی خلافۃ معاویۃ تحت یزید۔

(الاستیعاب ص۵ حاشیہ الاصابہ ج۱)

اور ابوایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت جہاد میں شریک تھے۔

اس ذکر میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزیدؒ کو لشکر کا سردار بنایا گیا (فلما ولی معاویہ یزید علی الجیش الی قسطنطنیہ) تو کسی کے کہنے پر کہ ایک جوان العمر کو امیر مقرر کیا ہے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ ہمیں اسکا کیا پرواہ کہ ایک جوان کو ہم پر مقرر کیا گیا ہے (وما علینا ان امر علینا شاب) اس جہاد کے لئے بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں حجاز کے مختلف قبائل قریش وانصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں بھیجی گئیں۔ اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

ولم یختلف عنہ احد حتی کان فیمن خرج ابوایوب الانصاریؓ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۲) کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کے لئے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپؐ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابوایوب اللہ تمھارے (جسم کی بھی) اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے صاحب کتاب الاروض الانف شرح السیرۃ النبویہ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی پھر اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے۔ جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابی رسولؐ کی قبر کی حفاظت کریں گے۔ جہاد قسطنطنیہ کے "اول جیش من امتی" کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت کی انہی کے جوش ایمان، حب رسول وحب صحابہ وغیرت ملی کی بدولت پوری ہوئی اور آپؐ کی پیشین گوئی کا کہ یدفن عند سور القسطنطنیہ رجل صالح (العقد الفرید ج۳ ص۱۳۲) یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد وجوان صالح کے تہور انہ اقدام سے ہوا۔ ذالک فضل اللہ یوتی من یشاء۔

مشہور یورپین مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف "تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ" میں امیر یزیدؒ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکۂ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؒ کی موجودگی اور ان کی شجاعت ولیاقت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی اس مورخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ (حضرت) حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:-

"حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرأت ودلیری کا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا۔ اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔"

(ص۲۸۶ تاریخ عروج وزوال رومۃ الکبریٰ گبن)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر پہلا اور آخری جہاد یہی معرکۂ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت وسپہ سالاری امیر یزیدؒ کر رہے تھے۔ اور اس معرکہ کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں

انھوں نے کار ہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آتے حرمین شریف کا سفر اختیار کرتے اور حج و زیارت روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی و قریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالۂ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؒ ہی پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے سب سے اول دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانۂ کعبہ پر چڑھایا۔

اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ۔	خانہ کعبہ پر سب سے اول (جس خلیفہ نے) دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہؓ تھے)۔

(ص۲۵۱ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ)

(ص۷۲ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری)

(ص۱۰۵ الجامع اللطیف)

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نہ حج کیا اور نہ غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ اور ان کے بعد عبداللہ الزبیرؓ اور دوسرے خلفا نے۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانۂ خلافت میں ہر سال بیش قیمت کپڑے کے غلاف علماء و صلحاء کی جماعت کے ہاتھ دمشق سے مکہ معظمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ و مجاوران روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف و عطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ جوار رسول کے رہنے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں جیسا حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول سن چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں ان کے دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ و عطیہ کی بیش بہا رقم لے کر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے باہر آئے مال و اسباب سے لدے دو کوہانی اونٹ (بخاتی) باب یزیدؒ پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لے کر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست پیش کی کہ تین بخاتی (دو کوہانی اونٹ)

مرحمت ہوں تا کہ حج و عمرہ اور سفر شام کے لئے باری باری استعمال کر سکوں۔ امیر یزیدؒ نے صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں صاحب کے جواب، امیر المومنین کے حکم اور ابن جعفرؓ کے ریمارک کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے۔

فقال: یا امیر المؤمنین! ھٰذہ اربعمائۃ بختیۃ جاءتنا من خراسان تحمل انواع الالطاف وکان علیھا انواع من الاموال کلھا۔	صاحب نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چار سو دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف اقسام کے ہدایا لیکر آئے ہیں اور ان پر وہ سب مال لدا ہوا موجود ہے۔
فقال: اصرفھا الی ابن جعفر بما علیھا۔	(امیر یزید نے) فرمایا: یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو ان پر ہے ابن جعفرؓ کو دے دیا جائے۔
فقال عبداللہ بن جعفر یقول: تلومرننی علی حسن الرأی فی ھٰذا یعنی یزید۔ (ص۲۳۰ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)	[illegible] تے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے میں کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی جود و سخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان "اجواد الاسلام"، (یعنی زمانہ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریا دل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود و سخا کے حالات لکھے ہیں یعنی (۱) حضرت عبیداللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب (۲) امیر المومنین عبداللہ السفاح بن علی بن عباسؓ (۳) محمد بن جعفر بن عبیداللہ بن عباسؓ (۴) طلحہ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب۔ ان میں پانچواں نام عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کا ہے۔ ان کے جود و سخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت و دریا دلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیار نبی ہی کے لوگ تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ

اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال و اسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں ان کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی

منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؒ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیرؒ نے سلامہ نام ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن وجمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قرات سے سناتی شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا۔ اس کنیز کی امیر یزیدؒ سے بہت کچھ ثنا وصفت کرکے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

ودلہ علی سلامۃ وجمالھا وحسنھا وفصاحتھا وقال لا تصلح الا لک یا امیر المومنین وان تکون من سمارک (ص۲۳۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

اور انھیں (امیر یزیدؒ کو) سلامہ اور اس کے حسن وجمال وفصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا کہ اے امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے رکھ لیں۔

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کرلیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزیدؒ نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا اور کنیز سلامہ کو مواجہہ میں طلب کرکے تصدیق کی۔ ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی؟ حبا شدیدا جری کالروح فی جسدی فھل یفرق بین الروح والجسد

امیر یزیدؒ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خذھا یا احوص فھی لک وصلۃ سنیۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ)

اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے تم اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضہ تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مؤرخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی وعدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسس وتفحص سے مل ہی جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمن تھے جو خراسان کے والی تھے۔

امیر یزیدؒ نے ان کو اس خدمت سے سبکدوش کرکے ان کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو ام ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے۔ ان کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ ان کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اس وقت کوفے اور بصرہ کے والی تھے۔ بعض اعیان کا ان کے ساتھ جانا ناگوار تھا۔ انھوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کرا دیئے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی امیر یزیدؒ نے ان پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرادیں۔

فکتب الیہ (عبیداللہ) یزید بن معاویۃ ان یبنیھا بالجص والاجر والساج من مالہ فبنیھا۔ (ص۳۰۳ کتاب البلدان لیعقوبی مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۰ء)

پس (امیر) یزید بن معاویہؓ نے ان کو (عبیداللہ کو) تحریراً حکم بھیجا کہ ان (منہدمہ) مکانات کو اینٹ چونہ اور ساگون کی لکڑی سے تعمیر کرائیں یوں انھوں نے ان کو پھر تعمیر کروایا۔

جن لوگوں پر عمال حکومت کی جانب سے ظلم وزیادتی ہوتی امیر المومنینؒ کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مورخ المدائنی کی یہ روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمن بن برثن جن کے باپ کا نام فیروز حصین تھا مگر اپنی ماں ام برثن کی نسبت سے مشہور تھے۔ یتیم ولا وارث بچے کی حیثیت سے ان کی پرورش ہوئی۔ فضائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔

۔ امیر عبید اللہ بن

زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے۔ انھوں نے ناراض ہوکر برطرف کردیا اور دولاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا۔ فریادی بن کر امیر المومنین کے پاس آئے۔ اپنا سب حال اور دکھ درد کہہ سنایا امیر موصوف نے اسی وقت عبید اللہ کو تحریری حکم بھیجا کہ ان کے دولاکھ روپے فوراً واپس کر دیئے جائیں۔ اور کوئی تعرض نہ کیا جائے عبدالرحمٰن کا خورد سال بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ انھوں نے سزا دینے کے بجائے اسے آزاد کردیا۔

امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع شخص کا دکھ درد دور کر دینے سے ایسی مسرت ہوئی کہ اسی دن تیس غلام آزاد کردیے۔

واعتق ذالك اليوم ثلاثين مملوكا وقال من احب ان يقيم فليقم ومن احب يذهب فليذهب۔

اور اس دن تیس غلام (امیر یزید نے) آزاد کر دیئے۔ اور ان سے فرمایا (یعنی غلاموں سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور جو جانا چاہے جائے۔

(منلاج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت ابن زبیرؓ کا طرز عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انھوں نے جب عامل مکہ کی شکایت میں اہل مکہ کی جانب سے امیر المومنین کو تحریر بھیجی اس پر لحاظ کیا اور اپنے اس عامل کو تبدیل کر دیا۔ وہ تحریر یہ تھی۔

وكتب ابن الزبير الى يزيد عن اهل مكة انك بعثت الينا رجلا اخرق لا يتجه لامر رشد ولا يرعوى لعظة الحليم فلو بعثت الينا رجلا سهل الخليقة لين الكتف لرجونا ان يسهل من هذه الامور ما استوعر وان يجمع منها ما تفرق

اور ابن زبیرؓ نے یزید کو اہل مکہ کی جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ اور نہ کسی حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے۔ اگر کسی خوش اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان

ہو جاتیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے میں تمہیں غور کرنا چاہیئے کیونکہ اسی میں خواص و عوام سب کی بہتری ہے والسلام۔

فانظر في ذالك فان فيه صلاح خواصنا وعوامنا والسلام ؎

(منلاج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری وطبری ج)

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سب جانتے ہیں کیا ابن الوقت اور مفسد تھا عبید اللہ بن زیادؒ نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہؒ بن ابی عبیدؓ جو صالحات العابدات سے تھیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں ان کے کہنے سے حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزیدؓ کو سفارشی خط لکھا امیر موصوف نے عبید اللہ کو اس کے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فارسل ابن عمرؓ الى يزيد بن معاوية يتشفع فيه فارسل يزيد الى ابن زياد فاطلقه وسيره الى الحجاز۔

ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہؓ کو اس کی مختار کی سفارش میں تحریر بھیجی (امیر یزیدؒ) نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔

(ص۳۳ج البدایۃ والنہایۃ و ص۸ انساب الاشراف بلاذری)

ایسا ہی واقعہ عبد اللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی کا ہے[2] ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابوسفیانؓ کی

---

[1] عبد اللہ بن الزبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انھیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے کہ امامت کی امامت انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی لئے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انھیں درخواست بھیجی۔

[2] مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سنی یہ لوگ تو بے نقاب بہت بعد میں ہوئے لیکن داد دینی چاہیئے امیر عبید اللہ بن زیاد کو کہ انھوں نے مختار ثقفی کو اسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں!

دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کی رہائی کی سفارش بھی امیر یزیدؒ نے قبول کر کے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فوجه يزيد رسولا وكتب معه	(امیر) یزید نے ایک پیغامبر کے ذریعہ
الى ابن زياد بتخلية سبيله و	تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا
كتب الرسول منشورا فانطلق	کر دیں اور پیغامبر کے لئے بھی فرمان لکھا وہ
الرسول الى عبيد الله فاخرجه	عبید اللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے
وكان مع المختار فى محبس واحد	سے کہ مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں
حين حبس ابن زياد المختار۔	قید تھے نکلا لا کیونکہ ابن زیاد نے جب مختار کو
	قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔

(صلاہ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

عبد اللہ بن الحارث کا لقب ببّہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبید اللہ کے خلاف نمایاں حصہ لیا تھا۔ ببّہ کی حرکت سیاسی تھی۔ لیکن مختار کی دینی۔ یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگرداں ہو چکا تھا۔

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور و نزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعراء المدی نے فضالہ ابن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کے مدحیہ اشعار پڑھے۔ دو شعر یہ تھے۔

اذا ما قريش فاخرت بطرفها	فخرت بمجد يا يزيد تليد
قریش جب اپنے ابا واجداد پر فخر کرنے لگیں	تو اے یزید تم جو ابا عن جدٍ بزرگی رکھتے ہو اپنی بزرگی پر فخر کرو۔
بمجد امير المؤمنين ولم يزل	ابوك امين الله جد رشيد
امیر المومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر	کہ تمہارے والد اللہ کے امین تھے (بوجہ

ختم کر دیا جاتا تو امت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

کاتب وحی ہونے کے) اور تمہارے دادا
قائد دانشمند۔

امیر یزیدؒ نے اس قریشی کو جن کا نام عاصم بن عمر تھا تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لئے معاف کر دو۔ پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ (صلاہ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری)

سیرتِ یزیدؒ پر آزاد و بے باگ رائیں

سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مورخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً آزاد اور بے لاگ رائیں ہو سکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مورخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بیجا نہ ہوں گے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں۔

یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا۔ اور نہ ایسا لاابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے متاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی نسبت ہی مختصر مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لیے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی و طریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاونی "جند قنسرین" قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی۔ اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سر نو تنظیم کی نجرانی عیسائیوں[1] کے جزیہ کی

---

[1] نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کئے تھے ان کے مفسدانہ و باغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا وطن کر کے عراق کے علاقہ میں بسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف

شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے حکمانہ طور سے خارج البلد کئے گئے ہلکا کر دیا برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامیؓ کے زمانہ میں بصلہ خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عاید کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی، دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے "نہر یزید"[1] کہلاتی ہے۔ اور ضافات سلیحیہ کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو "مہندس" (نہروں کا ریز کا ماہر وانجینئر) کا لقب دیا گیا تھا۔

سیرت یزید کے پیش یا افتادہ تصویر کشی کے قطعاً خلاف مؤلف Continuatica by Zantine Arabian اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے:۔

"یزید حد درجہ متواضع وحلیم سنجیدہ ومتین۔ خود بینی وتکبر سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کا محبوب۔ تزک وحشم شاہی سے متنفر معمولی شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا۔ اور مہذب تھا[1]

ولہازن مورخ کا قول ہے کہ "کسی بھی خلیفہ کی مدح وثنا اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔"

(ص ۱۱۶۳ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار دے خوئے امیر یزیدؓ کی سیرت کے بارے میں رومی مورخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ ونرم خو ومہذب بتایا گیا ہے لکھتے ہیں۔

[1] دیا تھا۔ امیر یزیدؓ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند بھی پڑ گئی تھی۔ اس لئے ان کی درخواست پر از روئے انصاف جزیہ کی تعداد کو ہلکا کر دیا گیا۔

[1] نہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو [1] علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے تھے

اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہوتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزیدؒ) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزیدؒ کے مخالفین نے بغض وتعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں سے اور بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مورخ کے) اس بیان سے ہو جاتی ہے۔ شراب نوشی ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہؒ (برادر حسینؓ) کی ہے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزمات (یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزیدؒ شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند وصلح جو اور فیاض وفراخ دل شہزادہ ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے ان سے ان بیانات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم وکرم فصاحت وشجاعت کی عمدہ صفات تھیں۔ اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی اور متانت وتہذیب کے بارے میں رومی مورخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ بالا ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جو قدیم مورخ المدائنی کی سند سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت وبلاغت کے موتی لٹائے گئے۔ جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا۔

عنکما فقد احسنتما وما قلتما فحشا	بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کہی۔
(ص ۹ ج ۴ انساب الاشراف)	

(ص ۹ ج ۴ انساب الاشراف)

گویا مہذب اور دین دار مسلمان کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی سے بھی نفرت تھی اور فحش و شنیعہ افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کسی ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین نے سزا کوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال المدائنی:۔ لاط خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث بغلام لہ فی امتہ فشھد علیہ امراعان من موالیہ امراتاھما وغلام لم یحتلم فحدہ یزید فکان ماقتالہ

اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اور انکی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔

(صفحہ ۴ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سادہ زندگی

امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ مبارک جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کرکے اپنے قلوب کو مجلی و مصفیٰ و مزکیٰ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت و ثروت کی بہتات اور فراوانی کے جو اس زمانہ میں غنیمۃ و فتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی یہ حضرات اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداؓ جو وہاں کے عہدہ قضا پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت و مجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزیدؒ کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش و تنعم دنیاوی کی کبھی پرواہ ہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف و اکناف سے محاصل و غنائم کا کثیر المقدار زر و مال آتا۔ قومی و ملی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالخصوص بنو ہاشم کو دریا دلی سے دیتے۔ مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانا اور بوسیدہ کپڑے

پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیحہ درج کی ہے

رایتُ معاویۃ علی المنبر دمشق یخطب الناس وعلیہ ثوب مرقوع
(صفحہ ۱۷۲ کتاب الزہد طبع مکہ)

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹا لباس تھا۔

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمیریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

رایتُ معاویۃ فی سوق دمشق وھو مردف وراءہ وصیفا وعلیہ قمیص مرقوع الجیب۔
(ص ۱۳۵ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا ان کے پیچھے غلام بیٹھا تھا اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے بیٹھے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔

ایسے پاک نفس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین و فطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں جیسے زاہدین اور صفوۃ الصالحین کی مجالست اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اس نے بھی ساری زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گزار دی کہ ہمعصر مورخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزیدؒ شان و شوکت سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم من القواصم کے مرتب محب الدین الخطیب نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ امیر المومنین سلطان عبدالحمید خان ثانیؒ کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دار العلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں "سیرت و خلافت معاویہؓ" موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہمدرس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا۔ اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہؓ پاک سیرت خلیفہ تھے خطیب موصوف لکھتے ہیں۔

وقف صدیقی الشھید المسجیل عبدالکریم قاسم الخلیل

پھر میرے دوست شہید عبدالکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے

وکان شیعیا۔ فقال : انتم تسمون سلطاننا خلیفۃ وانا اخوکم الشیعی اعلن انا یزید بن معاویۃ کان بسیرتہ الطیبۃ احق بالخلافۃ واصدق عملا بالشرع المحمدیؐ من خلیفتنا فکیف بابیہ معاویۃ۔

(منتقی حاشیہ کتاب العواصم من القواصم مطبوعہ قاہرہ باہتمام لجنۃ الشباب المسلم)

تھے ہوئے۔ انھوں نے کہا: آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ تو پھر کہاں ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور منزلت۔

نہر یزید

متقدمین نے دنیا کی جنتوں "جنان الارض" کے یہ چار مقامات بتائے ہیں غوطۂ دمشق۔ صغد سمرقند، شعب بوّان اور جزیرۃ الابلہ۔ مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت حموی جنھوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے۔ دمشق ہی کو فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوۂ ہند میں ہندستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعۂ آخر میں لیے ہیں:۔

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیئے دل سے بھلا
شعب بوّان و سمرقند و دمشق و اصفہان

عرب شعراء نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کیے ہیں ان میں یہ تین شعر سنیئے:۔

ان تکن جنۃ خلد بالارض — فدمشق ولا تکون سواھا
اگر خلد بریں زمین پر ہے تو — وہ دمشق ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں
او تکن فی السماء فھی علیھا — قد ابلت ھواءھا وھواھا
اور اگر بہشت آسمان پر ہے تو وہ روئے دمشق ہی پر ہے — کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات اسی امر کی موید ہیں

بلدۃ طیبۃ ورب غفور — فاغتنمھا سیر۔ سھا
(دمشق) پاکیزہ شہر ہے (جنت کی نعمتیں اس میں ہیں۔ اور وہ رب غفور ہے۔ — تو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست)

اس عروس البلاد دمشق کی حسن وخوبی، سرسبزی وشادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت و فرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بنا پر ہے جس میں "نہر یزید" کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المؤمنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا۔ اور آب روانی کے اصولوں اور آب گزاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی "نہر یزید" کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری وابن حوقل وغیرہ نے "نہر یزید" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے۔ بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے نھر عظیم اجراہ یزید بن معاویۃ لیعرض فی مکتیہ" ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر تفاۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں "نہر یزید" بہتی ہے جو اب بہترین اور شاداب علاقہ ہے۔ پہلے خشک پڑا تھا امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کر کے اس کو گلزار بنا دیا۔ اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی ان مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صیلحیہ و غوطہ کی آبپاشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر حتی دمشق کے ذریعہ و طریقہ آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بنی امیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو ان کے ہمعصر مشرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ "نہر یزید" کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور یہ "نہر یزید" وہ ہے جو حضرت معاویہؓ کے اس فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا اغلباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آبپاشی کو مکمل کر دیا جائے۔ مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دار و مدار بردہ کے پانی سے ہے

نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور رجیہی بھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔

(ہسٹری آف دی عربس صفحہ ۲۳۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے "دمشق میں آب رسانی" کی ذیلی سرخی سے لکھا ہے کہ:۔

"دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جاسکا۔ اور یہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی برادہ کو "کریسورد ہاس" کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی (آب نہریں) اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے ایسے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک وشبہ خاندان بنو امیہ کے سلاطین کا رہین منت ہے

ہسٹری آف سیریسنز صفحہ ۱۹۳

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آبرسانی کے سسٹم کو بنی امیہ کے "حکمرانوں" اور سلاطین کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے مگر اپنے اسی مسلک کے اعتبار سے "نہر یزید" کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہمعقیدہ "نہر یزید" کے پانی کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ (ج) کے آخری صفحات میں اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنائی ہیں اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح "نہر یزید" سے پانی نہیں پیتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باؤلیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے حالانکہ آں حضرتؐ کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں کا بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی امیہ کے تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے حالانکہ آنحضرتؐ نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبے میں بار بار نماز پڑھی تھی، اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ "نہر یزید" کا نام، مؤلف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بنا پر

نہ آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زدِ خاص و عام ہے۔ شعراء کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی، نہر ثور اور نہر یزید کے نام ابو عبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے دیکھئے کس صنعتگری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

یزید شوقی ولیغمو کما	یزید یزید وثور اثور
ومن بردی برد قلبی للشرق	فھا انا من مرۃ مستجیر

بعض آزاد نگار مورخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو۔ مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن ہندسی سے آب گذاری کے موانعات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو۔ اور اس اٹھارہ بیس میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں میں تبدیل کر دیتا ہو (صفحہ ۲۴۲ لامن) اس پر یہ اتہام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لایعقل اور دون فطرت ہی عائد کر سکتا ہے

جوالیقی نے المھندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں جو نہر و کاریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کے لئے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ المھندس الذی یقدر مجاری القنی (لغت جوالیقی) اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی۔ اس میں بہت سے غار ہیں۔ جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتلائے جاتے ہیں چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہے تھے۔ پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔ اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں آیہ کریمہ وآوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا۔ جہاں آب شیریں کا چشمہ ہے۔ سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔ معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اسی مقام ربوہ پر جس کے پاس سے نہر یزید نکالی گئی حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تھی اسی مقام کا ذکر قرآن شریف میں ہے وآوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین۔ یہاں عالی شان مسجد واقع ہے اور دوسری چھوٹی مسجد کہف ہے (معجم البلدان صفحہ ۷۵۲ ج) اسی مقام کے قریب سے نہر یزید

کس خوبی سے نکالی گئی ہے۔ جو آج تک اس کے نزدیک بہتی ہے۔ اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے۔ اور غوطہ و دمشق کے حسن و خوبی کو دوبالا کرکے شاعروں سے کہلواتی ہے ؎

اما دمشق فجنة
(دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے)

ینسی بها الوطن الغریب
اس لئے مسافر اس جگہ آکر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے۔

لله ایام السبوت
(ایام سبت میں (بخدا غوطہ جاکر)

بها ومنظرها العجیب
اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔

انظر بعینك هل تری
ذرا آنکھ کھول کر دیکھو

الا محبا او حبیب
سوائے محب اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔

واعدت ازاهر روضه
(اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے (انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں)

تختال فی فروج طیب
ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔

خلیفہ اور منصب خلافت

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصطلاحی عنادین ہیں ملت کے امور داخلی و خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہوا سے خلیفہ و امیر و امام کہا گیا ہے سا و کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ و امیر المومنین و امام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مبحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا۔ اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی، فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط و اقتدار ان کا قائم نہ ہو سکا تھا۔ بایں ہمہ وہ

امام المسلمین تھے۔ اسی طرح یزیدؒ بھی تھے امیر المومنین عبد الملکؒ و دیگر خلفائے بنی امیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:۔

وکذالك الخلفاء الثلاثة ومعویة تولوا علی جمیع بلاد المسلمین وعلی رضی الله عنه لم یتول علی جمیع بلاد المسلمین فیکون الواحد من هولاء اماما بمعنی انه کان سلطان ومعه السیف یولی ویعزل ویعطی ویحرم ویحکم وینفذ ویقیم الحدود ویجاهد الکفار ویقسم الاموال امر مشهور ومتواتر لا یمکن جحده وهذا معنی کونه اماما خلیفة وسلطانا کما ان امام الصلاة هو الذی یصلی بالناس فاذا رأینا رجلا یصلی بالناس کان القول بانه امام امرا مشهودا محسوسا لا تمکن المکابرة فیه واما کونه برا او فاجرا او مطیعا او عاصیا فذلك امر آخر فاهل السنة اذا اعتقدوا امامة الواحد من هولاء یزید او عبد الملك او المنصور وغیرهم کان بهذا الاعتبار ومن نازع فی هذا فهو شبیه بمن۔

اور اسی طرح تینوں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور معاویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزیدؒ اور اموی خلفا جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اسی معنی و اعتبار سے امام تھے) کہ ان کو اقتدار حاصل تھا۔ اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل و نصب کرتا تھا۔ اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں ۔ اس معنی و اعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بین ہے جس میں کسی حجت و تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر ہے پرہیزگار ہے یا گنہگار امر دیگر ہے۔ پس اہل سنت جو یزیدؒ کو یا عبد الملکؒ کو یا المنصورؒ ان کے علاوہ دوسرے (خلفا) کی امامت کے

نازع في ولاية ابي بكرؓ و عمرؓ وعثمانؓ وملك كسرى وقيصر والنجاشي وغيرهم من الملوك ۔

(ص۲۷۴ ج منہاج السنۃ)

معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپیگنڈہ سیاسی منافشات کی بنا پر بنی امیہ اور خاص طور سے امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا۔ اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا ریمارک تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور سے گذریں۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی۔ حالانکہ ان کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلکاً شیعہ ہونا اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا، حبیب بن ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے۔ جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (ص۲۰۹ ج میزان الاعتدال) حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں۔

كان عليٌّ في بيته اذ اُتي فقيل له قد جلس ابوبكر للبيعة فخرج في قميص ما عليه ازارٌ ولا رداءٌ عجلاً كراهية

حضرت علی اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے

ان يبطئ عنها حتى بايعه ثم جلس اليه وبعث الى ثوبه فأتاه فتجلله ولزم مجلسه۔

(ص۲۰۱ ج طبری طبع اول مصر)

بدن پر نہ چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑے منگوائے کپڑے آگئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا۔

”اشهدت وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال نعم“ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر انھوں نے سوال کیا۔ فمتى بويع ابوبكر“ ابوبکرؓ سے بیعت کب کی گئی“ اس کے جواب میں فرمایا: جس دن آنحضرت کی وفات ہوئی اسی دن۔ صحابہ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گذاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں۔ اس پر عمرو نے پھر پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا۔ نہیں۔ البتہ مرتد نے یا ان میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا۔ اگر اللہ عزوجل اس کو اس سے نہ بچا لیتے۔ عمرو نے پھر پوچھا فهل قعد احدٌ من المهاجرين کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلوتہی کی تھی۔ حضرت سعیدؓ نے کہا کہ ”نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے۔

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے تو رسول اللہ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا۔ اسی کو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے منتخب کر لیا۔ ابوبکرؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔ جب انھوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انھوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام دیتے رہے جو خلیفہ

رسول اللہ ان کو سپرد کرتے تھے۔ آنحضور کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (طبری ج ۳ ص ۲۲۳)

پھر جب نواح مدینہ میں غدار دیہاتیوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے لگے، حضرت علیؓ نے آکر آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ[1]

"اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا... میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ ... کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دردمند نہ کریں"

(البدایۃ والنہایۃ ج ...)

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے تخلف عن البیعۃ کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنجوقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا کوکسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ برابر اپنے زمانہ میں اسیطرح عمل کرتے رہے۔ جیسا حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کرتے تھے حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انھیں اندر بلایا۔ اور باتیں کیں (الموافقہ بین اہل بیت والصحابہ زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی وملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ رسول اللہ کے جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے

---

[1] طبری میں نام کا اظہار نہیں ہے "قال له المسلمون" کہہ کر بتغیر الفاظ یہی مضمون ہے (ج ۳ ص ۲۲۳)

ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے۔ کیسی کچھ قدر ہے۔ انھوں نے تو اپنے کانوں سنا تھا۔ جب آنحضورؐ نے حضرت حسانؓ مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکر کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنہیں سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو اپنا بزرگ جانتے۔ ان کے فرمانے کو مانتے۔ ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوش دلی قبول کرتے تھے۔ یہ خفگی اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسانؓ کے وہ شعر سنئے جنہیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم نے سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

فضحك رسول الله حتى بدت نواجذه۔ ثم قال: صدقت يا حسان هو كما قلت۔

یہ سن کر رسول اللہؐ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے اور فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں۔

وہ اشعار یہ تھے:۔

اذا تذكرت شجوا من اخي ثقة … فاذكر اخاك ابابكر بما فعلا

مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسے کے آدمی کی یاد کرو۔ تو اپنے بھائی ابوبکر کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انھوں نے انجام دیں۔

خير البرية اتقاها واعدلها … بعد النبي واوفاها بما حملا

نبیؐ کے بعد خلائق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں

الثاني التالي المحمود مشهده … واول الناس منهم صدق الرسلا

نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہے۔ اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے انبیاء کی تصدیق کی۔

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد … طاف العدو به اذ صعد الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھکر گرد گھوم رہے تھے

وكان حب رسول الله قد علموا … من البرية لم يعدل به احدا

وہ رسول اللہؐ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے۔ کہ ساری مخلوق میں آپؐ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں۔

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے شیعی فاضل شریف المرتضیٰ کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ حاکیاً عن قاضی القضاۃ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں " ان ابا بکر ھو الذی صلی علی فاطمۃ وکبر اربعا (ص۸۸۰ ج ۴ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران) یہی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔ رحمک اللہ ابابکر کنت اول الناس اسلاما (ص۹۰۷ ج ۲ ایضاً) یعنی اے ابوبکرؓ، رحمت ہو اللہ کی آپ پر آپ ہی ہیں سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں۔

ان علیا لم یخاطب عمر منذ ولی الخلافۃ بالکنیۃ وانما کان یخاطبہ بامرۃ المسلمین ھکذا اینطق کتب الحدیث و کتب السیر والتواریخ۔

(ص۶۳۴ ج ۲ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)

(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب سے وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث و کتب سیر و تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری ہی نے لکھا ہے کہ خلافت فاروقی میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج ۵ ص۸۴۲) ۱۳ھ میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں داد شجاعت دے رہے تھے۔ ان کے سردار ابو عبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کر کے عراق کی طرف کوچ کیا چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے دی کہ امیر المومنین کا محاذ جنگ پر بذات خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا (ج ۴ ص۲۸۴۳) مورخین نے

حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

قال علی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت انا وابوبکر وعمر وفعلت انا وابوبکر وعمر وخرجت انا وابوبکر وعمر ودخلت انا وابوبکر وعمر۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اور ابوبکر و عمر تھے۔ میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر و عمر نکلے، میں اور ابوبکر و عمر چلے۔ میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔

(ج ۲ ص۱۴۰ ازالۃ الخفا طبع اول)

بعثت رسول اللہ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے۔ آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ان کے سن و سال کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قد علمنا بالروایۃ الصحیحۃ والشھادۃ القائمۃ انہ (علیؓ) اسلم وھو حدیث غریر وطفل صغیر فلم نکذب الناقلین ولم نستطع ان نلحق اسلامہ باسلام البالغین (ص۶ ج ۲ نہج البلاغہ)

ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ بہت چھوٹی عمر کے طفل صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر رکھ سکیں۔

ان سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا ادھر سے عقیدت و احترام تھا ادھر سے محبت و شفقت، اسی اتحاد و محبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہراؓ کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا[1]۔ اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ

---

[1] سیدہ ام کلثوم کے بطن سے دو اولادیں ایک صاحبزادے زید بن عمر الفاروق۔

سے شہید ہوئے، جنازہ اٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرماتے تھے۔

قال (علیؓ) ما من الناس احدٌ احب الیّ ان القی اللہ بما فی صحیفۃ من ھذا المسجّی
(ص۱۳۳ ج۲ ازالۃ الخفاء طبع اول)

(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت ان صاحب جنازہ کے نامۂ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامۂ اعمال ان ہی کے نامۂ اعمال جیسا ہو۔

نامۂ اعمال کا اشارہ حضرت فاروق اعظمؓ کی عظیم ترین خدماتِ دینیہ وطنیہ کی جانب ہے جو انھوں نے قبل خلافت اور عہد خلافت میں انجام دیں۔ حضرات شیخینؓ کا زمانہ اخوت ومساوات اور یک جہتی کا مثالیہ زمانہ تھا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:۔

تمام مسلمین در زمان ایشان باہم مؤتلف وبا یکدیگر متراحم وبر کفار شدید در جہاد متوافق، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ، سپاہ ورعایا خلیفہ را از جان خود دوست دارتر وخلیفہ بر رعایا وسپاہ از پدر مشفق ومہربان تر۔
(ص۱۳۹ ج۲ ازالۃ الخفاء طبع اول)

تمام مسلمین ان کے (شیخینؓ کے) زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے مہربان تھے، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے۔ مخالفت کا نام بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔

اس زمانہ کی برکات خلیفۂ سوم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہد خلافت تک باقی رہیں۔ اور نشو ونمائے ملت اسی منہاج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا۔

آنحضرتؐ برائے نشو ونمائے ملتِ اسلامیہ صورتے معین فرمودند کہ تا آخر عہد حضرت عثمانؓ متحقق شد
(ازالۃ الخفاء ج۱ ص۱۳۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ نے نشو ونما کے لئے ایک صورت معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمانؓ تک یقیناً رہی۔

۲ اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر الفاروقؓ

نشو ونمائے ملت اسلامیہ کے لئے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا قدرے اندازہ آنحضور صلعم کے خطبۂ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو اُمت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے۔ ارشاد ہوا تھا:۔

ایھا الناس ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الا ھل بلغتُ اللّٰھم اشھد۔

لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں قیامت کے دن تک ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو دیکھو میں نے (خدا کا) پیغام پہنچا دیا اے اللہ گواہ رہیو۔

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی۔

الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض۔

خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتے مجوسی[۱] غلام نے خنجر سے زخم کاری لگایا تھا۔ جب تحقیق ہو گیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور میرا زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہ نے ڈرایا تھا۔

حضرت عمرؓ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے کیونکہ اس بلند معیار پر

۱ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا۔

بشکست عمرؓ پشت ہژبران اجم را — بر باد فنا داد رگ وریشۂ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست — با آل عمرؓ کینۂ قدیم است عجم را

جو ان کے پیش نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انھوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اترتا تھا لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہؓ کی مجلس شوریٰ بنا دی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کرلیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کردی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک ان کے مخالف تو اس ایک کی گردن ماردی جائے۔ اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کر دیا جائے اور اگر رائیں مساوی ہوں تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اڑا دی جائے گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن ماردی جائے۔ اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ بھی تھا اور امیدوار بھی یہ صورت پیدا کردی کہ ایک صاحب نے اپنے کو امیدواری ہونے سے علیحدہ کرلیا اور بقیہ حضرات نے اظہار رائے کے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو مختار کر دیا کہ وہ اپنے صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور رائیں معلوم کرکے عثمانؓ و علیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کرلیں۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا ملال ہوا اور انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرفداری کا الزام لگایا جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔

"اے علی! اپنے خلاف خلاف مجھے قدم اٹھانے پر مجبور نہ کرو میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے" یہ سنکر حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چلدیئے سیبلغ الکتاب اجلہ تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہونچ جائے گی۔ لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر لوٹ پڑے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جلتے دیکھا تو پکار کر کہا۔ ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیوتیہ اجرا عظیما۔ (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا) اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کرلی مگر برابر یہ کہتے رہے "فریب ہے اور کتنا بڑا فریب" (طبری) معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اسی الیکشن کے بعد سے امت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی وخاندانی ونسلی امتیازات کی

باتیں ہونے لگیں اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ ۱۲ سالہ عہدِ خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال وغنایم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے۔ عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ وبصرہ میں پیدا ہو چکی تھی مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ چینیاں شروع ہوئیں اور دولت واقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ عبداللہ بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ پرفریب پروپیگنڈہ شروع کردیا جس کے تلخ نتائج سے آج تک امت کو چھٹکارہ نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس ولحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کے لئے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً اسی برس کے امام المسلمین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔ آپ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض ورحمدل اور رسول اللہ کے چہیتے تھے تلاوت قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کر دیئے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اٹھانے یا اٹھوانے کے لئے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے جو انھوں نے اپنے عالی مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے۔ ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلم بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پروتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۵ ص ۶۸) میں درج کیا ہے ابتدائی فقرات کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے۔

مضمون خط سیدہ نائلہ بیوہ حضرت عثمان رضؓ

وانی قد اقص علیکم خبرہ لانی کنت مشاھدۃ امرہ کلہ حتی قضی اللہ علیہ۔ ان اھل المدینۃ حصروہ فی دارہ یحرسونہ لیلھم ونھارھم قیاماً علی ابوابہ بسلاحھم یمنعونہ کل شیٔ قدروا علیہ حتی منعوہ الماء یحضرونہ الاذی ویقولون لہ الافک واھل مصر اسندوا امرھم الی محمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر وکان علی مع المحضضین من اھل المدینۃ ولم یقاتل مع امیر المومنین ولم ینصرہ ولم یامر بالعدل الذی امر اللہ تبارک وتعالی بہ فظلت تقاتل خزاعۃ وسعد بن بکر وھذیل وطوائف من مزینۃ وجھینۃ وکا اری سائرھم ولکنی سمیت لکم الذین کانوا اشد الناس الیہ فی اول امرہ واخرہ ثم انتدب بالنبل والحجارۃ فقتل ممن کان فی الدار ثلاثۃ نفر فاتوہ یصرخون الیہ لیاذن لھم فی القتال فنھاھم عنہ وامرھم ان یردوا علیھم نبلھم

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے اہل مدینہ نے ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت مسلح محاصرہ کیے رکھا تھا دن رات دروازوں پر پہرا تھا ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ پانی سے بھی منع کر دیا تھا ان پر الزامات لگاتے رہتے گالیاں دیتے رہے مصری جماعت کے سرغنہ محمد بن ابی بکر و عمار بن یاسر تھے۔ اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے انھوں نے نہ امیر المومنین کی کوئی مدد کی نہ ان کی جانب سے لڑے اور نہ انھوں نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے۔ خزاعہ، سعد بن بکر، ہذیل، مزینہ، جہینہ کے قبائل لڑائی کرتے رہے سب نہ سہی اکثر ضرور تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے ان کے نام لکھ دیئے ہیں ان لوگوں نے گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کر دی۔ تین آدمی گھر میں قتل ہو گئے۔ مجبور ہو کر گھر کے اور آدمیوں نے عثمانؓ سے لڑائی کی اجازت مانگی۔ انھوں نے اجازت نہیں دی بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس کر دو مگر اس سے وہ کچھ خبیں نہ پڑے بلکہ اور دلیر ہو گئے۔

فردوھا الیھم فلم یزدھم ذالک علی القتال الا جراءۃ وفی الامر الا اغراء ثم احرقوا باب الدار فجاءھم ثلاثۃ نفر من اصحابہ فقالوا ان فی المسجد ناسا یریدون ان یاخذوا امر الناس بالعدل فاخرج الی المسجد حتی یاتوک فانطلق فجلس فیہ ساعۃ واسلحۃ القوم مظلۃ علیہ من کل ناحیۃ ما اری احد یعدل فدخل الدار وقد کان نفر من قریش علی ملتھم السلاح فلبس درعہ وقال لا لاصحابہ لولا انتم ما لبست درعا فوثب علیہ القوم فکلمھم ابن الزبیر واخذ علیھم میثاقا فی صحیفۃ و بعث بھا الی عثمان ان علیکم عھد اللہ ومیثاقہ الا تغرروہ بشیٔ فکلموہ تخرجوا فوضع السلاح فلم یکن الا وضعہ حتی دخل علیہ القوم یقدمھم ابن ابی بکر حتی اخذوا بلحیتہ ودعوہ باللقب فقال انا عبد اللہ وخلیفتہ فضربوہ علی راسہ ثلاث ضربات وطعنوہ فی صدرہ ثلاث طعنات وضربوہ علی مقدم

پھر انھوں نے دروازہ میں آگ لگا دی آخر تین آدمیوں کی کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے سامنے مصالحت کے لئے رو در رو بات کرنے کے لئے بلوایا وہ اسلحہ کے سایہ میں تھوڑی دیر بیٹھے رہے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اور پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت قریش سب مسلح تھے۔ عثمانؓ نے بھی زرعہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمہاری وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ کیا گیا۔ ابن زبیرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور ان سے تحریری معاہدہ کیا جس میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی حملہ نہ ہوگا۔ وہ باز آ گئے ابن زبیرؓ نے بھی ہتھیار اتار دیئے مگر فوراً موقع پا کر ان لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے آگے آگے محمد بن ابو بکر تھے اندر آ کر حملہ کر دیا اور آتے ہی داڑھی پکڑ لی اور گالی دی (حضرت) عثمان نے کہا کہ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہوں اسی اثنا میں ان لوگوں نے تین وار نیزے کے آپ کے سینے پر کیے اور تین وار سر پر کیے اور ایک تلوار سر کے اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی تک

الجبین فوق الانف ضربۃ اسرعت فی العظم فسقت علیہ وقد اثخنوہ وبہ حیاۃ وھم یریدون قطع راسہ لیذھبوا بہ فاتتنی بنت شیبہ بن ربیعہ فالقت نفسھا معی علیہ فتوطئنا وطاء شدیدا وعرینا من ثیابنا وحرمۃ امیر المومنین اعظم فقتلوہ رحمۃ اللہ علیہ فی بیتہ وعلی فراشہ وقد ارسلت الیکم بثوبہ وعلیہ دمہ وانہ واللہ لئن کان اثم من قتلہ لما سلم من خذلہ فانظروا این انتم من اللہ عز وجل فانا نشکی ما مسنا الیہ ونستنصر ولیہ وصالح عبادہ۔

بیٹھ گئی۔ میں عثمان پر چھا گئی تاکہ ان کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ کر لے جانا چاہتے تھے اتنے میں شیبہ بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے پھاڑ ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں ان کو مار ڈالا۔ میں ان کا خون لگا کرتا تم کو بھیجتی ہوں اگر قاتل مجرم ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں جنھوں نے رسوا ہوتے دیکھا اور مدد نہیں کی۔ اب سوچ لو خدا کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے مصیبت کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا۔ عثمانؓ کے ولی اور اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کی

(نائلہ بیوہ عثمانؓ)

مضمون خط لے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی ہو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بیرحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا اور اس وقت قتل کرانا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی ہوتیں قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کو جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکیں گے۔ سازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے ان کی بیٹیاں رو رہی

تھیں انھیں دیکھ کر آنسو پوچھنے لگیں پوچھا کیوں رو رہی ہو۔

قلن بکی علی عثمان فبکی وقال ابکین (انساب الاشراف)

انھوں نے کہا کہ (خالو) عثمان پر۔ (یہ سن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا ہاں روؤ۔

فتنۂ اولیٰ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں ایک موقع پر لکھا ہے:۔

پس فتنۂ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و مابعد او مت تا آنکہ خلافت معاویہ بن ابی سفیان مستقر شد وفتنۂ ثانیہ بعد فوت معاویہ بن ابی سفیان تا استقرار خلافت عبدالملک۔

(ج ۲ صفحہ ۱۳۰)

پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور اس کے بعد کے واقعات ہیں اس وقت تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن ابوسفیانؓ قائم نہ ہوئی اور دوسرا فتنہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے اس وقت تک رہا جب کہ خلافت عبدالملک (بن مروان) قائم نہ ہوئی۔

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہو گئے اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

چوں نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد واکثر بلدان از طاعت خلیفہ برآمدند۔

(ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۲۸۲)

جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی تقدیر الٰہی سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنے مقصود نہیں۔ عرض کرنا یہ ہے کہ جھگڑے بھی شدید ہوئے۔ خوں ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہ تھا۔ سبائیوں کی ورانداز یوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر بھی ایک ہو گئے یہ صحابہ اور تابعین ہی تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

عام الجماعت اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں حضرت حسن رضؓ نے جب حضرت معاویہ رضؓ سے بعد صلح بیعت کر لی اتحاد المسلمین کی پھر وہی کچھ کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال حضرت معاویہ رضؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسنِ تدبر سے تمام فتنہ پردرانہ سرگرمیوں کو دور کر کے ہر خطہ مملکت میں امن امان کو بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی وہاں کا نظم و نسق حکومت درست کرنے کے لئے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ کو متعین کیا جو حضرت علی رضؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا ان کو نوشیرواںؒ ثانی کہتی تھی۔ اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؒ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے مفسدین کے لئے درشت مزاج امن پسندوں کے لئے نرم خو بقول شاعر

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جرّاح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہوگئی۔ چنانچہ امت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رکے پڑے تھے۔ اب حضرت معاویہ رضؓ نے تیزی سے شروع کئے، ہر طرف خوشی و مرفعہ الحالی کی لہریں دوڑ گئیں۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی حلم و کرم، عدل و انصاف جود و سخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں،

"کانت سیرۃ معاویۃ مع رعیتہ من خیار امیر الولاۃ وکان رعیتہ یحبونہ (یعنی حضرت معاویہ رضؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی

لہ صفحہ ۲۸۵ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۸۸ء مقالہ ایڈورڈ ٹھامس۔

کی طرح تھا اور ان کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی) صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ خیار الائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم ویصلون علیکم وتصلون علیھم (ک ۳۲ ج ۶۵ و ۶۶) تم میں بہترین حکمران وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں سرداری و حکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ما رایت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ (میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی (حضرت) معاویہ رضؓ کو ہے) اسی طرح دیگر معاصرین کے اقوال ہیں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضؓ فرماتے تھے ما رایت احداً اسود من معاویۃ (میں نے (حضرت) معاویہ رضؓ سے زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا) سننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمر رضؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا حضرت عمر رضؓ ان سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہ رضؓ سرداری میں بڑھ کر تھے (صفحہ ۱۳۵ ج البدایہ والنہایہ) علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی و متورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاص کا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ یہ قول نقل کیا ہے کہ ما رایت احداً بعد عثمان اقضی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ (میں نے (حضرت) عثمان رضؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا ہے یعنی معاویہ رضؓ)، حضرت عمیر بن سعد الانصاری رضؓ جو زاہد صحابی تھے [illegible] کے عامل تھے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت معاویہ رضؓ کا تقرر کیا۔ کسی نے ان کے سامنے حضرت معاویہ رضؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیر رضؓ نے فرمایا لاتذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ (معاویہ رضؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "خدایا اسے ہدایت کا ذریعہ بنا" واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہ رضؓ نے رشد و ہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا مسلمان نسلیں رہتی دنیا تک حضرت امیر معاویہ رضؓ کی شکر گذار رہیں گی۔ کہ عین اس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ خونریز

صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادرکشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ پڑ جائیں ان پر حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اتار دے حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کیا قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک قدم بھی تو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کر لیں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

فلما رای ملک الروم اشتغال معاویةؓ بحرب علیؓ تدانی الی بعض البلاد فی جنود عظیمة وطمع فیه فکتب معاویة الیه! یا لعین! اصطلحن انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من جمیع بلادک ولاضیقن علیک الارض بما رحبت فعند ذالک خاف ملک الروم وانکف و بعث یطلب الهدنة۔

(ص ۱۱۹ ج البدایہ والنہایہ)

جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی فوجیں اسلامی سرحدوں کی طرف قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔ معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا:۔ اے لعین! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کر دیں گے۔ قیصر اس سے خائف ہوا، لوٹ گیا اور طلب صلح کے لئے وفد بھیجا۔

بعض یورپین مورخین گبن وغیرہ فرماتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلوخلاصی کے لئے قیصر سے دب کر صلح کر لی تھی لیکن مسلمان مورخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے۔ گبن کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں جن میں جیسا ذکر ہو چکا ہے ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

والجهاد فی بلاد العدو قائم وکلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف

دشمن کے ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا، مال غنیمت تمام

الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔

(ص ۱۱۹ ج البدایہ والنہایہ)

اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام و انصاف، رحم اور درگزر کے ساتھ رہتے تھے۔

مورخ گبن کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آ جانے سے بچا لیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہو جانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی ناظرین کو یہ بتاتا ہے۔

"اس تحقیق و تفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے، جن سے روم کا کروفر و عظمت و جلال محفوظ رہا، جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہو جانا رکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں) کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق و زوال کی تخم ریزی ہو سکی" (تاریخ عروج و زوال۔ روما الکبریٰ)

اس عیسائی مورخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بیجا بھی نہیں، مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادت عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگر انتشار و اختلال کی کیفیت رونما ہو گئی ہوتی جنگ جمل و صفین و نہروان میں تقریباً ستر اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہو گئے ہوتے۔ یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور آج مسیحیت کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسائی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجتیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو "خاموش اذانوں" اور سجدوں کے پوشیدہ نشانوں" کا حسرت کے ساتھ ذکر نہ کرنا پڑتا اور نہ گبن کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا اور طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کر کے کاروان ملت کو جادہ پیمائی کے لئے پھر مستعد کر دیا۔

محدث دہلویؒ نے خلیفہ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

چنانکہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض از ازالہ مواد مرض ادمی نماید و حمیہ می فرماید

جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اور مادہ مرض کے ازالہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا

ہم چناں این خلیفہ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند وازالۂ مادہ مرض می سازد وارشاد حینۂ می نماید۔ (ص۱۴۴ ج ازالۃ الخفا طبع اول)

ہے اسی طرح خلیفہ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت وتندرستی کے حصول کا اور مادہ مرض سے دفعیہ کا ازالہ کر دیتا ہے اور پرہیز بتا دیتا ہے۔

یہ خلیفہ راشد ہی کی خدمت تھی جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی اگرچہ حضرت علیؓ بعض سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ:۔

مقاصد خلافت خاصہ علی وجہ اد در زمان علیؓ متحقق نگشت بعد مرتضیٰؓ چوں معاویہؓ بن ابی سفیانؓ متمکن شد واتفاق ناس بروے بحصول پیوست و فرقت جماعت مسلمین از میان برخاست وے سوابق اسلامیہ نداشت لہ الی آخرہ۔ (ص۲۳۳ ج۱)

(حضرت علیؓ کے زمانہ میں خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے اور حضرت مرتضیٰؓ کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ (خلافت) پر متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق واتحاد حاصل ہو گیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اٹھ گیا وہ اگرچہ سوابق اسلامیہ (بمقابلہ حضرت علیؓ کے) نہ رکھتے تھے مگر مقاصد خلافت کے برآئے)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں:۔

واما خلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان فثابتۃ صحیحۃ (ص۱۶۲ غنیۃ الطالبین)

لیکن (حضرت) معاویہؓ بن ابو سفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔

لہ شاہ صاحبؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرات سے گلو خلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوابق ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جانتے تھے جو کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جنہوں نے اہم ترین مناسب کا انہیں اہل جانا۔ اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بنا پر

پس ایسی خلافت کو جس میں ملت کا اتحاد واتفاق قائم وبرقرار رہا ہو۔ اور ملت مسلمہ ایک صحابی وکاتب وحی کے زیر قیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو، زبردست فتوحات حاصل ہوئی ہوں تمام امت امن وامان اور راحت وآرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافت راشدہ کیوں نہ کہلائے کیا محض اس لئے اس کو ''ملک عضوض'' کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد ''ازالۂ مادہ عرض'' اور ''جلب صحت طبیعت عالم'' کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جس کو آج کی اصطلاح میں ''مارشل لا'' کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقے سے فتنہ وفساد کے دفعیہ کے لئے۔ ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ''الخلافۃ فی امتی ثلثون سنۃ ثم ملک'' اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتۃ الکوفی ہیں وہ سعید بن ''جمہان'' سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی پھر بادشاہی ہوگی۔ یہ حدیث بہ تغیر الفاظ ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں منکر الحدیث ہیں۔ یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی۔ انھوں نے یہ حدیث ان سے کب، کیونکر اور کہاں سنی۔ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو نظام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیش گوئی کرتی ہو روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بین ثبوت ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشن گوئی کے اثر کو زائل

لہ انھوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی کی پیروی میں انہیں ہادی ومہدی باور کیا۔ اور اسی طرح ان کے حقوق کی رعایت کی جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے۔

کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی جو حضرت جابر بن سمرہ صحابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ دین اسلام قوت سے رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے لا یزال الاسلام عزیزاً الیٰ اثنی عشرہ خلیفۃ کلھم من قریش[1] ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزیدؒ ہوتے ہیں[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "بادشاہت" کا نام دیا جائے یا "ملک عضوض" کا اس کامیاب عہد کا مفاد ملیہ کے لئے مبارک ہونا واقعات تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص و عام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آنا اور شعراء کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا۔ عرب کے مشہور شاعر الراعی عبید بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اس زمانہ میں امیر یزیدؒ کو بھیجے تھے جب بہتیرے علم و دانش رکھنے والے اور نزاکت وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ سابقہ حالات کے پیش نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کے لئے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کے لئے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا

---

[1] ایک فرقے نے شاید اسی بنا پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارھویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغرسنی میں غائب ہو گئے لیکن زندہ ہیں قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ [2] کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافت نبوت کے حاملوں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے "بنو اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے۔ فرمایا "بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو۔ ان کے حق ادا کرو۔ ان کی رعیت کی بابت اللہ ان سے پوچھے گا"۔ یہ بارہ کی تحدید آخر عہد اموی تک کے لئے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

نام پیش کرتے تھے جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اور اس عہد کی فوجی قوت جس کی قیادت متعدد معارک عظیمہ میں وہ کر چکے تھے۔ کلیتاً ان کے تھی۔ مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضہ سمجھتے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متامل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا۔ آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعر ان اشعار میں امیر یزید کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولیعہدی قبول کر لیں۔ وہ کہتا ہے ؎

یزید یا ابن ابی سفیان ھل لکم — الی ثناء دودٍ غیر منصرم
اے یزید! اے ابوسفیان کے بیٹے! کیا تمہیں کچھ رغبت ہے۔ — (لوگوں کی) غیر منقطع مدح و ثنا اور محبت (ہر دلعزیزی) کی طرف؟

انا نقول ویقضی اللہ مقتدراً — وما یشاء ربنا من صالح یدم
ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری کرے گا۔ — اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہے تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے۔

فاعھد تقاتلکم خذھا یزید وقل[1] — خذھا معاوی غیر العاجز الھرم
اپنے سے جنگ کرنے والوں پر نگرانی رکھو اور اے یزید اس خلافت کو حاصل کرو۔ — اور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض ہو کمزوری اور ناتوانی مت دکھاؤ۔

ولا تحط بھا فی غیر دارکم — انی اخاف علیکم حیرۃ الندم
اور اس (خلافت) کو (اپنے گھر کے سوا) کسی دوسرے گھر میں نہ اتارو۔ — میں تمہارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سے ڈرتا ہوں۔

ان الخلافۃ ان تعرف لغیرکم — تثبت معادلھا فیکم ولا تُرَم[2]
اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا) کسی تیسرے کے لئے معروف و منسوب ہوئی — (جیسی) اس کے مرکز تمہیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے (کیونکہ اسکی اہلیت تمہیں میں ہے اور کسی میں نہیں)

---

[1] انے امر صانع۔ [2] غالباً یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ

ولا تزالُ وفودٌ فی دیارِکُمُ — فی ظلِّ ابلجَ سباقٍ الی الکرَمِ

اور تمھارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گے۔ — ایک بشاش چہرے والے بزرگی و کرم کیطرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیر سایہ

(یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ)

یہ اشعار اس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوفناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سال عہد خلافت میں بالکلیہ دور ہوکر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملت اسلامیہ پھر متمتع ہوگئی حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی غرضکہ جب ولیعہدی پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور کل امت کی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہوچکا خوش دلی سے حاصل ہوگئی تو شاعر نے یہ دو شعر لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کئے۔

راحت کما راح او تغدو کعد وثقٍ — غدت وخود علیها راکبٌ یققٌ

ایک مضبوط تیز رفتار ناقہ ہے اور اس پر ایک سوار۔ — وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو چلا تو چل پڑی۔ پیغام لایا ہے۔

تَنتابُ آل ابی سفیان واثِقةٌ — بِسَیبِ ابلجِ منجابٍ لما یَعِدُ

کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے۔ — اب خلافت پر آل ابی سفیان ہی یکے بعد دیگرے فائز ہوں گے۔

اسلامی عقیدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیینؐ اور افضل البشر و انسانِ کامل تھے ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مورخ بھی جنھوں نے حال ہی میں آپ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ

کے شروع ہی سے مخالف تھے اور اس ولیعہدی کی مخالفت انھوں نے کی تھی اور کرائی تھی۔

[3] معدن اللغتہ مرکز (منتخب اللغات)، [4] لایرم لایزال

غور و خوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کے وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ استعجاب ہوگا۔" اسی کے ساتھ اس مورخ نے عہد نبویؐ کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمال میں غالب اکثریت بنی امیہ کی تھی اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں آپ نے حضرت ابوسفیانؓ ان کے فرزندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا خلاف صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرور کائناتؐ نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشین گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلیفوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملت میں سوائے خلیفہ وقت کے نہ کوئی دوسرا امیرالمومنین ہوسکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفا ہی کے لئے مخصوص تھا۔ لبعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر ان کے جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہیں لی۔ ان کے انتقال کے بعد جب بیعت لی کسی ہاشمی نے ان سے بیعت نہیں کی دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی بن الحسینؒ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسیٰ (الرضاؒ) اور ان کے فرزند محمد بن علیؒ خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے۔ اور ان کی بیعت میں شامل کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کو امیرالمومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملت کے سیاسی نظام میں وہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملت کے داخلی و خارجی امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب سے مخاطب ہوسکتا تھا اور نہ کیا جاسکتا تھا۔ ملت کی سربراہی اپنے وقت میں جیسی آل ابوسفیانؓ کی کامیاب رہی اس کا ثبوت

کتب تاریخ کے علاوہ آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ اور ان کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی قصور ہوتا تو خود امیر المؤمنین یزیدؒ ان کو سزا دیئے کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ مشرقی صوبے کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں پہلوی زبان کے رسم الخط میں امیر زیادؒ اور ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے ناموں اور تذکروں سے جو اس عہد کے سکہ جات پر کندہ ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و استحکام کا قدرے اندازہ کیا جا سکتا ہے اس زمانے میں ملت کی سیاسی قیادت اور مملکت کی انتظامی مشین کی درستی آل ابو سفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں میں تھی۔ مگر دشمنی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا ہے اس کی کوئی حد نہیں طرح طرح کے بہتان تراشے گئے اور مسلسل پروپیگنڈے سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد خاص و عام ہیں سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان کردہ ہیں مورخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر کو آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مورخ بلاذری نے جن راویوں کے سلسلہ روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے۔ گانے بجانے والی چھوکریوں کو رکھنے شکاری کتوں بازو بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں درج کی ہیں ذرا ان کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں:۔

حدثنی العمری عن الھیثم	العمری نے مجھ سے بیان کیا ان سے الہیثم
بن عدی عن ابن عیاش وعوانہ	بن عدی نے ان سے ابن عیاش وعوانہ
وعن ھشام بن الکلبی عن ابیہ	نے ان سے ہشام بن کلبی نے ان سے
وابی مخنف وغیرھما	ان کے باپ نے اور (اسی طرح) ابو مخنف
(ص ۱ ج ۴ انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)	وغیرہ دونے بھی بیان کیا ہے)

ابو مخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مندرجہ بالا

راویوں میں پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن السائب الکلبی ابوالنضر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں۔ (ص ۶۲ ج ۳ میزان الاعتدال علامہ ذہبی) دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے جس کو ابن عساکر نے رافضی ناقابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (ص ۲۵۶ ج ۳ ایضاً) تیسرے راوی ابن عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (ص ۲۶۵ ج ۳ ایضاً) پانچویں العمری راوی متوفی ۲۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (ص ۳۵۴ ج ۳ ایضاً) ان کے علاوہ اور دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں۔ جن کی زبانی یہ خرافات مشتہر ہوئیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دو سو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے شاہد عینی تھے یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المومنین یزید کی نیکوکاری صوم وصلوٰۃ کی پابندی پرہیزگاری اور علم وفضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کئے گئے ان کی پرزور تردیدیں کیں۔ یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے نے ان خرافات کا پروپیگنڈا اس شد ومد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب ودروغ وبدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائرکٹر نشر واشاعت گوبلس نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلہ میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ ہو تو بے دھڑک بولو شد ومد سے بولو اور مسلسل ومتواتر بولو اور پروپیگنڈا کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے۔ یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپیگنڈے کی ہوئی طرح طرح کے قصے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی

کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے۔ مثالاً پیش کی جاتی ہے مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ۔

ولما حج فی خلافۃ ابیہ جلس بالمدینۃ علی شراب فاستاذن علیہ عبد اللہ ابن العباس والحسین بن علی فامر بشراب فرفع وقیل لہ ان ابن عباس ان وجد ریح شرابک عرفہ فحجبہ و اذن للحسین فلما دخل وجد رائحۃ الشراب مع الطیب فقال للہ درّ طیبہ وما کنت احسب یتقدمنا صنعۃ الطیب فما ھذا یا ابن معاویۃ فقال یا ابا عبد اللہ ھذا الطیب یصنع لنا بالشام ثم دعا بقدح فشربہ ثم دعا بقدح آخر فقال اسق ابا عبد اللہ یا غلام فقال الحسین علیک شرابک ایھا المرء لا عین ملیک منی فشرب۔

(ص ۶۱ ج ۱۳ کتاب الاغانی)

یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ خلافت میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہے تھے کہ اتنے میں (حضرت) عبد اللہ بن عباسؓ و (حضرت) حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت چاہی (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا (حضرت) ابن عباسؓ کو اگر تمھاری شراب کی بو آگئی، تو پہچان جائیں گے۔ اس لئے شراب کو چھپا دیا پھر (حضرت) حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی وہ جب داخل ہوئے تو انہیں خوشبودار شراب کی خوشبو آئی (حسینؓ نے یزیدؒ سے) کہا تمھاری یہ خوشبو کیسی اچھی ہے مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا خوشبو کی صنعت میں کوئی ہم سے سبقت لے جائے گا[1] اے ابن معاویہ یہ کیا خوشبو ہے؟ (یزید نے کہا) کہ اے ابو عبد اللہ[2] یہ خوشبو ہمارے لئے شام میں بنائی جاتی ہے پھر انھوں نے ایک پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالا منگا کر چھوکرے سے کہا کہ یہ ابو عبد اللہ کو پلاؤ۔ اس پر (حضرت حسینؓ نے) کہا کہ اے شخص یہ شراب

---

[1] حضرت حسینؓ کے دادا ابوطالب بن عبد المطلب خوشبوؤں اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ اشیاء اپنے ہاں تیار کراتے تھے۔ یہ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

[2] حضرت حسینؓ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

اپنی تم اپنے ہی لئے رہنے دو میری نظریں تم پر نہیں (گویا میں نے منہ پھیرے لیتا ہوں تم پی جاؤ) پھر انھوں نے پی لی۔

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ امیر یزیدؒ مے نوشی کر رہے تھے۔ اس کے لئے "شراب" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق مسکر اور غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے پھر تو خوشبو دار شراب یعنی بمعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں کل مائع یشرب یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے۔ قرآن شریف میں ہے یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس یعنی وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے یعنی شہد۔ اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کے لئے آیا مثلاً۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بشراب فشرب منہ۔ (کتاب الاشربہ۔ بخاری ص ۸۴۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شراب لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی شربت نوش فرمایا۔

اسی طرح دیگر کتب احادیث موطا ج ۲ ص ۱۶۱ و ترمذی ص ۹۱ میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکر و غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے آپ نے فرمایا میں نے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا۔ شراب شام (مثلث) میں نشہ (سکر) نہیں اس لئے حلال ہے (موطا امام مالک) آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسرؓ میں اس کی مزید تصریح ہے۔

انہ (عمرؓ) کتب الی عمار بن یاسر انی اتیت بشراب من الشام طبخ حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ یبقی حلالہ ویذھب حرامہ وریح جنونہ فمر من قبلک فلیتوسعوا من اشربتھم

(ص ۳۳۳ بذل المجہود شرح ابی داؤد)

حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسر کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے پاس ملک شام سے شراب آئی ہے وہ پکائی گئی یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا ایک ثلث باقی رہ گیا۔ حلال بچ رہ جائے گا حرام جل جائے گا۔ نشہ کرنے والی اڑ جائے گی پس

تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ
وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کر سکتے
ہیں یعنی استعمال کر سکتے ہیں۔

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؒ بھی خوشبوئیں شامل کر کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

احلال المثلث من شرائط اهل سنة والجماعة وان لا يحرم النبيذ لما ان بتحريمه تفسيق كبار الصحابة والكف عن تفسيقهم والامساك عن طعن فيهم من شرائط اهل سنة والجماعة (ص ۳۴۴ ج ۱۰ بذل المجهود شرح ابی داؤد)	مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔ اور نبیذ کو حرام نہ سمجھنا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق نہ کرنا اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سنت والجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں ہو سکتی اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا تو امیر المومنین یزیدؒ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے کیا محض سیاسی مخالفت کے پروپگنڈے کی بنا پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے، عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی حرمت الخمر بعینها والمسكر من كل شراب (کتاب الاشربہ نسائی) یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی لا عبرة بالتسمية مشروبات میں کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اسی خوشبودار شربت مثلث (شراب شام) کے لئے ہے اور وہ ایسا خوشبودار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی

اہل عراق کو نبیذ مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ اور تابعین استعمال کرتے تھے اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابو حنیفہؒ نے شرائط اہل سنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے شربت کو شراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے لطف اندوز ہوتے ہیں شراب شام کی جب یہی نوعیت ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام این چہ بوالعجبی است ؎

زحد و منع بادہ اے زاہد کا فر نعمتی است
دشمن مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن

عجیب عجیب لغو قصے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کے لئے تراشے گئے جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے شر القرون میں بھی ام الخبائث کے علانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے ممتاز تابعی پر جس نے بد شعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل کی ہو۔ اور جو فریضہ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت میں دمشق سے ارض مقدس حجاز پہنچا ہو یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے دو ممتاز ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالۂ عقد میں ہوں بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو تشریف لائے، حضرت حسینؓ نے شراب کی خوشبو کی تعریف کی تو دو قدحے منگوائے ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی، انتہائی لغو بیانی ہے پہلی بات تو اس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ یہ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے خورد تھے، سن و سال میں بھی اور رشتہ و قرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت حسینؓ ان کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقاء و پرہیزگاری میں شان امتیاز رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہو سکتی تھی۔ چہ جائیکہ بادۂ شے سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں

خاموش رہتے وہ تو اپنے اس عزیز کی وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہوجاتا اس لغو حکایت کے وضع کرنے والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے یعنی حضرت حسین رضؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے۔ علیك شرابك ایھا المرء لاعین علیك منی (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار ہم تجھے نہیں دیکھ رہے بالفاظ دیگر ہم نظر بچائے لیتے ہیں تو نوش کرجا) کس درجہ مہمل فتنہ تراشا ہے اگر کچھ بھی اصلیت اس حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی خوشبودار شربت سی جو شرابِ شام کہلاتی تھی تواضع کی گئی ہوگی اس کی خوشبو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسین رضؓ نے تعریف بھی کی تھی لیکن "قدحِ آخر" کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور چیز کے پینے سے پرہیز کرنا تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہوگی۔ یہ عارضہ حضرت حسین رضؓ کو اپنے والد محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کر گیا تھا اور اس لئے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زبان اور آلاتِ تکلم متاثر تھے۔

ابن جریر طبری نے فرزدق شاعر کا یہ قول اسی کے بیٹے لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ "جب میں نے حضرت حسین رضؓ سے حدودِ حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسکِ حج اور دعائیں معلوم کیں، اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا فرزدق کے الفاظ ہیں:- "فاذا ھو ثقیل اللسان من برسام اصابہ بالعراق"

(ص ۲۱۸ ج ۶ طبری) یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام) میں آپ کو عارض ہوگیا تھا، ثقیل اللسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہوجاتے ہیں آپ محفوظ رہے[1]

---

[1] مرض برسام کے بارے میں عہد مامون کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی لکھتے ہیں:-

(البقیہ ص ۴۱۷)

"زبان موٹی پڑجانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے:-

فلقیت حسیناً فرایتہ اسود الراس واللحیۃ فقلت لہ السلام علیك یا ابا عبد اللہ فقال وعلیك السلام وکانت فیہ غنۃ۔	اور میں نے حضرت حسین رضؓ سے ملاقات کی ان کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ دیکھے پھر میں نے ان سے کہا السلام علیک یا ابو عبد اللہ۔ انھوں نے فرمایا وعلیک السلام اور وہ ناک میں بولتے تھے۔
(ص ۱۶۹ ج ۸ البدایہ والنہایۃ)	

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کر آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے تکلم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے پوتے (جناب زید بن علی بن حسینؓ) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

فحدثت بہ زید بن علی فاعجبہ وکانت فیہ غنۃ قال سفیان بن عیینۃ وھی فی الحسینین۔	(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسین سے وہ بات بیان کی جو انھیں بڑی اچھی لگی۔ وہ بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ حسینیوں میں یہ چیز پائی جاتی تھی۔
(ص ۱۶۹ ایضاً)	

اگر واقعہ یہی ہے جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض

بقیہ ص ۴۱۶

البرسام وھی ورم یحدث فی الحجاب ویتبع ذلك اختلاط الذھن لما یتادی عنہ الضرر الی الدماغ بالمشارکۃ	حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں اس ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالمشارکت ضرر پہنچتا ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہوجاتا ہے۔ یعنی مریض خبط الحواس ہوجاتا ہے۔
(ص ۳۵۵ کامل الصناعۃ طبع مصر)	

"بر" صدر (سینہ) کو کہتے ہیں (ص ۴۵ المعرب للجوالیقی) برسام اور سرسام دو جداگانہ مرض ہیں۔ برسام کو "ورم الموم" بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب) شفاء الغلیل للخفاجی (ص ۳۱ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی مرض کہا ہے مگر سرسام سے سر متاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہوجاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلاتِ تکلم پر پڑتا ہے۔

کی وجہ سے جس سے آلاتِ ہضم متاثر تھے حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا وہ قدح آخر نوشش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالاتِ مرض میں پرہیز کرنا ہی چاہئے تھا مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس "قدحِ آخر" کو "قدحِ مے" سے تعبیر کرکے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کردیا۔

امیر یزیدؒ کو اگر آپ بادہ پرست دے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال متواتر امیر یزیدؒ امیرِ حج کے فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی ان کی اقتدا میں مناسکِ حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا[1]۔ جہادِ قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے۔ اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی۔ ان میں سے کسی نے بھی ایک "بادہ پرست" کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کے لئے اپنے کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائلِ ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا گفتگوؤں میں اظہار بھی کرتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار دے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر اور شجیع شخصیت کو اظہارِ حقیقت سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔ آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق و فاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شربِ خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں سنی سنائی باتوں سے۔ بلاذری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کا بھی انکشاف ہوجاتا ہے۔

بسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن معاویۃ وتنقصہ وقال بلغنی انہ یصبح سکران ویمسی کذالک (ص۲۱ ج۲ انساب الاشراف)	ابن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔

[1] حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۲۵ حج کئے جن میں سے متعدد پاپیادہ کئے (کتاب نسب قریش ص۲۵)

گویا انھوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو نہ تھا لوگوں سے سن سنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔ امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی۔ حضرت ابن زبیرؓ پر ان کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

یا امیر المومنین ان ابن الزبیر رجل ابی لجوج فدعہ علی امرہ۔ (ص۲۱ ج۲ انساب الاشراف)	اے امیر المومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں انھیں ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا اپنی قسم پوری کرنے کے لئے ان کو گرفتار کرانا چاہا چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاۃ الاشعری بھی تھے ان سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہیثم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے "عضاۃ" کو دوسری جگہ "عضاہ" بھی لکھا ہے۔

ابن زبیر — میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوترانِ حرم سے بھی لڑائی کروگے؛

ابن عضاۃ نے یہ الفاظ ان کے منہ سے سنکر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا۔ اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اٹھا لاؤ۔ جب تیر کمان آگیا ابن عضاۃ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا "اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ پھر کہا۔

یا حمامۃ اتخلعین امیر المومنین یزید وتفارقین الجماعۃ وتقیمین بالحرم یستحل بک۔ (ص۲۱ ایضاً)	اے کبوتر! کیا تو امیر المومنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ اور حرم کعبہ میں مقیم ہوگا تاکہ یہاں (پناہ گزیں ہونا) تجھے حلال ہوجائے۔

ابن زبیرؓ — ہائیں! ابن عضاۃ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا پرند بھی بات چیت کرسکتے ہیں؟

ابن عضاۃ ۔ پرند تو باتیں نہیں کر سکتے مگر تم تو بول سکتے ہو ۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضا مندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے ۔ اور تم اگر خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمھیں وہیں سے پکڑیں گے ۔ چاہے اس میں ہمیں الہدام واحراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے ۔

ابن زبیر ۔ تو کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال وجائز کرو گے ۔

ابن عضاۃ ۔ یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھ کر خلاف ورزی (احکام شریعت) کا مرتکب ہوگا ۔ "الحد فیہ"

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے ۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے ۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا اس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کر کے کہا تھا کیا تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو ، یا اس ہوش مند کی جو (بغاوت فرو کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے ۔ آخری شعر تھا ؎

واعجباً من ملحد واعجبا — مخادع فی الدین یقفو بالفری

افسوس اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر افسوس ۔ جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بات بیان کرتا ہے ۔

"مخادع فی الدین" سے سیاسی اغراض کے لئے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر بغاوت و فتنہ پیدا کرنے کا پروپگنڈہ مراد ہے اور "یقفو بالفری" سے شرب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب صاف اشارہ ہے ۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر "ملحد" کہا ۔ اور ابن عضاۃ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہو کر نظام سیاسی درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں "الحد فیہ" کہا تھا غرضیکہ یہ باتیں تو ان کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گذرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی بکثرت بے لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو

حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھ کر آپ نے فرمایا ایک دوزخی جنتی کی گود میں جا رہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ کی وفات کے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بعہد وضع ہو کر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے ۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے بھی تجاوز کر کے سنہ ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم کے ہبوط کرۂ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں ۔ اور لکھا ہے کہ بی بی حوا کی تلاش میں تمام کرۂ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گذر ہوا تو یکایک ان پر "اندوہ بزرگ" طاری ہوگیا سینہ میں تنگی محسوس ہوئی پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی "وخون از پائے او بردمید" (ص۲۱۲ ج ۱) یعنی ان کے پیروں سے خون جاری ہوگیا حضرت آدمؑ نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ساری دنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی ۔ کیا خطا یہاں مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا ۔ جواب میں یہ وحی آئی ۔

یا آدم ما حدث منک ذنب ولکن یقتل فی ہٰذہ الارض ولدک الحسین فلذا سال دمک موافقۃ لدمہ (ص۲۱۲ ایضاً)

اے آدم گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن اس زمین پر تمہاری اولاد میں سے حسین قتل ہوگا اس لئے یہ تمہارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہ گیا ہے ۔

حضرت آدمؑ کے پوچھنے پر کہ قاتل حسینؓ کون ہوگا "خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا وزمینہا است" چنانچہ جبریل کے مشورہ سے انھوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا اس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی وپیغمبر کو جن کے نام انھیں یاد تھے کربلا پہنچا کر ان کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں ۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگوئیں درج کی ہیں ان میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے زہیر بن القین کے تو یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اے لوگو ! حسینؓ کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے دو" کیا ایک بادہ پرست کے

پاس جا رہے تھے۔ اور وہ بھی بیعت کرنے کو!

بقول محقق دبے ہوئے حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجاً افسانے کی شکل اختیار کر لی وضعی روایتوں اور مسلسل پروپگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں مناقب کی جھوٹی حدیثوں سے واقعات تاریخ مسخ صورت میں پیش کئے گئے حقیقت تعصبات کے پردوں میں روپوش ہوگئی اور ایسی فضا پیدا کر دی گئی کہ سب وشتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ ؎

انھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہؓ مے نوش و فاسق و ستمگر تھا[1]

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضاء تھے۔ قد بلند و بالا جسم مضبوط رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔
(ص ۲۷ انساب الاشراف بلاذری)

ویقال کان ابیض وکان حسن اللحیۃ خفیفھا (ص ۳ ایضاً) — یہ بھی کہتے ہیں کہ یزیدؒ سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت داڑھی تھی۔

وفات بروایت اصح ۱۴ ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پر فضا مقام ہے وفات ہوئی ان کے فرزند اور ولیعہد معاویہ بن یزیدؒ نے نماز جنازہ پڑھائی تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہر دلعزیز امیر المومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں ان کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال الواقدی ادفن یزید بدمشق فی مقبرۃ الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علی ایدی الرجال الیھا فیھا — واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے انتقال ان کا حوارین میں ہوا وہاں سے جنازے کو

---

[1] علامہ شبلی کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں تصرف لفظی کیا گیا ہے۔

دفن الیٰ معاویۃ۔ (ص ۲۷ انساب الاشراف بلاذری) — لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور ان کے والد (حضرت) معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دشمنی نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے وہ شعر یہ ہے۔

یا ایھا القبر بحوارینا ضممت خیر الناس اجمعینا

اے وہ قبر جو حوارین میں ہے سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے۔

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

یا ایھا المیت بحوارینا اصبحت خیر الناس اجمعینا

اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا

امیر المومنین یزیدؒ نے بیالیس برس کی عمر پائی تقریباً یہی عمر ان کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبد الملکؒ کی ہوئی۔ مدت خلافت تین برس نو مہینے تھی۔ اور تقریباً یہی مدت خلافت ان کے ہم نام نواسے یزید بن عبد الملکؒ کی بھی ہوئی

ازواج و اولاد امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولی والدہ معاویہؒ ثانی کلبیہ خاتون تھیں ان کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو باوقات مختلف حبالہ عقد میں لائے (۱) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس۔ نام فاختہ تھا اور لقب حبۃ (۲) ام کلثوم بنت عبد اللہ بن عامر امویہ۔ (۳) ام محمد بنت عبد اللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ (۴) ام مسکین بنت عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ

اولاد میں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبد الملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ ان سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبد الملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام ان کے محرم تھے یعنی

(۱) ان کے دادا حضرت معاویہؓ (۲) ان کے والد امیر یزیدؒ (۳) ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ (۴) ان کے خسر مروانؓ بن الحکم (۵) ان کے شوہر عبدالملکؒ (۶) ان کے فرزند یزید بن عبدالملکؒ ان کے تین سوتیلے بیٹےؒ (۷) الولید (۸) سلیمان (۹) ہشامؒ انکے پوتے (۱۰) ولید بن یزید اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبدالملک کے دو بیٹے (۱۱) یزید اور (۱۲) ابراہیم امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی ام یزید کی شادی الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؒ سے ہوئی۔ تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں ان کے فوت ہوجانے پر چوتھی بیٹی ام عبدالرحمٰن بھی ان ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیر المومنین یزید کی ام محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابوسفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی ام عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان تھیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیر المومنین یزیدؒ کے تیرہ بیٹوں میں (۱) معاویہؒ ثانی سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے (۲) خالد (۳) عبداللہ الاکبر (۴) ابوسفیان (۵) عبداللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا (۶) محمد (۷) ابوبکر (۸) عمر (۹) عثمان (۱۰) عبدالرحمٰن (۱۱) عتبہ (۱۲) یزید (۱۳) عبداللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔ رحمہم اللہ۔

امیر المومنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانیؒ اپنے والد کے فرزند اکبر تھے، ان کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں ۴۲ھ ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی بلاذری کہتے ہیں کہ:۔

فلما مات یزید بایع الناس معاویۃ وانتہ بیعۃ الآفاق الا ماکان من ابن زبیر فولی ثلاثۃ شہر

(ص۱۱ انساب الاشراف)

جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ ثانی سے بیعت کی اور سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی تین مہینے خلیفہ رہے۔

معاویہ ثانیؒ بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم و کریم تھے خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سرخ وسفید تھا۔ کان شاباً صالحاً (وہ جوان صالح تھے) (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص۱۸۱) حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے استاد عمر المخصوص تابعی عقیدتاً قدریہ تھے استاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی۔ بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق و حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفداروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت ضحاکؓ بھی ان ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانیؒ نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی اپنے استاد سے مشورہ کیا انھوں نے کہا اگر معدلت کے ساتھ سیاسی حالات کو درست کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہو خلافت سے سبکدوش ہوجاؤ، چنانچہ انھوں نے اعیان حکومت، سرداران قبائل اور علماء وفضلاء کا بڑا جلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے اور ان کے مخالفوں

سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانیؒ اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ ان کی اس تقریر کے بعض جملے مورخین نے نقل بھی کئے ہیں۔ یہ فقرہ ان سے منسوب ہے کہ خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابی سفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے۔ اگر بری چیز ہے تو ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ وان کان شرا فلا حاجة لنا فيه (ص۶۵) پس آپ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں فاختاروا لانفسکم اماما۔ (ایضاً) اور ایسے شخص کی بیعت کرلیں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہشمند ہو۔ تبایعوا هو احرص علی هذا الامر منی (ایضاً) پھر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں اور حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلس شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے ان کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کرکے مشہور کئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا کی برائیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کے لئے انھوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا جو ان کے باپ دادا کی پالیسی کے طرفدار اور ان کے کارگزار عمال رہے تھے مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ بلوائی حجازی بگولے کہتے بھی تو کس کے سامنے کس کے مواجہہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کے لئے بھی کسی نے چالیس دن بیان کئے ہیں کسی نے بیس دن لیکن تحقیق سے یہ مدت تین سے لے کر چھ مہینے ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی ہیضے میں فوت ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی علامہ خالد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں اپنے دادا کی طرح ان کی کنیت عبدالرحمن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابولیلی لیتے تھے۔

علامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنس داں اور بابائے کیمیا

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علماء و فضلا کی اچھی جماعت موجود تھی لیکن خود بیت معاویہؓ "بیت الخلافۃ" کے ساتھ "بیت الحکمۃ" بھی بن گیا تھا۔ ان ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث و تفسیر و لسانیات کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبعیہ، فنون طب اور کیمیا سے ان کو خاص شغف تھا۔

صاحب صناعة الطرب فی تقدمات العرب نیز ابن خلکان (ص۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"وكان اول من اشتهر فی الطب بين الاسلام خالد بن يزيد بن معاوية الاموی۔

كان اعلم القريش بفنون العلم وله كلام فی صنعة الكيمياء والطب ورسائله فيهما دالة علی معرفته وبراعته[1]

زمانہ اسلام میں سب سے پہلے علم طب میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید بن معاویہ اموی تھا جو قوم قریش میں فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب کے رموز اس نے بیان کئے ہیں اور اس کے جو رسائل ہیں ان سے ان کی معرفت علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے

بیرونی نے علامہ خالد کو اسلام کا "سب سے پہلا حکیم" بتایا ہے[2]۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں کہ۔

---

[1] مطبوعہ بیروت ص۳۵ [2] آثار الباقیہ البیرونی ص۳۰۲

"علم طب سے فن کیمیاء کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتسابات علمیہ میں سے ہے جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنٹسٹ اور فلاسفر (حکیم) بتایا گیا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

لاخلاف فی ان العرب هم الذین اسسوا الکیمیاء الحدیثة۔ تجاربهم واستحضاراتهم۔ تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۸۲

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے موجودہ فن کیمیاء کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی۔"

جملہ مورخین و محققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کدوکاوش سے کیمیا کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حد درجہ انہماک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی شیعی خالد کے اس شغف و انہماک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

خالد بن یزید معاویہ بن ابی سفیان۔ کان من رجالات قریش سخاء وعارضة وفصاحة وکان شغل نفسه بطلب الکیمیاء فافنی بذلک عمره واسقط نفسه۔ کتاب الاغانی ج ۱۶ ص ۸۸

خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان سخاوت و قابلیت و فصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں اس نے اپنی ذات کو مصروف رکھا اور اپنی عمر اس میں صرف کر ڈالی اور اپنے کو فنا کر دیا۔ زمانہ حال کے ایک اور شیعی مورخ جسٹس امیر علی خالد کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطہ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم و فضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت و فضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بنی امیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو علوم طبعیہ اور علم و ادب میں اپنے اکتسابات علمیہ کے لئے نامور ہے۔

خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھے۔ ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استاد فن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا چنانچہ ان کے ایک رسالہ میں ان امور اور "رموز" کا بیان بھی ہے۔ سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے بھی شاعر تھے۔

وله فیها ثلاث رسائل تضمنت احداها ما جری له مع مریانس المذکور وصورة ما تعلمه منه والرموز التی اشار الیها وله فی ذلک اشعار کثیرة۔

رضاجتہ الطرب فی تقدمات العرب (ص ۲۳۵)

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب و کیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان و مصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہو سکیں ان کو حاصل کیا۔ ان کے تراجم عربی زبان کرائے اور اس کے لئے دمشق اور مصر میں دارالتراجم قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی مسٹر براؤن نے ۲۰-۱۹۱۹ء میں "طب عربی" پر جو لکچر کالج آف فزیشنز میں دیئے تھے۔ وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں پہلے لکچر میں EARLY STUDY OF ALCHEMY کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ:-

"یونانیوں کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہؓ کے دل میں، جو علم کیمیا سے خاص شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی فہرست (ابن الندیم) کے بیان کے مطابق، جو اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے۔ خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی و مصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے ان کو مقرر کیا۔ یہ پہلے ترجمے تھے۔ جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کئے گئے تھے۔ ان ترجموں میں سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق

کے دارالترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔

واستفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد مشار الیہ وقد ترجم لہ عدۃ مصنفات من الرومی الی العربی (مناجۃ الطرب فی تقدمات العرب ص۲۳۹)

خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اس نے متعدد تصانیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

پروفیسر نکلسن نے اپنی مشہور کتاب A LITERRRY HISTORY OF THE ARARS. میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مولف کلیمنٹ ہوارتے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شخص جنھوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا۔ اس کے تجربات کئے اور اس فن میں کتابیں لکھیں خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوار نے ایک دوسرے موقع (ص۲۱۳) پر لکھا ہے کہ۔ ازمنہ متوسط کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جعفر الصادقؒ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادق کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات سنہ ۱۴۸ھ میں ہوئی فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزیدؒ کی مساعی علمیہ سے کرنا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ اسلام میں انہی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ اور اس میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جاحظ البیان والتبیین میں فرماتے ہیں کہ :-

کان خالد بن یزید بن معاویۃ خطیباً شاعراً وفصیحاً جامعاً وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا (ج ۱، ص۲۱۲)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہو سکتی

ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جا سکتا ہے اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آکر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب و قرابادین میں اشیاء کے اجزاء وخواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر و ادیب بھی۔ کیمیا کی دھن میں یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیاء کے تجربات کے بارے میں غور و خوض کرتے رہتے تھے۔

(انساب الاشراف بلاذری قسم ثانی جزء الرابع (ص۶۶ مطبوعہ بیروت)

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیاوی کارخانہ "لیباریٹری" میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسر پیکار رہنا پڑتا تھا۔ اور "گریک فائر" (آتش یونان) سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں۔ بڑے بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیاوی مرکب تھا جس کی ایک چنگاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھی۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے۔ جو بنی امیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہونچا تھا۔ خالد کی لیباریٹری میں حل و عقد سے اس کا نسخہ معلوم کر لیا گیا۔ اس کا جزو اعظم روغن نفت تھا۔ لہٰذا عربی میں اس کو نفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو بھی مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اڑتا ہوا اژدہا کہتے تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہونچ کر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر تضرع و زاری سے کہتا کہ "اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو اس بلا سے بچا"

(تمدن عرب ص۴۳۹)

علامہ خالد نے علم کیمیا پر جو تصانیف کی ہیں ان میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنھیں "رموز" سے تعبیر کیا ہے بیان کیا ہے اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیاء کے "رموز" لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

"ان خالداً عني باخراج كتب القدماء في الصنعة وكان خطيباً شاعراً فصيحاً حازماً وهو اول من ترجم له كتب الطب والنجوم وكتب الكيمياء وقد رأيت من كتبه كتاب الحرارات، كتاب الصحيفة الكبير، كتاب الصحيفة الصغير، كتاب وصية الى ابنه في الصنعة۔

(فہرست ابن الندیم ص ۳۵۴)

"خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدما کی کتابوں کے حصول میں بڑی دردسری اٹھائی وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوش مند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے طب ونجوم وکیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارت وکتاب صحیفہ کبیر وصحیفہ صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز وصیت کئے ہیں۔"

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں، معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں ان کی اور کیا تالیفات ہوں گی جو ضائع گئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک دوسرے لکچر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کیمیا کے علاوہ دیگر علوم فلسفہ وطب وغیرہ پر بھی خالد نے قدمائے یونان ومصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔ پروفیسر ہتی اور براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف ان کے جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی (ج ۳ ص ۱۸۲) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادق نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد وموسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا

اور اس کے لئے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد میں کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو ان کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اور ان کے خلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ یعنی علامہ خالد کا حج کے لئے جانا وہاں قیام کرنا۔ مصعب بن زبیر کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔ حضرت زبیرؓ کی پوتی سے یہ نکاح اسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے۔ تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے۔ وہ خاندان تو آپ کا کفو وہمسر بھی نہیں ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور برے برے الزام لگائے تھے۔ جس وقت علامہ خالد نے یہ رقعہ پڑھا بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا کہ اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو تمہارے ٹکڑے کرکے حجاج کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔ جاؤ اس کو جواب دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے خاندان قریش میں بغیر تمہارے مشورہ کے میں رشتہ بھی نہ کروں کیا وہ یہ بات نہیں جانتا کہ زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے ام الحجاج کے بیٹے تیرا برا ہو کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبدالمطلب سے۔ آل ابوسفیان اور بنو امیہ کے تو یہ آل زبیر ہمسر ہیں۔ اور ہم کفو بھی۔ آخر میں فرمایا تھا۔

واما قولك قاتلوا اباك على الخلافة وتهموه بكل قبيح فهي قريش تقارع بعضها بعضا حتى اذا اقر الله الامر مقره عادت الى احلامها وفضلها۔

(ص ۶۷)

اور تمہارا یہ کہنا کہ آل زبیر نے تمہارے والد سے خلافت پر جنگ کی ان پر قبیح الزام لگائے۔ سنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ وجدل کو بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی خاندانی نجابت وشرافت اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔

(شتر کینہ نہیں رکھتے)

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبداللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے جو بنو کلب کی نواسی تھیں نکاح کیا۔ انہی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی بلاذری نے لکھے ہیں۔

اُحبُّ بنی العوام طراً الحبہا	ومن حُبہا اَحْبَبْتُ اخوالہا کلبا
میں ان کی محبت میں بنو العوام (زبیریوں) سے محبت کرتا ہوں۔	اور انہی کی محبت کی بنا پر ان کی ننہیال بنو کلب سے۔
ولا تکثروا فیہا الضجاج فانني	تخیّرتُہا عمداً زبیریۃ قلبا
مجھ سے ان کے بارے میں زیادہ تکرار مت کرو۔	میں نے قصداً انھیں منتخب کیا ہے کہ ان کا دل زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے بھی لان کا ذہب کی تردید ہو جاتی ہے جو کعبہ کی بے حرمتی اور اہل مکہ کے مظالم کی تراشی گئی ہیں۔ زبیری خاندان کے علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے یہاں کیا تھا اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں بلاذری نے ان کے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

منافیۃ غرّا جلات بُردھا	لِعَبدَ مَنافِ اَغَرَّ مُشَہَّرِ
بنو عبد مناف کی اس ذی رتبہ خاتون نے	عبد مناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خالص محبت سے نوازا ہے۔
مطہّرۃٌ بین النبی مُحَمَّدٍ	وبین الشہید ذی الجناحین جعفر
وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف محمدؐ جیسے رسول ہیں۔	اور دوسری طرف جعفر ذوالجناحین جیسے شہید۔

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے۔

مقابلۃ بین النبی مُحَمَّدٍ	وبین علیّ ذی الفخار وجعفر
ان کے ایک طرف محمدؐ جیسے نبی ہیں	اور دوسری طرف علی و جعفر جیسے قابل فخر بزرگ۔

ہاشمی خاندان میں فرزند امیر المومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ و خاندان علیؓ میں کوئی خاندانی و نسلی عنادیا مغائرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی و فنی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔ عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انھوں نے اپنے صرف سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

وکان خالد علی حمص فبنی	اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے۔
مسجدھا وکان لہ اربع مائۃ	وہاں انھوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی
عبد یعملون فی المسجد فلما فرغوا	تعمیر میں ان کے چار سو غلام کام کرتے
من بنائہ اعتقہم۔	تھے۔ جب تعمیر کے کام سے یہ لوگ فارغ
(انساب الاشراف بلاذری ص ۶۹ ج ۲)۔	ہو گئے۔ ان سب کو آزاد کر دیا۔

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے حبر الامۃ کے غلام شاگرد ابو عبد اللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تاکہ اپنے پاس رکھ کر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

مات ابن عباس وعکرمہ عبدٌ	حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہو گئی تو
فاشتراہ خالد بن یزید بن معاویہ	اس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت
من علی بن عبد اللہ بن عباس	میں تھے خالد بن یزید بن معاویہؓ نے
باربعۃ الاف دینار	انھیں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے
(طبقات ابن سعد)	چار ہزار دینار میں خرید لیا۔

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے جب عکرمہ نے علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کر دیا۔ انھیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع و شرا کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح سنیچر و اتوار کو کہ اہل کتاب کی عیدین ہیں۔ محدّث ابو زرعہ دمشقی کا قول ان کے اور

ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ کے بارے میں ہے کہ کان من خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش وعطا وجود وسخا میں بڑے دریادل تھے۔ شعراء نے ان کی مدح میں جو کہا ہے یہ دو شعر سنیئے۔

سألت الندا والجود حران انتما — فردا وقالا اننا لعبید
فقلت من مولاکما فتطاولا — علی وقالا خالد بن یزید

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی نے ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے ۹۰ھ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبد الملکؒ کے زمانہ میں وفات ہوئی واللہ اعلم۔

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعیدؒ، یزیدؒ، حربؒ، عتبہؒ، ابو سفیانؒ، اور عبد اللہؒ آخر الذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علیؓ مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں جن کے بطن سے ان کے فرزند علی بن عبد اللہ بن خالد بن یزید تھے۔ جنھوں نے امیر المومنین عبد اللہ المامون عباسیؒ کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کرلیا تھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اور ان کی اولاد کا تذکرہ دوسری   میں ملاحظہ ہو۔

توضیحات

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا کلیہ:۔ عیسوی سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنے کے لئے دو کلیے وضع کئے گئے ہیں۔ ایک ان سنین کے لئے ہے جو ۱۷۵۲ء سے پہلے کے ہیں۔ دوسرا اس کے بعد کے سنین کے لئے۔ یہ دونوں کلیے پروفیسر دل محمد ایم۔اے کی "دلس نیو اریتھمیٹک" (انگلش ایڈیشن) میں دیئے گئے ہیں۔ اردو ایڈیشن میں صرف دوسرا کلیہ درج ہے پہلا کسی غلطی سے ترک ہوگیا۔ بعض لوگ جو اپنی خاص مصلحتوں کی وجہ سے اس کتاب کی تردید پر تلے ہوئے ہیں وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ایک جز پہلے کلیہ کا اور ایک دوسرے کلیہ کا لے لیتے ہیں اور کھینچ تان کر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری جلد "تحقیق مزید" میں یہ دونوں کلیے وضاحت سے پیش کر دیئے گئے ہیں اور بعض ان تاریخوں کے دن جو پہلے سے صحیح طور پر معلوم ہیں اسی کلیہ کی مدد سے نکال کر چند مثالیں بھی درج کر دی ہیں۔ یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے:۔

مثال ۱:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ و سنہ ولادت عیسوی سنہ کے اعتبار سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے اور یوم ولادت متفقہ طور سے دوشنبہ (پیر) ہے علامہ شبلیؒ نے سیرۃ نبوی میں لکھا ہے۔

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (سیرۃ نبوی جلد ۱ ص ۱۷۱)

کلیہ حساب کی مدد سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کا دن حسب ذیل طریقے سے معلوم کرلیا جاتا ہے۔

اس مثال میں س	= ۵۷۰	د (= دن) جنوری	۳۱
ل	= ۱۴۲	فروری	۲۸
د	= ۱۱۰	مارچ	۳۱
مجموعہ	۸۲۲	اپریل	۲۰
		مجموعہ	۱۱۰ دن

گویا س + ل + د = ۸۲۲/۷

۷) ۸۲۲ (۱۱۷
۷
۱۲
۷
۵۲
۴۹
باقی ۳

یعنی س = اس سال سے ایک سال پہلے کا سنہ
ل = لوند کے سالوں کی تعداد جو اس سنہ تک ہو۔
د = جنوری سے اس تاریخ تک کے دن۔

مجموعہ کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ۳ باقی بچتا ہے۔ کلیہ کے مطابق باقی عدد کو شنبہ (سنیچر) سے شمار کرتے ہیں چنانچہ سنیچر سے ۳ دن آگے شمار کرنے سے مطلوبہ دن دوشنبہ (پیر) آتا ہے اور یہی دن آپ کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

اسی ایک مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا یہ کلیہ کس قدر صحیح و کارآمد کلیہ ہے۔ حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا تھا۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ تھا۔ چنانچہ اسی کلیہ سے یہ دن معلوم کرلیا گیا ہے۔ جو پچھلے اوراق میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

دسویں محرم ۶۱ھ کو چونکہ جمعہ نہ تھا جیسا افسانوی طرز کی موضوع روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ چہار شنبہ تھا۔ شیعہ مورخین کو یہ دشواری پیش آئی کہ چہار شنبہ (بدھ) کو جمعہ کیسے ثابت کریں ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ کو یہ تدبیر سوجھی کہ سانحہ

کربلا ہی کو ایک سال پہلے قرار دے لیا جائے اور اس غرض سے حضرت معاویہؓ کی وفات بھی ایک سال قبل کی بتائی جائے۔ چنانچہ۔ تعین سال وفات معویہ سال شہادت سید الشہداء" کے ذیلی عنوان سے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو نہ جمعہ تھا نہ شنبہ اور نہ دوشنبہ بلکہ اس سے ایک سال پہلے ۶۰ھ میں دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے اس لئے "وفات معویہ را در سال پنجاہ و نہم ہجری رقم کنیم و قتل سید الشہدا در سال شصتم ہجری بعد از ظہر جمعہ عاشورا دانیم" (ص۱۵ جلد ششم از کتاب دوم) بالفاظ دیگر قتل حسینؓ کا دن جمعہ بتانے کے لئے معاویہؓ کی وفات بھی جو متفقہ طور سے ۶۰ھ میں ہوئی تھی اس سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں قرار دے لی جائے اور حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے کا واقعہ جو ۶۱ھ کی دسویں محرم چہار شنبہ کے دن پیش آیا تھا اسے بھی ایک سال پہلے ۶۰ھ کی دسویں محرم کو قرار دیا جائے کیونکہ اسی سال کی دسویں محرم کو جمعہ آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "در سالے کہ سید الشہداء در عاشورا شہید شد اول ماہ روز چہار شنبہ برآمد واجب میکند کہ روز عاشورا جمعہ باشد و ایں راست نیاید مگر در سال ۶۰ھ (ص۱۵ ایضاً)

باایں ہمہ یہ شیعہ مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو کون سا دن تھا۔ ایک جماعت تو جمعہ کا دن بتاتی ہے دوسرا گروہ شنبہ کہتا ہے اور بعض دوشنبہ۔ ایک اور قدیم شیعہ مورخ ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۸۴ھ بھی فرماتے ہیں۔

وکانت مقتلہ لعشر لیل خلون	اور وہ (حسینؓ) دسویں محرم کو مقتول ہوئے
من المحرم سنہ ۶۱ واختلفوا فی	اس دن کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے
الیوم السبت وقالوا یوم الاثنین	بعض لوگ کہتے ہیں کہ شنبہ تھا بعض دوشنبہ
وقالوا الیوم الجمعۃ۔	بتاتے ہیں اور بعض جمعہ۔

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں ایک جگہ (ص۴۶۴ پر) تو یہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ جانسوز دسویں محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا وہ دن یا تو جمعہ تھا یا دوشنبہ مگر دوسرے صفحے ص۴۶۵ پر اپنے ایک امام (جناب جعفرؒ) سے یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالے

نے نور کو اول ماہ رمضان یوم جمعہ میں پیدا کیا اور ظلمت کو چہار شنبہ عاشورا کے دن اور یہی چہار شنبہ وہ دن تھا جب حسین شہید ہوئے۔ یہی روایت بتغیر الفاظ مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی درج کی ہے (ص۱۹ جلد ششم از کتاب دویم) "مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف نے تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے قواعد علم ریاضی سے تفصیلاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء سے مطابق ماننا پڑتا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ طبع یازدہم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے۔" (مجاہد اعظم ص۲۰۴)

تقویم سنین ہجری و عیسوی اور کلیہ حساب سے ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کو چہار شنبہ آتا ہے نہ جمعہ۔ بظاہر تو یہ بات کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ حضرت حسینؓ کا واقعہ جس تاریخ کو پیش آیا وہ دن چہار شنبہ تھا یا جمعہ یا شنبہ دو شنبہ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سبائی راویوں نے جس طرح دیومالائی انداز کی روایتیں گھڑ ڈالی ہیں جن کے چند نمونے پچھلے اوراق میں پیش کئے گئے ہیں اسی طرح تاریخوں کے دن بھی اٹکل پچو قرار دے لئے ہیں اس لئے یہاں یہ بحث اٹھائی گئی۔ مستند تقویم سے ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت ہو جائے تو اس کلیہ سے صحیح دن قرار دیا جا سکتا ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی مندرجہ بالا مثال سے واضح ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو "تحقیق مزید" کے صفحات ۲۹۸-۳۰۴۔

مفروضہ صحابیت و موروثی فضیلت

"عرض مؤلف" (طبع سوم) میں حضرات حسنین کے سنین ولادت کا ذکر ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری (ج ا ص۵۳) میں حضرت حسنؓ کی کم سنی کا یہ واقعہ مذکور ہے۔ نیز مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب نسب قریش (ص۲۳) و الاصابہ اور دیگر کتب میں بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک دن اپنے ابتدائی ایام خلافت میں نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد نبوی سے باہر تشریف لے جا رہے تھے حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے کہ حسنؓ کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا (والحسن یلعب مع الصبیان کتاب نسب قریش ص۲۳)

ان کے چہرے میں رسول اللہ صلعم کی شباہت آتی تھی حضرت صدیق اکبرؓ نے فرط محبت سے گود میں اٹھا لیا اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وابابی شبیہ النبی — اے وہ جو نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ

لیس شبیہا بعلی — نہیں تجھ پر میرا باپ فدا۔

یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دن بعد کا ہے (وذلک بعد وفاۃ النبی صلعم ص۲۳ ایضاً) اب دیکھئے جب حسنؓ ہی بعد وفات نبی صلعم اتنے کم سن بچے تھے کہ چونسٹھ پینسٹھ برس کے کمزور جثہ کے بزرگ گود میں اٹھا کر کندھے پر چڑھا لیں (فاحتملہ علی رقبتہ) تو حسینؓ جو ان سے سال بھر چھوٹے تھے یقیناً اور بھی کم سن و نا سمجھ بچہ ہوں گے مگر ان کی ولادت کے بارے میں عجیب عجیب روایتیں ہیں۔ ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ حسینؓ شکم مادر میں صرف چھ مہینے رہے (جلاء العیون ص۲۱۳ مطبوعہ ایران ۱۳۳۴ھ) پھر اسی کتاب میں دوسرے مقام پر اپنے ایک امام کی سند سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بیٹے کی بشارت دیتا ہے جسے میری امت میرے بعد شہید کر دیگی یہ سنکر انہوں نے کہا مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیئے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی بالآخر جب آپ نے فرمایا کہ وہ بیٹا اور اس کے فرزند پیشوایان دین اور میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے خزانہ ہوں گے" تو وہ راضی ہو گئیں "پس حاملہ شد بحضرت امام حسینؑ و بعد از شش ماہ آں حضرت متولد شد" (ص۲۱۲) اسی کے ساتھ کہتے ہیں کہ "چھ ماہ کا پیدا شدہ بچہ زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت حسینؓ اور حضرت عیسیٰؑ کے" شاید اس روایت سے حضرت حسین کی عمر میں چند ماہ کا اضافہ مقصود ہو ورنہ جو جنین شکم مادر میں پورا نشوونما نہ پا سکے۔ اگر بعد وضع حمل وہ زندہ بھی رہے قویٰ کی کمزوری تو بہرنوع قائم رہے گی۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی عہد رسالت میں تو حسین ایسے طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ روایت پرستی کی سحر کاری ہے کہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت حسینؓ کی صحابیت اور فضیلت کے ثبوت میں شیعہ کسال

کی گھڑی ہوئی اور دو کٹر شیعہ راویوں ہی کی سند سے یہ روایت حضرت عمار بن یاسرؓ کے ترجمہ میں درج کر ڈالی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبیؑ کو سات نجبار، دوزرا اور رفقا دعطا ہوتے تھے مجھ کو چودہ عطا ہوئے ہیں۔ یعنی حمزہؓ و جعفرؓ و ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ و عبداللہ بن مسعودؓ و سلمانؓ و عمارؓ و ابوذرؓ و حذیفہؓ و مقدادؓ و بلالؓ حضرت عثمانؓ کا نام شیعہ راویوں نے ترک کر دیا۔ راویوں میں ایک تو کثیر بن اسمٰعیل النواء ہے جس کے متعلق محدث ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا اور دوسروں نے بھی اسے گمراہ بتلایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۵۲) اور دوسرا فطر بن خلیفہ ہے۔ المعارف میں جو فہرست شیعہ راویوں کی امام ابن قتیبہ نے درج کی ہے اس میں اٹھارواں نام اسی فطر کا ہے (ص ۲۰۶) جامع ترمذی میں بھی ایک شیعہ راوی مسیب بن نجبہ کوفی سے اسی مضمون کی روایت ہے جس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ وہ چودہ نجبار و رفقار (رقبا) آپ کے کون کون ہیں فرمایا انا و ابنای یعنی میں اور میرے یہ دونوں بیٹے (یعنی حسنؓ و حسینؓ) پھر وہ سب نام گنائے جن میں حضرت عثمانؓ کا نام شامل نہیں تھا۔ شیعہ راویوں کا آپؐ سے یہ قول منسوب کرنا کہ اپنے چودہ نجبار دوزرار و رفقا ورقبا میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی شامل فرمائیں اور ایسے کم سن بچوں کو جو سن تمیز کو بھی نہ پہنچے تھے جس درجہ بے معنی ہے ظاہر ہے۔

یہاں اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ یہ اور اس قسم کی سب روائتیں اگر شیعوں اور سبائیوں کی من گھڑت ہیں تو پھر سنیوں کی کتابوں میں کیوں ہیں؟ مختصر جواب یہ ہے کہ منافقین عجم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کر لینے کے بعد مناقب و مثالب کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر مراکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پھیلانی شروع کیں۔ پھر شہادت عثمانؓ اور اس کے نتیجہ میں جنگ جمل و صفین کے واقعات پر شہادت علیؓ پھر واقعہ کربلا اور فتنہ ابن زبیرؓ وغیرہ کے بعد جب یہ دیکھا کہ سیاسی انتشار پیدا کرنے کے باوجود مسلمانوں کی دینی وحدت کا قلعہ اتنا مضبوط ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑتا مناقب و مثالب کی حدیثوں کے علاوہ اختلاف قرات کی روایتیں۔ تفسیری روایتیں بنا بنا کر مشہور کرنے

لگے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز اموی کو اس فتنہ روایات کا احساس ہوا انہوں نے ابوبکر بن حزم کو جو والی مدینہ بھی تھے حکم دیا کہ صحیح روایتیں و حدیثیں جمع کریں مگر جلد ہی امیر المومنین کی وفات ہو گئی اور ابوبکر بن حزم بھی عہدے سے معزول کر دیئے گئے اس کے بعد سے تو ہر طرف جامعین احادیث کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک ائمہ صحاح ستہ نے اپنی اپنی کتابیں مدون کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شیعہ سنی خارجی معتزلی قدریہ وغیرہ سب ملے جلے رہتے تھے۔ دینی بٹوارہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہر فرقے کے راویوں سے جو بظاہر حال ثقہ معلوم ہوتے تھے۔ جامعین احادیث روایتیں لے لیکر تے تھے چنانچہ صحاح کی کتابوں میں شیعوں کی روایتوں کا حصہ رسدی بھی کافی موجود ہے۔ یہ سب حدیثیں جو "اصل البیت" سے متعلق ہیں نیز فضائل علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم میں مروی ہیں تمام تر نہیں گو اکثر و بیشتر شیعوں کی ہیں جو حصہ رسدی کی حیثیت سے سنیوں کی کتابوں میں آ گئی ہیں۔

بعض شیعہ مصنفین نے سنیت کا لبادہ اوڑھ کر تصانیف کیں مثلاً حاکم صاحب المستدرک کہ انکی کتاب کے تقریباً ہر صفحہ سے شیعت نمایاں ہے اس زمانہ میں جسے زمانہ اجمال کہتے ہیں سنیت کی نمائش کرنا ان کے لئے ضروری بھی تھا چنانچہ فضائل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی درج کر دی ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن جریر طبری ہیں جن کے مسلکاً شیعہ ہونے کا ذکر پچھلے اوراق میں مجملاً ہو چکا ہے ان کی تفسیر اور تاریخ کی کتابوں کو سنی اپنی کتابیں سمجھنے لگے اور انکی مندرجہ روایتوں و حدیثوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ یہاں تفصیل کا تو موقع نہیں۔ "عرض مؤلف" (طبع سوئم) میں ضمناً بیان ہوا ہے کہ سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع اول سے آخر تک ازواج مطہرات نبی کریم علیہ وعلیہن الصلواۃ والتسلیم کی شان پاک میں نازل ہوا ہے جس سے کوئی صاحب عقل و ہوش انکار نہیں کر سکتا۔ اس رکوع کی ابتدا ہی ان الفاظ سے ہوئی ہے "اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو" پھر درمیان میں ینساء النبی (اے نبی کی بیویو) کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے

اور یہ مخاطبت آخر رکوع تک قائم ہے۔ ایک آیت اس رکوع کی یہ ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝	اے نبی کی بیویو، اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اور اگلی جاہلیت والی زینت کی نمائش (غیروں کے آگے) نہ کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے اے اہل خانہ پلیدی دور کردے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے۔

اس آیت سے پہلے بھی ازواج مطہرات سے ہی مخاطبت ہے ان کے سوا کسی سے نہیں۔ اور پھر اس آیت کے بعد بھی اور خود اس آیت میں بھی ان ہی بیویوں سے خطاب ہے۔ اب دیکھئے ابن جریر طبری نے اپنی کتاب "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کے جز ۲۲ صہ میں ایک دو نہیں اکٹھی پندرہ موضوع حدیثیں اس ثبوت میں درج کی ہیں کہ یہ آیت حضرت علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ پہلی حدیث کے الفاظ ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزلت ھذہ الآیۃ فی خمسۃ فیّ وفی علی رضی اللہ عنہ وحسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ وفاطمۃ رضی اللہ عنہا۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے بارے میں اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں۔

اس وضعی اور قطعاً جھوٹی حدیث کے آئینہ ہی میں علامہ ابن جریر طبری کی شیعیت کا جنہیں بعض سنیوں نے اپنا امام قرار دے رکھا ہے صاف اور صحیح

عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں متعدد سبائی شیعہ شامل ہیں یعنی عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی جو ایک جفادری سبائی محمد بن السائب الکلبی سے روایت کرنا ظاہر کرتا ہے اور خود ہی اس کی کنیت بھی "ابو سعید" گھڑ ڈالتا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ صہ وتہذیب التہذیب) تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ حضرت ابو سعید الخدری صحابی رسول سے روایت کر رہا ہے۔ عطیہ نے تو "ابو سعید" ہی پر اکتفا کیا تھا "الخدری" کا اضافہ نہیں کیا تھا مگر علامہ ابن جریر طبری "ابو سعید" کے ساتھ صراحتاً "الخدری" بھی لکھتے ہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کی شیعی فطرت بھی عطیہ سے کچھ کم نہ تھی۔ ان آیات کی تفسیر میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ اور درمیان میں یَا نِسَاءَ النَّبِيِّ کہہ کہہ کر مخاطبت فرمائی گئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منسوبہ قول کو اپنی تفسیر میں درج کرنا کہ یہ آیت میری ازواج کے بارے میں نہیں بلکہ خود میرے اور علی وفاطمہ وحسن وحسین کے بارے میں ہے پھر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ زبان مبارک سے "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ بھی کہلوانا کیا ابن جریر کے غالی شیعہ ہونے کے واضح دلیل نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی تاریخ میں ابو مخنف جیسے کذاب سبائی رافضی کی موضوعات کی بھرمار سے جیسا ذکر ہو چکا شیعی پروپیگنڈے کی تشہیر کی ہے یہاں یہ ذکر تو ان مفسرین ومحدثین ومورخین کی شیعیت کے سلسلہ میں آگیا جن کی موضوعات سے اکثر سنی بھی متاثر ہوئے۔ مناقب وفضائل کی حدیثوں کے گھڑنے کی ابتدا، تو بقول ابن ابی الحدید شیعوں نے کی اور جیسا کہ مفتی محمد عبدہ وسید رشید رضا کی تفسیر القرآن کے حوالہ سے عرض مؤلف (طبع سوئم) میں عرض کیا گیا ہے آیت مباہلہ کے سلسلہ کی جملہ روایتیں شیعوں کی ساختہ ہیں مگر خاصے پڑھے لکھے اہلسنت بھی ان کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ ایک دیوبندی "حکیم الاسلام" نے جو مجموعہ خرافات اس کتاب کی تردید میں شائع کرایا ہے جس کی شیعہ حلقوں میں خاص طور سے اشاعت بھی کی گئی ہے اس میں انہی وضعی روایات کی آڑ لے کر نجرانی عیسائی کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت کے ثبوت میں بطور شاہد یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ اس نے "حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے مبارک

چہروں پر مقبولیت اور نور فطرۃ کا مشاہدہ کر لیا اور کفار بھی آثار مقبولیت و محبوبیت کو دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے جو اسی شرفِ صحبت کے آثار تھے۔" چنانچہ اس عیسائی کے منہ میں گھس کر "حکیم الاسلام" نے یہ الفاظ کہلوائے ہیں کہ "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ سے پہاڑوں کو ٹل جانے کا سوال بھی کریں گے تو اللہ پہاڑوں کو ٹلا دے گا۔" قصہ گوئی اور بات ہے اور واقعات تاریخی کا حقیقت پسندانہ جائزہ دوسری چیز ہے۔ پہاڑوں کا ٹلا دینا تو درکنار حضرت حسین رض کی شرطوں کے باوجود گورنر صوبہ عبید اللہ کا حکم بھی نہ ٹلایا جا سکا تھا مگر آنحضور کے صرف یہی دو نواسے تو نہ تھے اور بھی تھے۔ خصوصاً حضرت علی بن ابی العاص رض سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعادت عظمیٰ حاصل تھی کہ بچپن سے اپنے مقدس نانا کے دامن شفقت میں رہے اور سن تمیز میں آپ کے شرفِ صحبت سے مشرف ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ زینب رض آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بہت محبوب تھیں ان ہی کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ھی افضل بناتی یعنی میری بیٹیوں میں یہ سب سے افضل و برتر ہیں ما نہی کے یہ فرزند اور آپ کے سب سے بڑے نواسہ حضرت علی بن ابی العاص رض تھے جو آپ کی وفات کے وقت العان شباب کی حد تک پہنچ گئے تھے یعنی پندرہ سولہ سال کے نوجوان تھے۔ اور آنحضور کو ان سے ایسی محبت و الفت تھی کہ فتح مکہ کے دن یہی بڑے نواسہ جو بنی امیہ کی دوسری شاخ سے تھے آپ کے ردیف تھے۔ یعنی آپ کی سواری پر آپ کے ساتھ تھے اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے تھے[1] (الاصابہ والاستیعاب وکتاب نسب قریش) دوسرے دونوں نواسے حسن رض و حسین رض تو اتنے چھوٹے بچے تھے کہ صغیر سنی کی وجہ سے کسی سفر میں آپ کے ردیف ہونے کا شرف انہیں کبھی حاصل نہ ہوا حالانکہ حضرت فاطمہ رض اور ان کے بچے، ازواج مطہرات اور ہاشمی خاندان کے دیگر افراد حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ کے سفر میں آپ کے قافلہ کے ساتھ گئے تھے۔ حضرت علی رض بن ابی العاص رض کی حقیقی بہن سیدہ امامہ رض بنت زینب رض بنت النبی صلعم آنحضور کی سب سے چہیتی نواسی تھیں جن سے آپ کی محبت و شفقت کے اس واقعہ کا امام بخاری رح نے خاص باب باندھا ہے یعنی باب اذا حمل

[1] سنہ ۸ھ میں انکے وفات پانے کی روایت صحیح نہیں۔

جاریۃً صغیرۃً علیٰ عُنقِہٖ فِی الصَّلوٰۃِ (یعنی چھوٹی سی بچی کو حالت نماز میں گردن پر چڑھا لینے کے بارے میں) اور ایک بدری صحابی حضرت ابو قتادہ انصاری رض کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے امامہ کو دوش مبارک پر بٹھا لیتے سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔ (عن ابی قتادۃ الانصاری ان رسول اللہ صلعم کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت زینب بنت رسول اللہ ولابی العاص ابن الربیع فاذا سجد وضعھا واذا قام حملھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۷۴)

آپ نے اپنے ان بڑے داماد حضرت ابی العاص رض کی تعریف بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے جو عہد مجھ سے کیا پورا کیا جو وعدہ کیا وفا کیا یہ ارشاد آپ کا اس وقت کا ہے جب حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ رض پر سوت لانے کا ارادہ کیا تھا اور ابو جہل کی بیٹی کو پیام دیا تھا آپ کے یہ بڑے داماد ام المومنین حضرت خدیجہ رض کے حقیقی بھانجے اور قریش کے بڑے تاجر۔ قبل فتح مکہ اسلام لائے، ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا سنہ ۱۲ھ میں فوت ہو گئے۔ مناقب و فضائل کی اکثر و بیشتر روایتوں اور حدیثوں میں آپ کی تینوں محبوب بیٹیوں سیدہ زینب رض و رقیہ رض و ام کلثوم رض کا کچھ ذکر آتا ہے نہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ان کے نام لئے جاتے ہیں کیا محض اس بنا پر کہ وہ بنی امیہ کے خاندان میں بیاہی گئیں۔ صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ رض اور ان کی اولاد کے نام تو لئے جاتے ہیں۔ مگر ان ہی کی حقیقی بہنوں کے نام ترک کر دیئے جاتے ہیں، آخر یہ تفریق اور امتیاز کیوں؟ مناقب و فضائل کا معیار بیشتر نسبی تعلق و قرابت کو ان وضعی روایتوں میں بتایا گیا ہے مگر کیا یہ معیار صحیح ہے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے رسالہ "راس الحسین" کے ایک حاشیہ کی یہ عبارت اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے:-

وھل یلزم من فضل رسول اللہ صلعم وحمزۃ وعلی وعبیدۃ ان

اور کیا رسول اللہ صلعم اور حمزہ رض و علی رض و عبیدہ رض کے فضائل سے سارے بنی ہاشم اور ان کے

يكون كل بني هاشم وابناءهم فاضلين وكل الصلاح والفضل يورث كما يورث المال والملك فاين ما ذكر الله سبحانه عن ابراهيم في قوله (۲: ۱۲۴) قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ وقوله (۳۷: ۱۱۳) وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝ وما قص من نباء ابن نوح عليه السلام وقوله سبحانه لنوح حين تحركت فيه عاطفة الابوة على ابنه (۱۱: ۴۶)[1] فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ ولقد كان ابولهب من بني هاشم، وابوطالب مات على دين۔۔

بیٹوں پوتوں کا بھی صاحب فضائل ہونا لازم سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا فضیلت اور نیکوکاری بھی ایسی چیزیں ہیں جو وراثت میں وارثوں کو مال وملک کی طرح ملا کریں؟ تو پھر وہ کہاں جائے گا جو ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ذکر میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اپنے کلام پاک میں کہ "میں تمہیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے؟ تو ارشاد ہوا کہ ان میں سے جو لوگ ظالم ہوں گے ان کے ساتھ میرا وعدہ پورا نہ ہوگا (۲-۱۲۴) اور انہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسحٰقؑ کو برکتیں دیں اور ان کی اولاد میں کچھ نیک کردار ہوئے اور کچھ اپنی جانوں پر آپ کھلم کھلا ظلم کرنے والے ہوئے (۳۷-۱۱۳) اور پھر پسر نوحؑ کو خبر دی گئی جس وقت نوحؑ کے دل میں شفقت پدری کا جوش ہوا تھا اور اپنے بیٹے پر ترس کھانے لگے تھے تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا[1]

[1] سورۂ ھود کی ۴۵-۴۶ آیتوں کا یہ آخری ٹکڑا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ نوحؑ نے اپنے رب کو کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے نوح إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ نہیں ہے تیرے گھر والوں میں اس کے کام خراب ہیں۔

ابيه عبد المطلب المشرك۔۔۔ ان الشرف والفضل لا يورث وانما يكون بالعلم والايمان والاستقامة والعمل ولقد وقع بنو هاشم في غرور كبير بهذا الزعم الذي زعموه لانفسهم، او زعمها هم الناس: ان مجرد النسب يشفع لهم ويغني عنهم مجزأ ذلك كثيراً منهم على الاعراض عن العلم والعمل بل وجرأهم على الترف الذي يكرهه الله ورسوله حتى كان فيمن خرج مع الحسين من بني هاشم اطفال مقرطون باللؤلؤ كما ذكر ذلك

ابن كثير (ج ۸ ص ۱۸۶)[2] وجرأهم على الادلال على الناس والتعاظم والتكبر بذلك۔ فكان من آثار هذا في النفس بني هاشم وفي الناس شر كثير وضلال مبين

جس بات کا تجھکو علم نہیں اس کے متعلق مجھ سے کچھ سوال نہ کریں تجھ کو جاہلوں میں شامل ہونے سے باز رہنے کی نصیحت کر رہا ہوں" (۱۱-۴۶) اور پھر ابولہب بھی تو بنی ہاشم ہی سے تھا اور ابوطالب بھی اپنے مشرک باپ عبدالمطلب کے دین پر مرے۔۔۔ شرافت وفضیلت اور صلاح وتقویٰ وراثت کی چیزیں نہیں ہیں یہ چیزیں ہر شخص کو اس کے علم وایمان وعمل واستقامت کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم اپنے زعم باطل کی وجہ سے بڑے غرور نفس میں پڑ گئے یہ زعم غلط انہوں نے اپنی ذات کے لئے اپنے دماغ میں پیدا کر لیا یا لوگوں نے ان کے متعلق اپنے دماغوں میں پیدا کر لیا ہے کہ صرف نسبی تعلق (جو ان کو رسول اللہ صلعم سے ہے) ان کی شفاعت کے لئے کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب باتوں سے مستغنی کر دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بنی ہاشم کو علم وعمل کی طرف سے بے پروائی سی ہو گئی اور وہ جری اور

[2] علامہ ابن کثیرؒ نے سبائی راویوں کی جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کر دی ہیں ان ہی میں یہ روایت بھی ہے۔ چنانچہ مولف ناسخ التواریخ نے بھی لکھا ہے کہ علی اکبر کے بعد ایک طفل خیمہ سے باہر آیا۔ خوف اور ڈر سے سارا بدن کانپ رہا تھا۔" دو دو گوشوارہ از لال در گوش داشت (ص ۳۰۹ جلد ششم از کتاب دویم)

وهذا رسول الله صلعم يقول لهم ولابنته أم الحسين۔ يا عباس يا عم محمد! يا صفية عمة محمد! يا فاطمة بنت محمد! اعملوا فلن اغني عنكم من الله شيئاً فجزى الله رسوله خير الجزاء عن هذه النصيحة لامته ولاسرته+

وغالب الظن: ان هذا الادلال بالنسب والاعتزاز بالسيادة والشرف الذي زعموه موروثا: هو كان السبب الاكبر في نكبة الحسينؓ وفي فتنة المسلمين

هذه الفتنة الكبرى بقتل الحسين وكان امر الله قدراً مقدوراً۔ ورضي الله عن الحسن في صافته وحكمته ورشده في سد باب الشر على المسلمين يدل على انه لم يكن من المغرورين بالنسب وانما كان من المستمسكين اشد الاستمساك برسالة جده صلى الله عليه وسلم

(حاشیہ "راس الحسین" صفحہ ۲۲)

دلیر ہو گئے۔ علم و عمل کی طرف سے بے پروائی پر یہاں تک کہ وہ عیش و عشرت پر اتر آئے جس کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے مکروہ قرار دیا ہے اس حد تک کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسے بچے نکلے تھے جو کانوں میں موتیوں کے آویزے ڈالے ہوئے تھے جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ (دیکھو ج ۸ ص ۱۸۶) اس پر دلیر کر دیا تھا ان کو اس خیال نے کہ وہ عام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور صاحب عظمت سمجھتے تھے اسی نسبی تعلق کی بدولت اور ان کے اور غرور کے باعث بنی ہاشم اور عام لوگوں کے درمیان دلوں میں سخت قسم کا کھوٹ پیدا ہو گیا تھا۔ اور دونوں۔ فریق کے کچھ افراد دگمراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے مگر دیکھو رسول اللہ صلعم بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی حسینؓ کی ماں سے فرماتے تھے "اے عباس محمدؐ کے چچا! اور اے صفیہ محمدؐ کی پھوپھی! اور اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! عمل کرو عمل! اللہ تعالےٰ کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو اس نصیحت کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے جو انہوں نے اپنی امت اور اپنے خاندان دونوں کو عطا فرمائی۔

اور گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ

اور اپنی سیادت و شرافت کا غرور ہی تھا جس کو ان لوگوں نے موروثی قرار دے لیا تھا یہی سب سے بڑا سبب تھا۔ حضرت حسینؓ کے مصیبت میں پڑنے کا رضی اللہ عنہ۔ اور عام مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی ایمانی آزمائش مقصود ہے حضرت حسین کے قتل کئے جانے میں اور یہی تقدیر الٰہی تھی جو ہو کر رہی۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسنؓ سے راضی رہے کہ ان کی دوراندیشی اور حکیمانہ سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کے سامنے ساری خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نسبی فخر کے قریب میں مبتلا نہ تھے اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و ہدایت کی ڈوری کو بہت مضبوط طور سے پکڑے ہوئے تھے۔

خروج وبغاوت:۔ عربی زبان کے یہ دونوں لفظ سرکشی و مقابلہ پر آجانے کے معنی میں عام طور سے مستعمل ہیں خواہ یہ سرکشی حق کے مقابلہ میں ہو یا باطل کے، بلند ترین جذبہ حب وطنی و خدمت ملی کے تحت ہو یا پست ترین مطلب برآری کی غرض سے رائج الوقت آئینی نظام کی اصلاح یا شکست آئین کے مقصد سے ہو یا اپنی حکومت قائم کرنے لئے ایسے تمام اقدامات کو خروج ہی کہا گیا ہے۔

حضرت حسینؓ کا اقدام سیاسی انقلاب پیدا کرکے اپنی حکومت قائم کرنے ہی کی غرض سے تھا اس لئے خروج ہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور خود ان ہی کے عزیزوں مخلص دوستوں اور صحابہ کرام نے جن کے بعض اقوال اسی کتاب میں دوسری

جگہ قتل ہیں ان کے اقدام کو خروج ہی کہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ مورخ ونساب نے جناب عمر بن علیؓ کے حالات میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے ان بھائی سے خروج میں ساتھ دینے کو کہا مگر انہوں نے ساتھ نہ دیا قد دعاہ الی الخروج فلم یخرج (عمدۃ الطالب ص۹۹) یہ بات بھی واقعات سے ثابت ہے کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی یہ خواہش ان کو عرصہ سے تھی موقع مناسب کے منتظر تھے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلح جویانہ پالیسی سے متفق نہ تھے مگر ان کے دباؤ سے حضرت معاویہؓ سے بالآخر بیعت کر لی تھی۔ عراق کے مفسدین ان کے ان خیالات سے بخوبی واقف تھے اور وقتاً فوقتاً ورغلاتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کو ایک مرتبہ جب اس کی اطلاع ملی انہوں نے حضرت حسینؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا:۔

"تمہارے بارے میں مجھے ایسی خبریں ملی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو کچھ بعید نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم خلافت کے لئے جدوجہد کی خواہش ترک چکے ہو اگر یہ خبریں غلط ہیں تو تم بڑے ہی خوش نصیب ہو۔۔۔۔

حسین! خدا سے ڈرتے رہو، مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالو اور انہیں خانہ جنگی کی طرف نہ دھکیلو۔ (بلاذری)

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد کوفی مفسدین کو تحریص وترغیب کا پھر موقع مل گیا۔ اس مضمون کی تحریرات بھیجنے لگے کہ اگر اس امر (خلافت) کے طلب کرنے کی آپ کو خواہش ہے تو ہمارے پاس پہنچ جایئے ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے لئے وقف کر رکھا ہے حضرت حسینؓ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ تم لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو جب تک یہ معاویہ زندہ ہیں اگر ان کا وقت آگیا تو دیکھا جائیگا تم بھی سوچنا اور ہم بھی سوچیں گے (اخبار الطوال ملخصاً) چنانچہ یہ وقت جب آگیا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے گورنر مدینہ کو جُل دے کر اور سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق یہ اور

ابن الزبیرؓ کہ دونوں بعد میں طالب خلافت ہوئے مدینہ سے مکہ چلے آئے وہ تو خانہ کعبہ میں جا بیٹھے اور حضرت حسینؓ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس مقیم ہوئے جو اس وقت ہاشمی خاندان کے سربراہ تھے۔ ان حالات میں امیر المومنین یزیدؒ نے جن پر بحیثیت حکمران خلیفہ کے انقلابی اور تخریبی تحریک کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی پوری ذمہ داری عائد تھی اول تو اپنے طبعی علم وکرم سے افہام تفہیم کی کوشش کی حضرت ابن عباسؓ کو مراسلہ بھیجا جو پہلے بھی نقل ہوا ہے اور ناسخ التواریخ کے شیعہ مؤلف نے بھی درج کیا ہے اس میں امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے پاس عراق کے لوگوں کے زیادہ آنے جانے اور خروج پر آمادہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آپ چونکہ ان کے خاندان کے بزرگ اور سردار ہیں انہیں سمجھایئے اور امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرنے سے باز رکھیئے۔ حضرت ابن عباسؓ نیز حضرت ابن عمرؓ دوسرے صحابہ اور خود ان کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جس جس طرح انہیں سمجھایا۔ خروج سے روکنے کی کوششیں کیں ان کا ذکر آ چکا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ صحابی رسول اللہ نے ان سے فرمایا تھا اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک (البدایہ) یعنی اپنے دل میں خدا سے ڈرو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج مت کرو۔ امام سے مراد ان صحابی رسول اللہ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے تھی جن کی بیعت خلافت کئی مہینے پہلے ہو چکی تھی اور یہی صحابی اس حدیث کے بھی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو اس دوسرے کو (یعنی جس کی بعد میں بیعت لی جائے) قتل کر دو۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد رجب ۶۰ھ میں امیر یزیدؒ جو چند سال قبل سے ولیعہد تھے۔ سریر آرائے تخت خلافت ہوئے اس کے پانچ مہینے کے بعد حضرت حسینؓ نے مکہ معظمہ سے اس حالت میں خروج کیا تھا کہ سوائے اپنے چند نوجوان عزیزوں کے صحابہ وتابعین میں سے فرد واحد بھی نہ ان کے ساتھ ہوا اور نہ ان کے موقف کی کسی نے موافقت کی اسی سے واضح ہے کہ صحابہ کرام نے خروج سے منع کرنے اور روکنے کی غرض سے احکام

شریعت کی متابعت میں کیا کچھ نصیحتیں ان کو نہ کی ہونگی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رسالہ "راس الحسین" کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت میں حضرت حسینؓ کی اپنے مخلصین کے نصائح سے بے اعتنائی برتنے اور اس کے افسوسناک نتائج کا حقیقت پسندانہ بیان ہے جو قابل توجہ ہے:۔

ولقد كان للحسين عن كل ذلك مندوحة اذا هو قبل نصح ابن عباس وابن عمر واخيه محمد بن الحنفية وغيرهم ممن نصحه من الاولياء المخلصين بعدم الخروج من مكة وقد قال جده صلى الله عليه وسلم: اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الثاني منهما، وهو يعلم انه قد سبق من اهل العراق الغدر بابيه، وعرف منهم ذلك اخوه الحسن، فاعتزلهم ، اراح المسلمين من هذه الفتن وحقن دماءهم، ولكن الحسين غلبه الشباب والادلال بالنسب والخديعة بالشيعة وعدم التمرس في سياسة الحياة العملية التجربية والاغرار الذين كانوا معه من اخوة مسلم بن عقيل الذين اعماهم لعصبية الجاهلية

اور حسینؓ کو ان تمام باتوں سے بے پرواہی و بے اعتنائی سی تھی کہ وہ ابن عباسؓ وابن عمرؓ اور اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؒ کی نصیحتوں کو قبول کرتے جو ان دانشمند مخلصین نے ان کو کی تھیں کہ مکہ سے خروج نہ کریں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ جب دو خلیفوں کے لئے بیعت ہو تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔ اور وہ جانتے تھے کہ اہل عراق سے ان کے والد کے ساتھ غدر و بے وفائی ہو چکی ہے اور ان کے بھائی حسن بھی اس بات کو جانتے تھے اسی لئے انہوں نے عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچا لیا اور باہمی خونریزی نہ ہونے دی لیکن حسینؓ پر جوانی اور نسبی غرۃ اور شیعوں کا فریب غالب آگیا تھا اور پھر عملی زندگی کی سیاست سے ناواقفیت اور ناتجربہ کاری بھی تھی۔ ان سب پر بالائے بات تھی کہ ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے ان کو مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے

والحرص على الاخذ بثار مسلم بن عقيل ، ذلك غلب الحسين على الرشد والحكمة فخرج بنفسه وبمن معه من شباب بني هاشم في الاخطار التي اهلكتهم ولم يكن شيئ من كل ذلك يرضى الله ورسوله صلعم وكان امر الله قدرا مقدورا وما كان يسع يزيد ولا عبيد الله بن زياد والفتن تموج بالجزيرة، قلب العالم الاسلامي ودماء صفين لا تزال تلمع بالفتنة ما كان يسعهم الا ما كان ولو ان الحسين او غيره من بني هاشم كان مكانهم ما وسعه الا ما وسعهم ولقد كان من بني العباس مثل ما كان من يزيد وعبيد الله بن زياد واشد ولم ير الناس منعيهم بالعين التي رأوا بها صنيع يزيد وعبيد الله بن زياد لهوى غلب او اتقاء لسخط العامة ورغبة في رضاهم او لعاطفة تحكمت بغير بصيرة ولا عدل

کے خیال نے حمیۃ جاہلیہ کے جذبات ابھار کر اندھا کر دیا تھا۔ یہ ساری باتیں حضرت حسینؓ کی مصلحت اندیشی و ہدایت کوشی پر غالب آگئیں آخر انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی بنی ہاشم کے کچھ نوجوانوں کو خطرناک حالات میں ڈال دیا جس نے ان سب کو ہلاکت تک پہنچا دیا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو رضائے الٰہی و خوشنودی رسول کا باعث سمجھی جا سکے لیکن تقدیر الٰہی یوں ہی تھی جو ہو کر رہی۔ اور یہ بات یزید اور عبیداللہ بن زیاد کی وسعت سے باہر تھی کیونکہ فتنہ و فساد کے طوفان جزیرے (عراق) میں عالم اسلامی کے قلب میں موجیں مار رہے تھے، صفین کی خونریزیاں فتنوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں جو کچھ ہوا اس کے سوا ان کی وسعت میں اور کچھ نہ تھا اور اگر حسینؓ یا کوئی بھی بنی ہاشم میں سے ان لوگوں کی جگہ ہوتا اس سے بھی وہی ہوتا جو ان سے ہو سکا۔ چنانچہ بنی عباس سے وہی کچھ ہوا جیسا کہ یزید اور عبیداللہ بن زیاد سے ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مگر لوگ بنی عباس کی کارروائیوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے یزید اور عبیداللہ کے کاموں کو دیکھتے ہیں

فكان من ذلك التجافي عن النصفة والميل عن وزن الامور بالقسطاس المستقيم، ولو قام الناس بالقسط كما امر الله لخدت نيران تلك الفتن العمياء التي طالما حذر منها الرسول صلعم والتي يصطلي المسلمون الى اليوم بنارها ولا يتشجعون ان يطفوها ولا حول ولا قوة الا بالله۔

(حاشیہ رسالہ راس الحسین طبع ۱۳۶۰ھ)

محض غلبہ ہوائے نفس کے سبب سے یا عوام کی ناراضی کے ڈر سے اور عوام کو خوش کرنے کے لئے یکطرفہ غلو اور میلان طبع کی وجہ سے جو انھوں نے بغیر بصیرت اور عدل و انصاف کے پیدا کرلیا ہے درحقیقت یہ انصاف و دیانت سے روگردانی اور واقعات و امور کو صحیح ترازو پر تولنے کے خلاف ہے اور اگر لوگ واقعی حکم الٰہی کے مطابق انصاف کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان اندھے فتنوں کی آگ ضرور بجھ جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا تھا اور جن فتنوں کی آگ آج تک مسلمانوں کو جھلس رہی ہے مگر لوگ اس کے بجھانے پر کمربستہ نہیں ہوتے۔ حق کو قایم رکھنے اور باطل کو اکھیڑ پھینکنے کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مورخین نے خود حضرت حسین رضؓ ہی کے بعض اقوال درج کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ حسبی و نسبی علوئے مرتبت کی بنا پر خلافت کا دوسروں کے مقابلہ میں وہ اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ مندرجہ بالا عبارت میں الادلال بالنسب (نسب پر فخر) سے اسی جانب اشارہ ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی ان کے واقعہ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ حسین رضؓ نے اپنے بزرگوں کے نام لے کر میرے ماں باپ اور میرے جد پر جو فوقیت جتائی تھی سو حال اس کا یہ ہے کہ ان کے اور میرے والد کے تنازعہ کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہو گیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ یہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا تھا

والدہ ماجدہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبزادی نہیں ان سے میری ماں کو نسبت ہی کیا پھر جد مادری تو ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اور میری جان کی قسم جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے جانتا ہے کہ سب انسانوں سے بے عدیل و بے نظیر ہیں رہا ان کا یہ قول کہ انا خیر منه واحق بهذا الامر (یعنی میں یزید سے بہتر ہوں اور اس امر خلافت کا زیادہ حقدار ہوں) تو یہ اللہ کی دین ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ تؤتي الملك من تشاء (الخضری)

ابتدائی اوراق میں احادیث نبوی اور احکام شرعی کی رو سے بیان ہو چکا ہے کہ منصب خلافت کے لئے جس فرد ملت کی اوّل بیعت ہو جائے خواہ نسباً کمتر ہی کیوں نہ ہو اسکے مقابلہ میں خروج کا اور دعوے خلافت کا کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا خواہ نسباً و حسباً وہ کیسا ہی افضل کیوں نہ ہو، امیر و خلیفہ کی اطاعت اچھا ہو یا برا ہر حالت میں سوائے معصیت کے لازم ہے خود حضرت حسین رضؓ ہی کے والد ماجد نے خارجیوں کے اس قول پر کہ حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں فرمایا تھا،

وَانّهُ لَا بُدَّ مِن امِيرٍ بَرٍّ اوفاجرٍ (الیٰ آخرہ) یعنی لوگوں کے لئے امیر (خلیفہ) ضروری ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا فاجر کہ مومن اس کے عہد خلافت میں اپنا کام کر سکے اور کافر بھی دنیاوی فائدہ حاصل کر سکے اور اللہ اپنی مقررہ مدت کو پوری کر دے (الیٰ آخرہ) (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱)

خلیفہ کے انتخاب میں نسل و خاندان اور حسب و نسب کی کوئی قید نہیں، نہ شریعت نے کسی کو یہ حق دیا ہے کہ نسبی تفوق کی بنا پر دعویدار ہو بلکہ خلافت کے لئے خود خواہشمند اور حریص ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے امام بخاری نے کتاب الاحکام کے باب ما یکرہ من الحرص على الامارة میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اس شخص کو کوئی عہدہ نہ دوں گا جو خود اس کا طالب ہو یا اس کی حرص کرے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ اور حضرت فضل بن عباس رضؓ کو طلب و خواہش پر آپ نے عامل مقرر نہیں فرمایا تھا۔ طلب خلافت کی اجازت ہوتی تو ہر طرف سے دعویدار کھڑے

ہو جاتے اور امت میں تفرقہ و انتشار پڑ جانا۔ جیسا بعض حضرات کی سیاسی لغزشوں کی وجہ سے بالآخر یہی سب کچھ ہوا جس کے تلخ ترین نتائج اُمت کو بھگتنے پڑے۔ مثالاً حضرت حسین رض کے خروج سے جو ملت اسلامیہ میں پہلا اور ناکام خروج تھا تقریباً نصف صدی بعد سے ان کے اور ان کے برادر بزرگ حضرت حسن رض کے اخلاف نے قائم حکومتوں کے مقابلہ میں خروجوں کا تانتا باندھ دیا تھا اس کتاب کی دوسری جلد تحقیق مزید میں حسنی و حسینی نسب کے اُن اشخاص کے خروجوں کے حالات و واقعات سلسلہ وار پیش کئے گئے ہیں جو اموی و عباسی خلفاء کے خلاف ہوتے رہے ان سب طالبان خلافت کے دعاوی کا دارومدار زیادہ تر نسبی تعلیّوں اور تفاخر بالآباء ہی پر تھا۔ مگر حصول مقصد میں سب ہی ناکام و نامراد رہے یعنی سربراہ امّہ خلافت کوئی بھی نہ ہو سکا۔ شاید آنحضور کے اس ارشاد کی تعبیر یہی تھی کہ انا لا نولی من حرص علیہ یعنی جو اس منصب کی حرص رکھتا ہو اس کو مقرر نہیں کریں گے۔ سبائی راویوں نے ہر حکمران اور خلیفہ وقت کو جس نے باغیوں اور خروج کرنے والوں کا مقابلہ کیا اور بغاوتوں کا استیصال کر کے امن و امان بحال کیا غاصب و جابر و ظالم و فاسق و فاجر کہا اور طالبان خلافت اور باغیوں کی پاکیزگی و تقدیس میں جھوٹی حدیثیں اور مہمل روائتیں گھڑ ڈالیں حتیٰ کہ سنہ ۱۶۹ھ میں اولاد حسن رض میں سے جن لوگوں نے طلب خلافت کے لئے خروج کیا تھا اور وادی فخ قرب مدینہ میں سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے گئے۔ یہ مہمل حدیث و روایت وضع ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مقام فخ پر ہوا آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی (گویا ان لوگوں کے مارے جانے سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے) پھر فرمایا کہ اس جگہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص مع ایک جماعت کے قتل ہوگا ان کے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے (ص ۴۳۶ مقاتل الطالبین) اس سے تقریباً نصف صدی پہلے حضرت حسین رض کے پوتے جناب زید بن علی (زین العابدین رح) نے امیر المومنین ہشام اموی جیسے نیک سیرت و حلیم و کریم و پاکباز خلیفہ کے خلاف کوفی

سبائیوں کے ورغلانے سے خروج کیا تھا اور مارے گئے تھے ان کو زید الشہید کا لقب دیا گیا۔ پھر اس سے تقریباً پچیس برس بعد حضرت حسن رض کے پڑپوتے محمد الارقط بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے سنہ ۱۴۵ھ میں امیر المومنین ابوجعفر المنصور عباسی رح کے خلاف جو علم و عمل، تقویٰ و طہارت میں ممتاز بڑے فرزانہ و مدبر و منتظم حکمران تھے مدینہ میں خروج کیا یہ وہی امیر المومنین ہیں جن کے ایما سے امام مالک رح نے حدیث کی کتاب الموطا تالیف کی تھی۔ ابن خلدون اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

وقد كان ابوجعفر بمكان من علم والدين قبل الخلافة وبعدها وهو القائل لمالك حين اشار عليه بتاليف الموطا يا اباعبدالله انه لم يبق على وجه الارض اعلم مني ومنك واني قد شغلتني الخلافة فضع انت للناس كتابا ينتفعون به تجنب فيه رخص ابن عباس وشدائد ابن عمر ووطئه للناس توطئة قال مالك فوالله علمني التصنيف يومئذٍ۔ (مقدمہ تاریخ)

اور ابوجعفر رح کا خلافت پر فائز ہونے سے پہلے اور اس کے بعد بھی علم اور دین میں جو مرتبہ و اتیاز تھا وہ مخفی نہیں انہوں نے ہی امام مالک کو کتاب الموطا کے تالیف کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوعبداللہ! دنیا کے پردے پر اب سوائے میرے اور تمہارے حدیث نبوی کا عالم کوئی باقی نہیں رہا میں تو اس خلافت کے بکھیڑوں میں مشغول ہوں تم لوگوں کے لئے کتاب تالیف کرو جس سے وہ نفع حاصل کریں اس میں تم ابن عباس رض کی سہل انگاری اور ابن عمر رض کی سی سختی سے اجتناب کرنا اور لوگوں کے لئے اس کو اچھی طرح روند ڈالو یعنی خوب تحقیق سے لکھو۔ امام مالک رح کہتے ہیں کہ قسم بخدا اسی دن مجھے ابوجعفر رح نے تصنیف کا فن سکھا دیا۔

انہی امیر المومنین نے ابن اسحٰق سے سیرۃ نبوی تالیف کرائی تھی اور امام ابوحنیفہ رح سے فقہ کی تدوین اشاعت علوم کے لئے ادارہ دارالترجمہ قائم کیا، حد درجہ سادہ

زندگی بسر کرتے بیت المال میں سے ایک حبہ بھی اپنے ذات پر صرف نہ کرتے ولا سمع بالانفاق فیہ من اموال المسلمین (مقدمہ ابن خلدون) ایسے عالم وفاضل متقی و پرہیزگار خلیفہ کے خلاف جن کی خلافت اس عہد کی مثالی خلافت تھی محض نسبی تعلیوں کی بنا پر محمد الارقط نے اپنا حق جتایا اور خروج کیا اور عوام کو دام فریب میں پھانسنے اور جمعیت اکھٹی کرنے کے لئے اپنے کو "مہدی" کہا، محمد الارقط کے بجائے "محمد المہدی" کہلانے لگے۔ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے سرکاری فوجی دستہ کے مقابلہ میں مارے جانے کے بعد ان کی تقدیس میں بھی جھوٹی حدیثیں وضع ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ میری اولاد میں سے ایک "نفس زکیہ" اس مقام احجار الزیت پر قتل ہوگا۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۸۳) جعلی راویوں کے وضع کردہ اس لقب کی تشہیر اس شدت سے کی گئی کہ غیر شیعہ اور اچھے پڑھے لکھے لوگ نام کے بجائے "نفس زکیہ" ہی کہنے اور لکھنے لگے۔ محمد الارقط کے اس خروج کے جواز میں جو کھلی بغاوت تھی اور ایسے امیر و خلیفہ کے مقابلہ میں کی گئی تھی۔ جن کی خلافت قائم ہوئے بھی بارہ برس ہو چکے تھے امام مالک اور امام ابوحنیفہ پر یہ بہتان باندھے گئے کہ محمد الارقط کے خروج کی موافقت میں انہوں نے فتوے دیئے تھے اور ابوجعفر المنصور کو غاصب جانتے تھے حالانکہ یہ دونوں ائمہ مذہب امیر المومنین کی سرپرستی میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے خود امام ابوحنیفہ ہی کی زبانی سنیئے۔ کہ وہ اس خلیفہ کو "امیر المومنین" ہی کہتے ہیں جس کے خلاف فتویٰ دینے کا بہتان ان پر باندھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں امیر المومنین ابوجعفرؒ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اے ابوحنیفہؒ تم نے علم کن (بزرگوں) سے حاصل کیا۔ (قال ابوحنیفۃ دخلت علی ابی جعفر امیر المومنین فقال لی یا ابا حنیفۃ عمن اخذت العلم. صفحہ ۳۶۴ تاریخ الخمیس) ان کذب بیانیوں پر تفصیلی محاکمہ دوسری کتاب میں کیا گیا ہے یہاں تو حضرت حسینؓ کے خروج کے سلسلہ میں یہ چند مثالیں اس غرض سے پیش کی گئیں کہ جب حضرات حسنینؓ کے پوتوں پڑپوتوں کی بغاوتوں کو مذہبی رنگ دیا گیا، باغیوں کے فضائل و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں اور جن

خلفاء اور ان کے عمال نے طالبان خلافت کا مقابلہ کیا انہیں طرح طرح مطعون کیا گیا غاصب و جابر و فاجر کہا گیا تو اس خلیفہ و حکمران کی درگت بنانے میں جعلی سبائی راوی کونسی کسر اٹھا رکھتے جس نے خود حضرت حسینؓ کے خروج کو ناکام بنانے اور ذمہ دار حکمران کی حیثیت سے سوبہ عراق سے جہاں فتنوں کے طوفان موجیں مار رہے تھے شر و فساد دفع کرنے کے لئے عمال حکومت کو احکام جاری کئے تھے مگر جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے ایک رسالۃ الوصیۃ الکبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہؓ نے نہ حسینؓ کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا نہ اس پر اظہار مسرت کیا تھا۔

وھو لم یامر بقتل الحسین ولا اظھر الفرح بقتلہ ولا نکت بالقضیب علی ثنایاہ ولا حمل راس الحسین الی الشام لکن امر بمنع الحسین و بدفعہ عن الامر ولو کان بقتالہ (رسالۃ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)	اس نے نہ حسین کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ اُن کے قتل پر خوشی ظاہر کی اور نہ ان کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین کا سر ہی ملک شام بھیجا گیا۔ لیکن حسین کو روکنے اور ان کے ارادہ سے باز رکھنے کا حکم دیا تھا خواہ اس میں ان سے لڑنا ہی کیوں نہ پڑ جائے۔

لڑائی بھڑائی کی جو صورت پیش آئی اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب حضرت حسینؓ کوفیوں کی نصرت و حمایت سے مایوس ہو کر طلب خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور واپسی کے لئے یا بصورت دیگر کسی سرحدی مقام پر یا خلیفہ یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لئے آمادہ تھے تو گورنر عبید اللہ نے آخر یہ مطالبہ کیوں کیا کہ پہلے بیعت کر لیں بیعت کا یہ مطالبہ آیا جبر و ظلم کی بنا پر تھا یا آئین و قانون و ضابطہ کے تحت پھر کیوں حضرت حسینؓ نے گورنر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جیسا کہا جاتا ہے انکار کیا حالانکہ ابن زیاد سے بیعت خلیفہ ہی کی بیعت تھی۔ کیونکہ وہی خلیفہ وقت کا نائب قائمقام تھا، وہی حاکم مجاز تھا اور اسی کو خلیفہ نے فتنہ کو مٹانے، امن و امان بحال کرنے اور امت کی اس مصلحت کو قائم رکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا جس کی جانب حسینؓ کے دانشمند ناصحین نے اشارہ کیا تھا قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں کوئی شخصیت قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ اور نہ کوئی

شخص یا علمائے عالی نسبی قانون سے بالا ہو سکتا ہے۔ حضرت اسامہؓ نے جب مخزومی قبیلہ کی خاتون کے بارے میں عرض کیا تھا کہ چوری کے جرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی قومیں اس لیئے بھی تباہ ہوئیں کہ ان کے بڑے لوگ کوئی جرم کرتے چھوڑ دیئے جاتے وہی جرم چھوٹے کرتے تو سزا پاتے۔ میری بیٹی فاطمہ چوری کرے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلہ میں مثالاً فرض کیجئے ہمارے زمانہ میں کوئی پیرزادے اپنے خاندانی مریدوں کے بل بوتے پر مملکت کے کسی علاقہ میں بغاوت کا اقدام کر بیٹھیں اور ناکام رہ کر عذرات پیش کرنے اور اپنی پیرزادگی کا واسطہ دینے لگیں تو اس علاقہ کا کمشنر یا چیف کمشنر جو علاقائی نظم و نسق کا ذمہ دار ہے آیا ان کو گرفتار کر کے جیل میں بھیجے گا یا پیرزادگی کا لحاظ کر کے رہا کر دے گا!

پیش آمدہ حالات کے اعتبار سے گورنر عبید اللہ کا یہ مطالبہ کہ حسینؓ اول بیعت کرلیں جائز اور بجا و روا نہ مطالبہ تھا اور سیاسی و وقتی مصالح کے لحاظ سے بھی مناسب اور ضروری تھا کیونکہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے ایسا واضح اور بین ثبوت ان کی دست برداری کا ہو جاتا کہ پھر ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی امکان ہی نہ رہتا اور دوسری طرف افسران حکومت کے دلوں میں جو خدشہ تھا کہ مدینہ یا دمشق کے سفر پر اگر ہم انہیں جانے دیں مبادا پھر کوئی اقدام از خود یا کوفی ساتھیوں کے اثر سے کر بیٹھیں۔ بیعت کر لینے سے اس خدشہ کا بھی ازالہ ہو جاتا بہر حال طلب خلافت سے دست برداری خواہ غلطی محسوس کر لینے کے بعد کی ہو یا اس مجبوری سے کہ نصرت و حمایت کا وعدہ کرنے والے ہی منحرف ہو گئے تھے لازمی نتیجہ ان کی دست برداری کا بیعت خلیفہ و التزام جماعت مسلمین ہی ہو سکتا تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ حسینؓ برابر اپنے موقف پر قائم رہے اور بیعت سے منکر وہ نہیں سمجھتے کیا کہہ رہے ہیں، حضرت حسینؓ کو کس پوزیشن میں رکھ رہے ہیں۔ لزوم جماعت و اطاعت خلیفہ کے بارے میں متعدد احادیث میں سخت تاکید ہے۔ پچھلے اوراق میں ہم حضرت حسینؓ کے ترک طلب خلافت کے سلسلہ میں کہہ چکے ہیں کہ وہ حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔۔۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبری

ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا! اسلامی زندگی کا دوسرا نام ہے باہمی اتحاد و اخوت و ائتلاف اور حسب فرمان نبوی جو شخص اطاعت امام و خلیفہ سے الگ ہو گیا یعنی بیعت نہ کی اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی خواہ ارکان مذہبی کا پابند ہی کیوں نہ ہو۔ مورخین نے خود حضرت حسینؓ ہی کے یہ الفاظ متعدد جگہ نقل کئے ہیں کہ میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کو موجود ہوں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ) مگر یہ موقع کیوں نہ آیا اس کی تفصیلات بیان ہو چکیں مسلم بن عقیل کے بھائیوں کی عصبیت جاہلیہ نے یہ نوبت نہ آنے دی ورنہ واقعات کا دھارا یکسر پلٹ جاتا۔ گورنر عبید اللہ اور دیگر افسروں نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی غلط کارروائی نہیں کی تھی اسی وجہ سے ان سے نہ کوئی باز پرس ہوئی اور نہ ہونی چاہئے تھی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ عراق اور کوفی سب حکومت کے ساتھ تھے اور بیعت خلیفہ میں منسلک، معدودے چند سر پھرے جو بغاوت کے سرغنہ تھے خائب و خاسر زاویہ خمول میں جا بیٹھے تھے۔ مملکت کے تمام صوبوں اور صوبوں کے تمام مقامات پر خلیفہ یزید رحمہ اللہ کی بیعت مکمل و موکد ہو گئی تھی جس پر پورے چھ ماہ کی مدت بھی گذر چکی تھی۔ سیکڑوں صحابہ کرام جن میں بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان جیسی ہستیاں جو درجہ و منزلت میں جناب حسینؓ سے بہت اونچی تھیں اس نوجوان غازی و مجاہد کی بطیب خاطر بیعت کر چکی تھیں جس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

وکان من شبان المسلمین ولا کان کافراً ولا زندیقاً وتولی بعد ابیہ علی کراھۃ من بعض المسلمین ورضا من بعضھم وکان فیہ شجاعۃ وکرم ولم یکن مظھراً للفواحش کما یحکی عنہ خصومہ۔

(الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہؒ)

اور وہ (یزیدؒ) مسلمان نوجوانوں میں سے تھے نہ کافر تھے، نہ زندیق۔ اپنے والد کے بعد حاکم (خلیفہ) ہوئے جسے بعض مسلمانوں نے ناپسند کیا اور بعض نے پسند کیا۔ ان کی ذات میں بہادری کرم و مہربانی کی صفت تھی۔ وہ فواحش اور برائیاں ان میں نہیں تھیں جو ان کے دشمن ان سے منسوب کرتے ہیں۔

ناپسند کرنے والوں میں ایک گروہ تو ان کوفیوں ہی کا تھا جنہوں نے آخر میں حضرت حسینؓ سے انحراف کیا تھا باقی یہ دو بزرگوار تھے جو خود طالب خلافت تھے ۔ یعنی حضرت حسینؓ و ابن زبیرؓ ان کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر ہستی مخالف نہ تھی ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ کا نام اس ضمن میں لینا غلط ہے کیونکہ وہ تو بیعت خلافت سے تین سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ و دیگر صحابہؓ خصوصاً حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی ابن حجر نے فتح الباری میں ان کے موقف کی یوں تصریح کی ہے : ۔

كان امتنع ان يبايع لعلي ومعاوية ثم بايع لمعاوية لما اصطلح مع الحسن بن علي واجتمع عليه الناس وبايع لابنه يزيد بعد موت معاوية لاجتماع الناس عليه ۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۲)

ابن عمرؓ نے تو علی و معاویہؓ دونوں سے بیعت کرنے سے (فتنے کے دوران) انکار کر دیا تھا پھر معاویہؓ سے اس وقت بیعت کر لی جب حسن بن علیؓ سے صلح ہو کر لوگوں کا ان پر اجماع ہو گیا تھا پھر معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے فرزند یزیدؒ سے بیعت کی کہ ان پر بھی لوگوں کا اجماع ہو گیا تھا ۔

استخلاف کے علاوہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع امت کا ہونا ان کے متفق علیہ و برحق خلیفہ ہونے کا ایسا ثبوت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا ۔

ایک شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ : ۔

" حضرت عبداللہ بن عمر بھی یزید کو خلیفہ برحق جانتے تھے اگر ایسا نہ جانتے تو آپ نہ خود یزید کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور نہ لوگوں سے یزید کے ہاتھ پر بیعت کراتے ۔ اتنے بڑے خلیفہ کے بیٹے اور خود بھی سرد دانا اور فہیم ہو کر ایک فعل لغو کے مرتکب نہیں ہو سکتے ۔ یقیناً آپ حضرت یزید کی خلافت کو ایک باقاعدہ خلافت سمجھتے تھے اور کیوں نہ باقاعدہ سمجھتے جب یزید کی خلافت حقہ ہونے میں شروط خلافت کی رو سے کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا ہے "

(مصباح الظلم ص ۱۲۷)

یہی شیعہ مؤلف مزید فرماتے ہیں کہ : ۔

خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ من جانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسینؑ ہیں بلحاظ زمانہ ایک دوسرے کے ہم عصر خلیفہ تھے گر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی ۔ یزید شروط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لئے اس کی خلافت منجانب الناس تھی ۔ جناب امام حسینؑ رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنیاد پر تھے اس لئے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی ۔

(مصباح الظلم ص ۲۲۳ مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور)

لیکن مؤلف موصوف نے یہ نہ بتایا کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ نے لوگوں کے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کے خلاف خروج کیوں کیا اور کیوں کامیاب نہ ہوئے صحابہ کرام نے اور ان بزرگواروں نے جو اللہ کے کلام " والذین معہ " کے مصداق تھے یعنی بدری صحابہ و اصحاب بیعت الرضوان نے نیز تابعین عظام و جمہور امت خصوصاً ان کے قریبی عزیزوں نے " خلیفہ منجانب اللہ " کا ساتھ کیوں نہ دیا کیوں خروج سے منع کیا ۔ ظاہر کہ یہ سب بزرگوار ان کو " خلیفہ منجانب اللہ " نہیں سمجھتے تھے ۔ جیسا خود مؤلف موصوف نے ہی لکھا ہے کہ ۔

" اہل سنت کے عقائد کی رو سے جناب امام حسینؑ نہ خلیفہ رسول تھے نہ امام وقت اور نہ معصوم ۔ آپ کی جنگ آزمائی یزید کے مقابلہ میں خروج تھی اور اسی لئے آپ کی ہلاکت شہادت نہیں مانی جا سکتی جیسا کہ کہا گیا ہے خَرَجَ الحُسَينُ فَقُتِلَ عَوَمُ سَيفِ جَدِّهٖ ۔ (مصباح الظلم ص ۱۳۲)

اسی سلسلہ میں نواب صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ ۔

بیعت برائے یزید گردیدہ بود پس حسینؓ بروے باغی شد ۔ زیرا کہ کسان بسیار

یزید کے لئے بیعت (خلافت) ہو گئی تھی لہذا حسینؓ نے ان پر بغاوت کی کیونکہ

اقدام بر بیعت وے نمودند و استخلاف پدر او برائے وے اختیار کردند و باوجود استخلاف ایں چنیں مخالفت کہ حسین کرد شرط نہ باشد و شک نیست کہ پدرش معاویہ خلیفہ برحق بود (صفحہ ۴۲ ایضاً)

بہت سے لوگوں نے یزید کی بیعت کرلی تھی اور ان کے والد نے ان کو ولیعہد بھی کیا تھا باوجود استخلاف کے ایسی بغاوت جو حسین نے کی جائز نہ تھی اور اس میں شک نہیں کہ انکے والد معاویہ خلیفہ برحق تھے۔

اپنی کتاب مصباح الظلم کے آخری صفحات پر یہ شیعہ مؤلف صاف طور سے لکھتے ہیں کہ خلافت شیخین یعنی خلافت حضرت ابوبکرؓ و خلافت حضرت عمرؓ کو حق مانکر کوئی متنفس، نہ امام حسینؓ کی شہادت کو شہادت مان سکتا ہے نہ امام حسینؓ کی عزاداری یا ہمدردی کا استحقاق رکھتا ہے ... سچ ہے اگر سقیفہ کا معاملہ ظہور میں نہیں آتا تو کربلا کا واقعہ بھی ظہور میں نہیں آتا۔ لاریب کربلا کا واقعہ سقیفہ کے معاملہ کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

چہ خوش فرمود شخصے ایں لطیفہ
کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

... الحق خلافت شیخین اور شہادت امام حسینؑ باہم علت و معلول کی نسبت رکھتی ہیں اور دونوں ایسی شے ہیں کہ ان میں سے ایک کا اقرار کنندہ دوسرے کا منکر ہو ناممکن ہے کہ شخص واحد دونوں کی حقیقت کا اعتراف رکھے ... خلافت اگر ہے شہادت نہیں شہادت اگر ہے خلافت نہیں ... بنی ہاشم (یعنی حسین و اولاد حسنین ع م) ہر خلافت میں اپنا اور اپنے دشمنوں کا خون بہاتے رہے ظاہراً اسلام کی تاریخ خروج بنی ہاشم سے بھری نظر آتی ہے ان سب خروجوں کا منشا ہی طلب حق تھا اور یہ حق وہی حق تھا جسے بنی ہاشم اجماع سقیفہ کے ہاتھوں کھو بیٹھے تھے اور جس کے کھوئے جانے کا باعث حضرت عمرؓ ہوئے تھے: (صفحہ ۴۲ ایضاً)

واقعہ کربلا کو اجماع سقیفہ کا فطری نتیجہ قرار دینے سے مقصد وہی ہے جسے شیخ ابن تیمیہؒ

ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ:

ولم یکن احد اذ ذاک یتکلم فی یزید بن معاویۃ ولا کان الکلام فیہ من الدین ثم حدثت بعد ذلک اشیاء فصار قوم یظہرون لعنۃ یزید ابن معاویۃ وربما کان غرضہم بذلک التطرق الی لعنۃ غیرہ۔ (الوصیۃ الکبریٰ صفحہ ۳)

اور اس وقت (یعنی واقعہ کربلا کے بعد) کوئی شخص بھی یزید بن معاویہ کی ذات کے بارے میں کوئی لفظ نہ زبان پر لاتا تھا اور نہ انکی دینی حالت کے متعلق کچھ کلام کرتا تھا مگر اسکے بعد بعض واقعات ظہور میں آئے کہ ایک گروہ یزید بن معاویہ پر لعنت کا اظہار کرنے لگا اور اس سے مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ یزید کی آڑ لیکر دوسروں پر لعنت کی جائے۔

شیعہ مؤلف نے خلافت پر علیؓ داد: علیؓ کے حق و استحقاق کا جو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی کے حصول کی خاطر انہوں نے بار بار اپنا اور دوسروں کا خون بہایا تھا محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ تقدیر الٰہی میں یہ بات مقرر تھی کہ علی مرتضیٰ اور انکی اولاد تا قیامت کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوں اور کسی طرح بھی کوئی صورت انکی خلافت کی مہیا نہ ہونے پائے نہ بندھے بلکہ ان میں سے جو کوئی بھی اپنے لئے دعوت دے اور آمادہ جدال و قتال ہو مخذول و مقتول ہو (ازالۃ الخلفاء) یہ سب تاریخی روایات ہیں مگر شیعہ لٹریچر میں ... کی ابتدا حضرت علیؓ سے کر کے تمام تر ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ڈالی گئی ہے اور طرح طرح کے بہتان باندھے گئے ہیں حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ علیؓ سے زبردستی بیعت لینے کے لئے عمرؓ ان کے گلے میں (معاذ اللہ) رسی باندھ کر اس طرح گھسیٹ لائے کہ فاطمہؓ سر پیٹتی ہوئی اور حسن و حسین ننگے سر ننگے پاؤں روتے چیختے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے (حملہ حیدری)

بدست عمر بستہ سر ریسماں | دوم در کفش فتنہ پیچوں
برآمد ز دنبال شیر خدا | عبا بر سر افگندہ خیر النسا
حسین و حسن در محمد وش آمدہ | برہنہ سر و پا جیب تر زدہ

یہ اور اسی قسم کے صدہا بہتان تراشے گئے جب بعد رسول اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کی برائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو تو معاویہؓ و یزید اور دوسرے خلفائے

اسلام پر جنہوں نے دلیان خلافت کے خروجوں کا مقابلہ کیا تھا سبائی ذہنیت جو کچھ بھی نہ اچھا ہے کم ہے۔ فتنوں کی آگ تو اسی ذہنیت کی بھڑکائی ہوئی تھی بقول ایک مؤلف :-

وما هي الا فتنة اليهود والرفضة بعد الله واعداء دينه اتخذوا من مقتل الحسين طنبوراً يترنموا عليه بما يوحي اليهم الشيطان ليزيدوا نار العداوة والفرقة والتنافر بين المسلمين اتقادا۔

(حاشیہ راس الحسین ص۲۴۲)

اور یہ (قتل حسین) تو صرف یہودیوں اور رافضیوں کا فتنہ تھا جو اللہ اور اس کے دین کے دشمن تھے انہوں نے ہی قتل حسین کے متعلق طنبورے پر اشعار گائے جو شیطان نے ان کے خیال میں القا کئے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں دشمنی فرقہ بندی اور شر و فساد کی آگ کو زیادہ بھڑکائیں۔

مندرجہ بالا عبارت میں صاف اشارہ سبائی و دیلمی مجوسی روافض کی جانب تو ان ہی میں معز الدولہ دیلمی تھا جو ماتم حسین کا اصلی بانی یا فی تھا یہ بدعت اس نے واقعہ کربلا کے تین سو برس بعد ۳۵۲ھ میں بطور سیاسی شعبدہ بازی (۳۵۲ھ ۹۶۳ء) کے ایجاد کی تھی۔ حضرت حسینؓ نے نسبی و خاندانی دعوے سے بیجا اور بے محل خروج کرنے میں بقول مورخ الخضری (متوفی ۱۳۴۵ھ) عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا کہ اس غلطی کا صحیح صحیح اندازہ حسنؓ بن علیؓ برادران وقت، محمدیہ رسول اللہ صلعم کے صحابہ آپ کے رفقا کے طرز عمل سے ہوتا ہے جو حضرت کے اس خروج کو اس درجہ ناجائز سمجھا کہ ان سینکڑوں بزرگواروں میں کسی ایک نے بھی موافقت نہ کی اخذ البیعت کی تابعیت میں نیابت ذات کے ساتھ ہر اندر خاصم خلافت کے ہو دو طرفہ فانہم اکثر الصحابہ ... تو ابیح یزید ولد یردوا الذہ وہ علیہ (مقدمہ ابن خلدون) موجودہ دور تحقیق و ریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کیسے مناقب کی مبالغہ آمیز دشنی اور جھوٹی حدیثیں اسلامی ہیں اپنا وزن کھو چکی اور حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جس کا سلسلہ حضرت حسینؓ کے خروج سے شروع ہو کر ان کی اولاد میں تین صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا جنکی تفصیلات ہماری دوسری کتاب میں مذکور ہیں۔ وہ کربلا کا خروج ہی بنیادی فتنہ کا نتائج و اثرات بعد کے اعتبار سے یکساں تھے۔ بقول

ع: امت میں پھوٹ پڑتی ہے ہر کربلا کے بعد

مثنوی مشتمل بر تاریخ طبع کتاب

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آں صاحب علم و فضل و خبرت — محمود احمد، زعیم ملت
واقف ز سیر، خبیر[1] از انساب — مفتوح بر او ز علم ہر باب
در حق گوئیش بیش و کم نیست — ترساں ز ملامت ہیچ کس نیست
بنوشت کنوں ہمیں کتابے — برداشت ز روئے حق نقابے
کردہ رخ اختلاف اسلاف — از گرد و غبار افتراصاف
غش را ز ثمین جدا نمودہ — ہر عقدۂ بستہ را کشودہ
در صدق بیان رضائے حق دید — وز لومۃ لائمات نہ ترسید
اللہ اللہ! عجب کتابے است — ہر صفحہ تو گوئی آفتابے است
چوں مژدۂ طبع او شنیدم — گلہا ز ریاض شکر چیدم
پس دل بسنہ طبا عتش خواست — وز غوص حیم فکر آراست

برخواند سروش غیب ناگہ
حالات مناقشات امہ
۱۳۷۸ھ

قطعات تاریخ فارسی

از قلم مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب ثاقب مقیم دہلی

مؤلف عالی ذات
۱۳۷۸ھ

فضیلت پناہ
۱۳۷۸ھ

صاحب جاہ و اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی
۱۳۷۸ھ

ترا البقائے ابد باد و نیکو نامی — عجب صحیفہ نوشتی بر نگہ یکتائی

۱؎ "خبیر" یعنی باخبر

عصائے موسوی آمد قلم بدست تو — بیک کرشمہ ربودی طلسم ہفت صدی[1]
نہاں بپردہ ایام ہیچ راز نماند — چو فاش گشتہ ہمہ آنکہ ذرّہ تاریخی
ضرر بکلک تو در کشف مشکلات قوم — چنانکہ فصل خطابست و لحن داؤدی
تراست حجت قاطع بدست تیغ قلم — چگونہ پیش رود دعوئے کذوب دنی
نگارش تو عجب طرز داستاں دارد — کہ آفریں بکند ہمچو حالی و شبلی
کمال دانش تو از فیوض جد[2] آمد — گل شگفتہ از گلستان عباسی
زمانہ را کہ زغفلت بخواب در شدہ بود — کشید کلک تو در دیدہ کحل بیداری

بجست تائب خستہ چو سال ایں تالیف
چہ خوب آمدہ - دور خلافت اموی

۱۳۷۸ھ

ایضاً

از قلم جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آن صاحب علم و فضل محمود — کو ہست آگہہ ز سرّ سیرت
بنوشت کتاب و برد برآورد — خوش لمعہ نور راز ابر ظلمت
صد شکر کہ طبع گشت و برداشت — از چشم جہاں غشائے غفلت

شدے[3] تکرار تیاب سالش
"احوال منافقات امت"

۱۳۷۸ھ

مشکبار قطعہ تاریخ

برجہیز تالیف "خلافت معاویہ و یزید"

۱۵ — ۲۰ بکرمی

[1] ضرورت شعری سے لکھا گیا ورنہ یہ طلسم تو بارہ سو برس سے زیادہ کا ہے۔
[2] یعنی ابو الامت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جد اعلائی مؤلف۔
[3] بعد تخرجہ یک عدد ۱۳۷۸ھ برمی آید۔

از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی صاحب

۱۹۵۹ء

محسن حقیقی مہر تقوی جے پوری

۱۳۷۸ھ

تالیف کرد حضرت محمود[1] نسخہ — کز حکمتش علاج دل نکتہ چین کنند
روشن شوند قلب و دماغ از جمال آن — نظارہ اش چو از نگہ دوربین کنند
در جزو دانِ دل نہند آں را باشتیاق — از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند
برنا و پیر ملت اسلام لازم است — بالاشتراک بر اثرش آفریں کنند
کاریست بالصواب و ثواب است بے حساب — کارے کہ عالماں پئے تعلیم دیں کنند

تاریخ "باصواب" بگفتم بہ تعمیہ
۹۹
ایں کار از تو آمد و مرداں حسیں کنند

۱۲۷۹ + ۹۹ = سنہ ۱۳۷۸ھ

قطعات اردو

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

محمود ہے جن کا نام محمود ہے کام — کیا خوب کتاب انہوں نے کی ہے ارقام
پوچھے سنہ طبع تمنا جو کوئی — کہہ دو کہ "مشاجرات اسلاف کرام"

سنہ ۱۳۷۸

ولہ

کیسی ہے کتاب فی الحقیقت دیکھئے! — انصاف سے از روئے دیانت کہئے
جو نام ہے "بے بہا" دہ تاریخ بھی ہے — آپ اس کو "مشاجرات امت" کہئے

۱۳۷۸ھ

("بہا" کے بھی (۸) عدد ہیں "بے بہا" کہنے سے "مشاجرات امت" کے (۱۳۸۶) سے (۸) عدد خارج ہو کر باقی ۱۳۷۸ھ رہ گیا)

[1] علامہ محمود احمد صاحب عباسی امروہوی۔

ولہ

اس کا بھی جاننا ہے فرض ہم پہ صحیح طور سے
بعض سلف کے کچھ دنوں گذرے ہیں کیسے لیل و یوم
پڑھیے اب اس کتاب کو خوب چھپی ہے وقت پر
ہوجیے جلد ہوشیار، ہیں اگر آپ محو نوم
نفس گراں سے دل ہیں ہو، جن کا ہے اتباع فرض
کام کبھی نہ آئیں گے کھوکھلے یہ صلوٰۃ و صوم
ہے بھی یہ شاہکار اس صاحب علم و فضل کا
تھام سکا نہ جس کا ہاتھ لائمِ بدگہر کا لوم
چاہیے اس کے طبع کا سال جو تجھ کو عیسوی
لکھ دے تمنیؔ حزیں: "ذکر مناقشات قوم"
۱۹۶۸ء

ولہ

تاریخ کی تحقیق بھی ایک کام ہے اہم — انسان نہیں ناحق کسی جانب جو ڈھل گیا
گو حضرت تمنا نے دکھلائی رہ حق — کیا راہ حق پائیگا وہ فتنہ پرجو تل گیا
اب تم تمنا جیسی ہی تاریخ یوں لکھو
"لوگوں سے مناقشات کا سب راز کھل گیا"

اِنْ کَانَ یَزِیْدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ مَغْفُوْرًا

اللہ کی رحمت پر کسی کا ہے اجارہ؟

(بقلم مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور)

لَا نَسْلُکُ بِالزَّیْغِ یَمِیْنًا وَیَسَارًا — نہ راہ توسط سے نہیں ہم کو کنارا
لَنَا مُحِبِّیْنَ غُلُوًّا کَنَصَارٰی — ہم امت وسطیٰ ہیں یہ مذہب ہے ہمارا
لَا تَسْمَعُ مَرْثِیَۃً زُوْرٍ وَّدِمَارًا — سنتے نہیں مرثیہ نہ پر ربط نہ چکارہ
ہم اہل تسنن ہیں تقیہ نہیں کرتے — لَا نَخْتَلِفُ الْقَوْلَ سِرًّا وَّجِهَارًا
تاریخ بنی الشمس[1] لَنَا الدُّرُّ مُضِیٌّ — اولادِ امیّہ کا چمکتا ہے ستارا
مردوں کو برا کہیے یہ شیوہ نہیں اچھا — لَا نَشْتُمُ الْاَسْلَافَ صِغَارًا وَّکِبَارًا
ہم اپنی زبانوں سے تبرا نہیں کرتے — لَا نَلْفِظُہَا لِسُوْءٍ سِرًّا وَّجِہَارًا
قَدْ قَالَ بِہٖ حُجَّۃُ الْاِسْلَامِ غَزَالِیْ — احیائے علوم ان کی ہے قرآں کا سپارہ
لَا نُشْرِکُ بِاللّٰہِ عَلِیًّا بِنِدَاءٍ — ہم کو ہے بس اللہ کی رحمت کا سہارا
وَاللّٰہِ مُعَاوِیَۃُ لِلْمُؤْمِنِ خَالٌ — اصہارِ رسالت سے یہ رشتہ ہے ہمارا
اَلسَّبُّ لِعُثْمَانَ لَقَدْ یَسْلُبُ الْاِیْمَانَ — قَدْ جُرِّبَ فِی النَّاسِ کِرَارًا وَّمِرَارًا
یہ پیش رو لشکر اسلام ہیں دونوں — عثمان و معاویۃ فی الارض اَمَارَا
لَا یَنْقُصُ اِسْنَادًا وَّمُسَمًّی وَّسِمَاتًا — روشن ہے ابو خالد عادل کا منارا
اِنْ کَانَ یَزِیْدُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ مَغْفُوْرٌ — اللہ کی رحمت پہ کسی کا ہے اجارہ؟
فِیْ مَغْفِرَۃِ الْجُنْدِ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ[2] — جس فوج کو قائد نے سمندر میں اتارا
دکھلاؤ کہ خارج ہے بشارت سے کوئی فرد — قَدْ جَاءَ حَدِیْثٌ مِّنْ اَحَادِیْثَ نَجَارًا

---

[1] بنی عبدشمس بن عبد مناف یعنی بنی امیہ۔
[2] صحیح البخاری جلد الاول۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لہم (الحدیث)

کیوں کرتے ہو انکار حدیث نبوی کا
من قسورۃ السنۃ للذئب فرارا

بدمستی و رندی کا یہ بہتان ہے واللہ
فی محفلہ کانت الاحباب سکارٰی

اصحابِ نبی کا وہ امام اور وہ قائد
الفاجر والزانی والفسق جھارا

بیعت جو صحابہؓ ہوئے کیا کہیے ہو ان کو
من این الی این تضرون فرارا

علامۃ محمود فی الانساب امامٌ
تاریخ کی دنیا میں بجا ان کا نقارا

ماحقق علامۃ محمود صحیحٌ
تاریخ میں جھٹلا دے کوئی کس کو ہے یارا

تاریخ سے انکار نہیں کارِ عقیلاں
من ینکر للحق بلیدٌ کحمار دیٰ

عادت ہے سہیل اپنی کہ مدحِ علماء ہو
صیفاً و شتاءً و بلیلٍ و نہارا

جلیس احمد زبیری گلوڈکی
۱۹۶۷ء
کراچی

آگئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

(از مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ (لائلپور))

مطلعِ تاریخ پر نکلا ہے گویا ماہِ عید
آگئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

خوب لکھی ہے کتابِ لاجواب و باصواب
علم کی دنیا میں ہر سو غُل اٹھا ہل من مزید

ہوگئی مسدود راہِ لعن و طعن و افترا
مذہب باطل کی اس سے کٹ گئی حبل الورید

مصرعِ پرلطف ہم نے بھی لکھا ہے اے سہیل
ہوگئے علامہ محمود احمد بایزیدؒ

وہ حدیثِ مستند یعنی کہ مغفورٌ لہم
فوجِ قسطنطین پر صادق ہے جس میں ہے یزیدؒ

اس حدیثِ مغفرت میں کوئی استثناء نہیں!
تیشہ رگِ اسلام پر دیتے ہو کیوں ضرب شدید!

موردِ الزام ٹھہراتے ہو جس کو دوستو
کر کے تاویلات اور تحریف کی گفت و شنید

ہو گئے عاجز دلائل سے تو غصہ آگیا

کف بلب آمد وخارِ دشمنی در دل خلید

دوستو! واللہ ربّ العرش و ربّ العلمین

اس حدیثِ پاک سے خارج نہیں ہرگز یزیدؒ

ھل نسیتم ما اُمرتم لا تسبّوا امیتنا

اَیّھا العُلماءُ کُفّوا عن سبابٍ فی یزید

ثُمّ عن الزام قتلٍ افتراءٍ باطلٍ

لا تحیدوا عن صراطِ الحقِ عن اَمرٍ سدید

اِی دری حجتی قولُ النبی المصطفٰیؐ

ھل لکم برھانُ ربّی من قدیمٍ اوجدید

حجتی سند البخاری راویًا ابن عمرؓ

ایُّھا الجرّاحُ کُفّوا عن معاندِ العنید

ھل لکم ان توا لاصدق ام لکم اذانُ حق

ھل لکم ذوقٌ سلیمٌ بینکم رجلٌ رشید!

کتابیات

۱۔ آثار الباقیہ البیرونی

۲۔ اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء الخضری

۳۔ اخبار الطوال ابو حنیفہ الدینوری

۴۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ

۵۔ الاستیعاب ابن عبد البر

۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ

۸۔ الاعلام قاموس التراجم زرکلی

۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر

۱۰۔ التنبیہ والاشراف مسعودی

۱۱۔ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام

۱۲۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ابن تیمیہ

۱۳۔ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب

۱۴۔ العقد الفرید ابن عبد ربہ

۱۵۔ العواصم من القواصم ابن العربی

۱۶۔ الامامۃ والسیاسۃ الدینوری

۱۷۔ انساب الاشراف بلاذری

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن (انگلش)

۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)

۲۰۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد

۲۱۔ البیان والتبیین جاحظ

۲۲۔ تاج العروس شرح قاموس

۲۳۔ تاریخ الاسلام ذہبی

۲۴۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوار (انگلش)

۲۵۔ تاریخ ابن خلدون

۲۶۔ تاریخ الامم والملوک طبری

۲۷۔ تاریخ ادبیات عرب نکلسن (انگلش)

۲۸۔ تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان

۲۹۔ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)

۳۰۔ تاریخ عرب ہتی (انگلش)

۳۱۔ تاریخ مسلمانان اسپین دوزی (انگلش)

۳۲۔ تاریخ عروج و زوال روما الکبریٰ گبن (انگلش)

۳۳۔ تاریخ کعبۃ المعظمہ
۳۴۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔
۳۵۔ جامع ترمذی
۳۶۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)
۳۷۔ جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۸۔ جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۹۔ جمہرۃ الخطب العرب احمد ذکی صفوت
۴۰۔ حاضر العالم الاسلامی شکیب ارسلان
۴۱۔ حیات محمد محمد حسین ہیکل۔
۴۲۔ دی کریسنٹ امیر محمد جارشد (انگلش)
۴۳۔ رحلہ ابن بطوطہ
۴۴۔ رحلہ ابن جبیر۔
۴۵۔ رحلۃ الحجاز البیتونی
۴۶۔ سفرنامہ مکہ مدینہ رچرڈ برٹن (انگلش)
۴۷۔ سنن ابی داؤد
۴۸۔ سنن نسائی
۴۹۔ سیرۃ الحلبیہ
۵۰۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید
۵۱۔ شفاء الغلیل للخفاجی
۵۲۔ صحیح البخاری
۵۳۔ صحیح مسلم
۵۴۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی بیلی۔
۵۵۔ طبقات ابن سعد
۵۶۔ عرب و مشرق بعید پروفیسر حزین (انگلش)
۵۷۔ علی و بنوہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین
۵۸۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۹۔ غزوات النبی ﷺ ڈاکٹر حمید اللہ
۶۰۔ غنیۃ الطالبین الجیلانی
۶۱۔ فتح الباری شرح بخاری
۶۲۔ فتوح البلدان بلاذری
۶۳۔ فہرست ابن الندیم
۶۴۔ کامل الصناعۃ علی المجوسی
۶۵۔ کتاب الاغانی ابو الفرج اصفہانی
۶۶۔ کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی۔
۶۷۔ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ
۶۸۔ کتاب الزہد امام احمد بن حنبل رح
۶۹۔ کتاب المحبر ابی جعفر محمد
۷۰۔ کتاب المسالک والممالک ابن حوقل
۷۱۔ " " " الاصطخری
۷۲۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۷۳۔ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۷۴۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال فاضل مدراسی
۷۵۔ اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ سیوطی۔

۷۶۔ لسان العرب
۷۷۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی
۷۸۔ لغت الجوالیقی
۷۹۔ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۸۰۔ محاضرات تاریخ الاسلام الخضری
۸۱۔ محمد ایٹ مدینہ منٹگمری واٹ (انگلش)
۸۲۔ معجم البلدان یاقوت حموی
۸۳۔ المعرب للجوالیقی
۸۴۔ مکتوب مجدد الف ثانی رح
۸۵۔ مکتوب شیخ الہند مدنی رح
۸۶۔ مقاتل الطالبین ابو الفرج اصفہانی
۸۷۔ مقتل ابو مخنف
۸۸۔ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۸۹۔ منتخبات فی اخبار الیمن
۹۰۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ رح
۹۱۔ موطا امام مالک رح
۹۲۔ میزان الاعتدال ذہبی
۹۳۔ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۹۴۔ نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی
۹۵۔ وفیات الاعیان ابن خلکان۔
۹۶۔ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم
۹۷۔ تاریخ یعقوبی ابن واضح
۹۸۔ راس الحسین ابن تیمیہ رح
۹۹۔ مصباح الظلم امداد امام
۱۰۰۔ الوصیۃ الکبریٰ ابن تیمیہ رح

خریطہ بلاد العرب

حسینی قافلہ کا راستہ اور اس کی منزلیں

مقتولین کربلا کے سروں کو دمشق لے جانے کا مفروضہ راستہ

العراق العجمی

الجزیرہ

تکریت

نہر الدجلہ

بلاد فارس

کربلا

قصر بنی مقاتل

العذیب

نہر الفرات

قادسیہ

قرعا

شراف

واقصہ

بصرہ

عقبہ

القاع

زبالہ

شقوق

بطان (قبر العبادی)

ثعلبیہ

خزیمہ

خلیج الفارسی

بنی عامر

بنی تمیم

بنی حنیفہ

بنی عبد القیس

البحرین

عمان

عمان

الربع الخالی

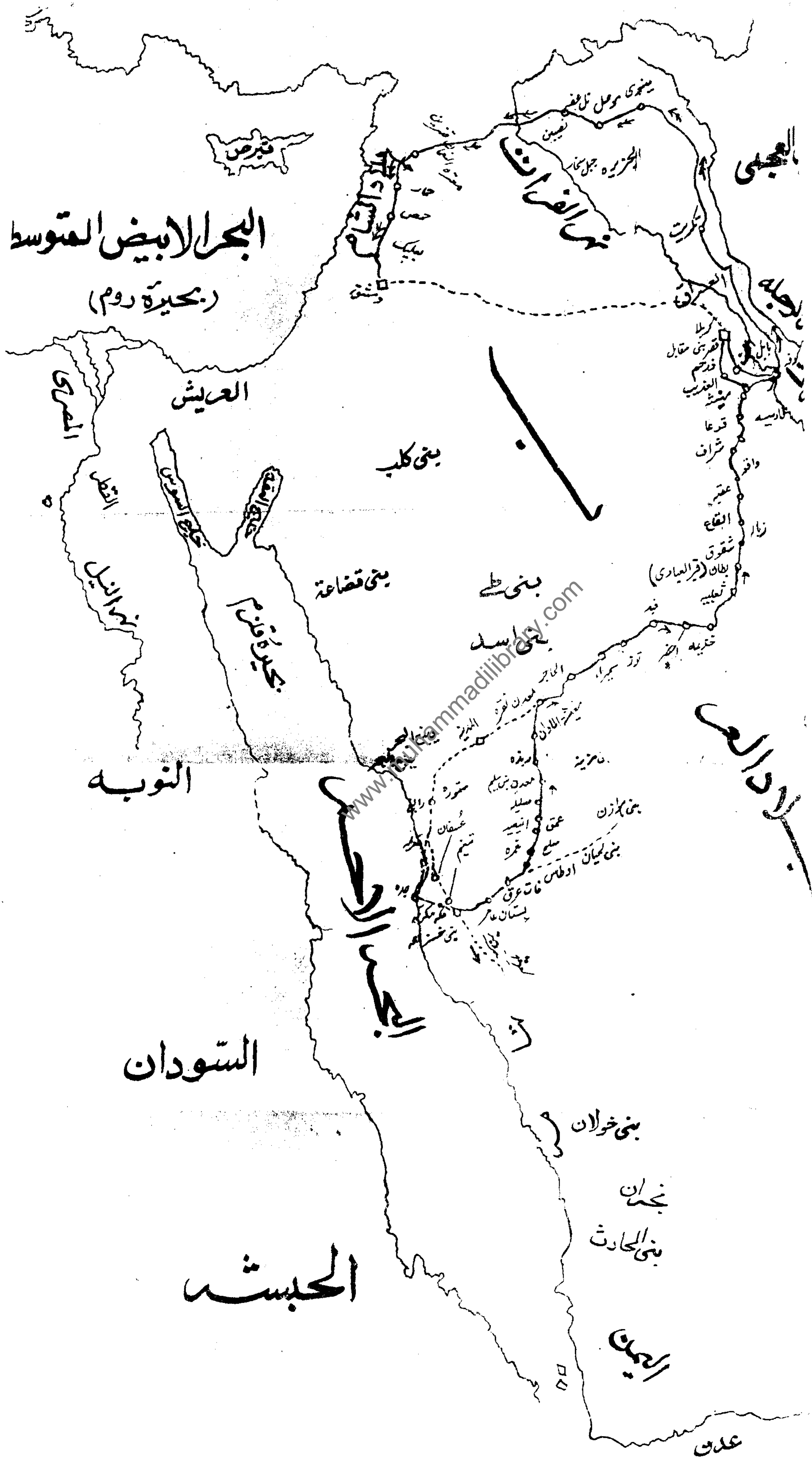
حضر موت

المحیط الہندی

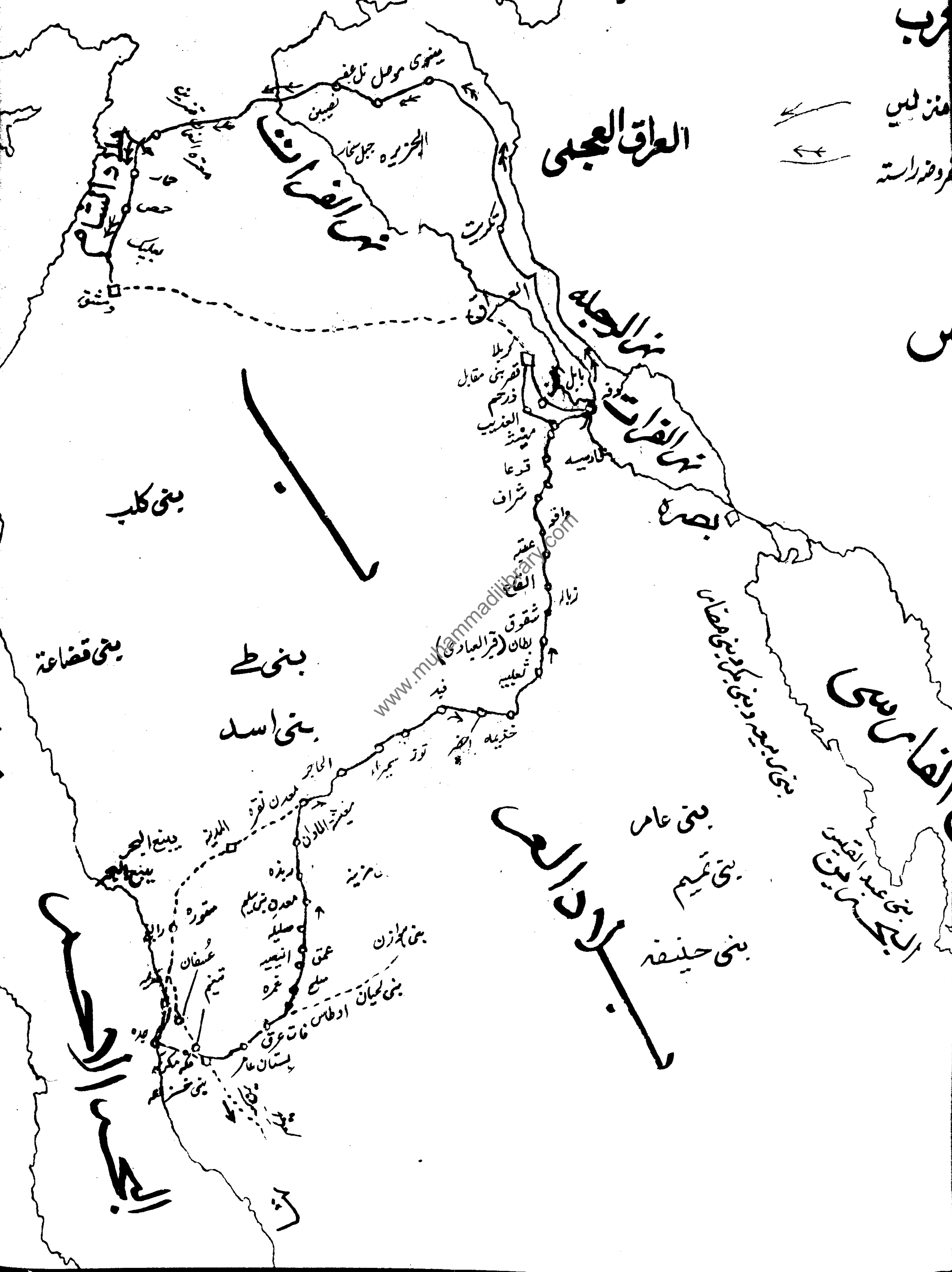
عدن

پیمانہ: انگریزی میل

۲۵ ۵۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۲۵۰



البحر الابیض المتوسط
(بحیرۂ روم)
قبرص
العریش
نہر الفرات
دجلہ
العجمی
بنی کلب
بنی قضاعة
بنی طے
بنی اسد
بحیرۂ قلزم
النوبہ
السودان
الحبشہ
نہر النیل
بنی خولان
نجران
بنی الحارث
الیمن
عدن
نصیبین
الجزیرہ
تکریت
دمشق
حمص
حلب
بعلبک
کربلا
قادسیہ
شراف
واقصہ
زبالہ
ثعلبیہ
خزیمہ
الحاجز
المدینہ
ربذہ
معدن بنی سلیم
عسفان
تنعیم
بنی ہوازن
بنی لحیان
اوطاس
ذات عرق
بستان عامر


العراق العجمی
نہر الفرات
نہر الدجلہ
نینوی
موصل
نصیبین
الجزیرہ
تکریت
حماہ
حمص
بعلبک
دمشق
العراق
کربلا
قصر بنی مقاتل
بابل
کوفہ
العذیب
قادسیہ
شراف
واقصہ
عقبہ
زبالہ
شقوق
ثعلبیہ
فید
خزیمہ
الحاجر
معدن نقرہ
المدینہ
ینبع البحر
ربذہ
معدن بنی سلیم
عمق
ذات عرق
بستان عامر
عسفان
تنعیم
رابغ
جدہ
مکہ مکرمہ
بنی لحیان
بنی ہوازن
بنی کلب
بنی قضاعة
بنی طے
بنی اسد
بنی عامر
بنی تمیم
بنی حنیفہ
بصرہ